

علوم اسلامیہ

www.KitaboSunnat.com

برائے طلبہ و طالبات

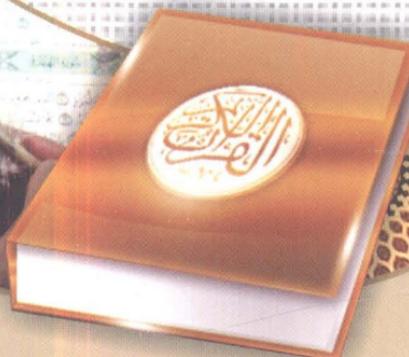
بی ایس سی انجنئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، بی ٹیک پاس

مؤلفین

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اسرائیل فاروقی

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن

شعبہ علوم اسلامیہ انجنئرنگ یونیورسٹی لاہور



مکتبہ افکار اسلامیہ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب و سنت ذات کام پر دستیاب تمام الیکٹر انک کتب
.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)



کی جاتی ہیں۔

دعویٰ مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹر انک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔



☆ تنبیہ ☆

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا مگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔



«اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تلخیق دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں»

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔



علوم اسلامیہ

برائے طلبہ و طالبات

بی ایس سی انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی بی ٹیک پاس

www.KitaboSunnat.com

مؤلفین

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اسراeel فاروقی

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن

شعبہ علوم اسلامیہ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور



مکتبہ افکار اسلامیہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب علوم اسلامیہ
مؤلفین پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اسراeel فاروقی
ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن
اشاعت دسمبر 2011ء
ناشر مکتبہ افکار اسلامیہ
قیمت



ملئے کاپتا

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی شریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042-37244973
تیسندت ایس بینک بال مقابل شل پرول پرپ کوئال روڈ بیسل آباد۔ پاکستان فون: 041-2631204, 2034256
E-mail: makkabaislamiapk@gmail.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمة

اسلام دین حق ہے۔ اس کے عقائد پچ اور خالص ہیں، اس کی عبادات سادہ اور انسانی نظرت کے عین مطابق ہیں اور اس کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں جن کی سیرت مطہرہ بھی نوع انسان کے لیے اسوہ حسنہ ہے، آپ سب سے عظیم انسان ہیں جس کا اعتراف بعض انصاف پسند غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔ اگر یہ مصنف مائیکل ہارت تاریخ انسانی کے سوبڑے آدمیوں کی فہرست مرتب کرنے میختہ تو اس کو سرفہرست رکھنے کے لیے پیغمبر اسلام کی ذات ستودہ صفات کے سوا کسی اور ہستی کا نام نظر نہ آیا۔

اسلام اپنی انسانیت نواز خوبیوں کے باعث روز اول سے مسلسل پھیلتا آ رہا ہے۔ آج دنیا بھر میں ایک ارب چالیس کروڑ کے لگ بھگ انسان اسلام کے حلقہ گوش ہیں اور اس زمانے میں دیارِ مغرب میں اسلام کے فروع کی رفتار بوجوہ تیز تر ہو گئی ہے اور امریکہ اور یورپ میں قبول اسلام کی شرح میں روز افزود اضافہ ہو رہا ہے۔

سلسلہ انبیاء کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں اور اسلام آخری اور حتمی دین ہے جو قیامت تک تمام لوگوں کے لئے جامع اور عالمگیر منع ہدایت ہے۔ اسی فکری و عملی دعوت کو جامعہ کے طلباء تک پہنچانے میں شعبہ علوم اسلامیہ گزشتہ نصف صدی سے نہایت اخلاص سے مصروف عمل ہے۔ ہم اس کی بہتری اور ترقی کے لئے کوشش اور دعا گو ہیں۔ ہم اپنے عزیز طلبہ و طالبات سے بھی دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں۔

زیر نظر کتاب 'علوم اسلامیہ' (براۓ سال اول) ان پیغمبر نگ ایڈیشن میکنالوجی کے طلباء کے لئے مرتب کی گئی ہے۔ تاہم دیگر اہل اسلام کے لئے بھی اس کتاب کا مطالعہ مفید ثابت ہو گا۔ لہذا خود اس سے استفادہ کریں اور دوسروں تک بھی پہنچا کیں (جزاکم اللہ خیراً)

ہماری اس جامعہ اور اس سے ملحقہ اداروں میں فقیہ تعلیم کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ اور مطالعہ پاکستان (سال اول اور سال دوم) میں بطور لازمی مضمون پڑھایا جا رہا ہے۔ تعلیم اسلامیات و مطالعہ پاکستان سے جذبہ اسلامی اور جذبہ حب الوطنی بیدار ہوتا ہے۔ اس کے ہمارے معاشرے پر ثابت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس مضمون کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے طلباء اچھے انجینئر کے ساتھ ساتھ اچھے اور باکردار مسلمان بھی بنیں۔

آخر میں ”من لم يشكر الناس لم يشكر الله“ کے تحت ہم اپنے شعبہ کے ان اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کرنا ضروری تجویز ہیں کہ جن کے حسن کے حسن توجہ اور تعاون خاص سے یہ کام پایہ تتمکیل کو پہنچا۔

قارئین کرام کو اگر کہیں تشنگی یا غلطی محسوس ہو تو ہمیں آگاہ کریں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہمارے سینوں کو فہم قرآن و حدیث کے لئے کھول دے۔ وَاللهِ الْمُوْفَق

مؤلفین

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اسراeel فاروقی

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن

فہرست مضمایں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
مقدمہ		3
☆	فضائل قرآن	10
☆	قرآن مجید کے محسن	12
☆	قرآن کریم کی جمع و مدونیں	16
☆	سورۃ المائدۃ	20
☆	تفسیر سورۃ المائدۃ	24
☆	احرام	26
☆	حج	27
☆	حلال و حرام کی حکمت	28
☆	دین کامل	30
☆	شرائط شکار	32
☆	وضو کی فضیلت اور طریقہ	34
☆	بھارت کے آزاداب	35
☆	تیم کا طریقہ	36
☆	عشل کا طریقہ	36
☆	اللہ کی نعمت کا مکمل ہوتا	37
☆	الل کتاب کے عقائد / الل کتاب کے ساتھ تعلقات کی نویت	40
۱)	بنی اسرائیل سے عہد	40
۲)	یحرفون الكلم عن مواضعہ	40
۳)	یہود کا عقیدہ اور اس کی تردید	41

42	(۲) عیسائیوں کا عقیدہ تسلیت اور اس کی تردید
44	(۵) اہل کتاب سے تعلقات
46	سورۃ الفرقان ☆
47	☆ عباد الرحمن کی خصوصیات
53	سورۃ الحجرات ☆
56	☆ تفسیر سورۃ الحجرات
68	حصہ دوم : الحدیث
69	حدیث کی اہمیت و ضرورت ☆
72	☆ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اربعین
73	حدیث نمبرا حسن نیت
76	حدیث نمبر ۲ اسلام و ایمان، احسان اور قیامت کے بارے میں سوالات
84	حدیث نمبر ۳ ارکان اسلام
91	حدیث نمبر ۴ تحکیق انسانی کے مراحل اور مسئلہ تقدیر
96	حدیث نمبر ۵ رد بذعات
101	حدیث نمبر ۶ حلال و حرام اور مشتبہ اشیاء
105	حدیث نمبر ۷ خیر خواہی اور خلوص
110	حدیث نمبر ۸ شرعی احکام ظاہر کے مطابق لاگو ہوتے ہیں
113	حدیث نمبر ۹ حتی الامکان اطاعت رسول ﷺ
119	حدیث نمبر ۱۰ رزقی حلال کی اہمیت
122	حدیث نمبر ۱۱ شہبات سے اجتناب کی ترغیب
126	حدیث نمبر ۱۲ غیر متعلق سے اجتناب
129	حدیث نمبر ۱۳ اخوت اسلامی کا تقاضا
133	حدیث نمبر ۱۴ قتل مسلم کی حرمت اور جواز و ضرورت قتل کی بعض سورتیں
140	حدیث نمبر ۱۵ مومن سے ایمان کے تین مطالبات
146	حدیث نمبر ۱۶ طیش کی ممانعت
151	حدیث نمبر ۱۷ ہر کام میں احسن طریقہ

156	حدیث نمبر ۱۸ تقویٰ، گناہ کا کفارہ اور اخلاقی حشہ
164	حدیث نمبر ۱۹ اللہ کے در کے سوال
175	حدیث نمبر ۲۰ شرم و حیا کی اہمیت و فضیلت
179	حدیث نمبر ۲۱ ایمان پر استقامت
184	حصہ سوم: عقائدِ اسلام
185	☆ توحید
185	- کلمہ توحید
186	- لا الہ الا اللہ کا مفہوم
187	- وہ اول واحد ہے
188	- توحید کی اہمیت
188	- انبیاء کی دعوت
190	- کلمہ توحید کی فضیلت میں دو عظیم احادیث
191	- توحید کی اقسام
196	☆ رسالت
197	- مختصر حالات سید المرسلین خاتم النبیین احمد بن حنبل مصطفیٰ علیہ السلام
200	- رسول اللہ علیہ السلام کا مقام اور آپ کے فضائل
200	- احسان عظیم
201	- اللہ کے ذکر کے ساتھ حضرت محمد علیہ السلام کا ذکر
202	- انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد
202	- مجرۂ معراج
203	- رسول اللہ علیہ السلام کی خصوصیات
206	☆ یوم آخرت پر ایمان
206	- قرب قیامت
206	- قیامت کی نشانیاں

- ہر ایک کو اپنی فکر دا من گیر ہو گی
- زمین کی گواہی
- نبی کریم ﷺ کا حوض
- میزان
- پل صراط
- نبی کریم ﷺ کی شفاعت

حصہ چہارم : سیرت النبی ﷺ

- ☆ نبوت
- ☆ مسلمانوں کا وطن چھوڑنا
- ☆ سنہ ۵ نبوت
- ☆ سنہ ۶ نبوت
- ☆ سنہ ۷ نبوت
- ☆ سنہ ۸ نبوت
- ☆ سنہ ۹ نبوت
- ☆ سنہ ۱۰ نبوت
- ☆ سنہ ۱۱ نبوت
- ☆ سنہ ۱۲ نبوت
- ☆ سنہ ۱۳ نبوت

حصہ پنجم : اسلام اور جدید سائنس

- ☆ قرآن حکیم اور سائنس
- ☆ مسلمانوں کی سائنسی تاریخ کا مختصر تعارف

حصہ ششم : اخلاقیات

- ☆ قرآنی آیات
- ☆ احادیث مبارکہ

حصہ اول

القرآن الحکیم

فضائل قرآن مجید

قرآن مجید ایک نظر میں

پہلی وحی: إِنَّ رَبَّكَ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ سورة الحلق، والآية آیت انتہا
آخری وحی: وَأَنْقُوا يَوْمًا قَرْجَعُونَ فِي إِلَى اللَّهِ (۲۸۱) / البقرة (۲۸۱) یا

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَّتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَحْمَتِي لَكُمُ الْإِسْلَامُ

دینا (البقرة: ۲۸۱)

۸۲۳۳۰.....

تعداد کلمات

۳۲۳۲۶۰.....

تعداد حروف

قرآن کی کل مدت نزول تقریباً ۲۲۲ سال ۵ ماہ

۳۰.....

پارے

۷.....

مزیلیں

۱۱۳.....

سورتیں

۸۲.....

حکی سورتیں

۲۸.....

مدفنی سورتیں

۵۳۰.....

رکوع

۲۲۲۲.....

آیات

۳۰ صحابہ.....

کتابتیں وحی

اقسام آیات

۱۰۰۰.....	آیات وعدہ
۱۰۰۰.....	آیات وعید
۱۰۰۰.....	آیات ہبھی
۱۰۰۰.....	آیات امر
۱۰۰۰.....	آیات بیان
۱۰۰۰.....	آیات فرع
۱۰۰۰.....	آیات توسل
۲۵۰.....	آیات حکیم
۲۵۰.....	آیات تحریر
۱۰۰.....	آیات تبع
۶۶.....	آیات مفرقة
۲۲۲۲.....	کل آیات

بے منازل کی تقسیم

۱۔ سورۃ الفاتحۃ	تا سورۃ النساء
۲۔ سورۃ المائدۃ	تا سورۃ التوبۃ
۳۔ سورۃ یس	تا سورۃ النحل
۴۔ سورۃ بنی اسرائیل	تا سورۃ الفرقان
۵۔ سورۃ الشراء	تا سورۃ یس
۶۔ سورۃ والصفۃ	تا سورۃ الحجرات
۷۔ سورۃ ق	تا سورۃ النساء

کل حركات (اعرب)

(۱) فتحات	(زبر)	۵۳۲۲۳	(۱) ۱۷۷۱
(۲) سکرات	(زیر)	۳۹۵۸۲	(۲) ۱۲۶۳
(۳) ضممات	(پیش)	۸۸۰۳	(۳) ۱۰۵۲۸۲

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”بہت ہی پا بر کت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان

(قرآن) نازل کیا تاکہ اہل عالم کو بدایت کرے“ (الفرقان: ۱)

وہ پاک ذات کہ جس نے جن والوں کی رشد و بدایت کے لئے قرآن مجید جیسی عظیم کتاب نازل فرمائی جو علوم و فنون کا سمندر ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ یہ ایک ایسا چشمہ ہے جو قیامت تک علم کے پیاسوں کو سیراب کرتا رہے گا اور علم و حکمت کا ایسا خزانہ ہے کہ جس کے جواہر کسی ثتم نہ ہوں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں کہتا ہے اسی طرح اس کے کلام کا اسلوب بھی یگانہ ہے۔ قرآن کے ادب و بلاغت کا اصل کمال یہ ہے کہ کلام کرنے والا خود رب قدوس ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب یا صحیفہ قرآن کی برابری نہیں کر سکتا۔ سوچوہ صدیاں گزر جانے کے باوجود اس کی جاذبیت اور اڑ آفرینی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اور نہ ہی قیامت تک ہو گی۔

جس طرح آپ ﷺ قیامت تک کے لئے مثالی شخصیت بن کر آئے اسی طرح آپ پر نازل ہونے والی یہ کتاب بھی بدایت اور جامع فلاح و سعادت کا آخری صحیفہ بن کر آئی ہے۔

نزول قرآن

قرآن حکیم کی قطعی نصوص سے قرآن کا نزول شب قدر میں ثابت ہے: ”إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ“ (القدر) ”يُقِيمَا هُنَّ نَّا سِ شَبَّ قَدْرٍ مِّنْ نَّا زَلْ فَرَمَيَا“۔ ”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أَنْزَلَ فِيهِ الْقُرْآنَ“ (البقرة: ۱۸۵) ”ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا“۔ قرآن مجید کو لوح حفظ سے لیلۃ القدر میں آسمان دنیا کے بیت العزة پر لا یا گیا اور پھر تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت نبی اکرم ﷺ کی قلب اٹھپر اتارا گیا۔

کلام الٰہی

یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کے کلام اللہ ہونے میں کوئی مشکل نہیں، اس جیسی کلام بناانا انسان

کی الہیت واستطاعت سے باہر ہے۔ فرمان اللہ ہے ”ذلک الکتب لا ریب فیه“ (۲: البقرۃ) اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں۔ اور اگر کسی کوشک ہے تو اسے قرآن مجید کی طرف سے کھلا جائیں گے کہ ”وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَنْدِنَا فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شَهِدَةَ كُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَدِقِينَ“ (۲: البقرۃ) ۲۳ ”ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم پچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ، تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوال اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو“ اور پھر یہ بھی واضح کر دیا کہ ”فَلْ لَيْسَ الْجَمْعَةُ بِالْأَنْسُ وَ الْجِنْ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنَ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَا كَانَ بِغَضْبِهِمْ لِيَغْصِبُوهُمْ“ (بی اسرائیل/ ۸۸) ”کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے۔ گودہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔

بے شک قرآن کے مخالفین اس کی مثال لانے سے قاصر ہیں۔ قرآن کا یہ دعویٰ آج بھی قائم ہے۔ بلخای عرب و عجم کی زبانیں اس کے مقابلے میں گلگ ہیں۔ وہ لوگ جو زبان کے اصل مالک اور محاورہ عرب کے طبعی ماہر سمجھے جاتے تھے اس کے مقابلے میں عاجز درماندہ رہے۔

قرآن مجید کے محاسن

اسلام لانے کے بعد بعلیہ سے سیدنا عمر فاروق نے چند اشعار سنانے کی فرماش کی تو انہوں نے جواب دیا: ”جب اللہ نے مجھے البقرۃ اور آل عمران کھادیں تو مجھے شعر کہنا زیب نہیں دیتا (استیاعاب لابن عبد البر حالات بعلیہ) قرآن پاک بہت سی صفات کا حامل ہے۔ جن میں چند بیان کی جاتی ہیں: وَالْقُرْآنِ الْمُجِيد (ق: ۱) ”بہت بڑی شان والے اس قرآن کی قسم ہے۔“ - إِنَّهُ لِقُرْآنٍ كَرِيمٍ (الواقع: ۷) ”کہ بے شک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے، وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ (یس: ۲) ”قسم ہے قرآن باحکمت کی، وَإِنَّهُ لِكِتْبٍ غَرِيبٍ (حمد السجدۃ: ۲۱) ”یہ بڑی باقاعدت کتاب ہے۔ - يَأْتِيهَا النَّاسُ قُدْ جَاءَ كُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا (النَّاس: ۲۷) ”لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آپنی اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور صاف نور اتاتا ہے۔“ -

هُدًى لِلْمُتَّقِينَ (البقرۃ: ۲) ”پر ہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے؛“ وَهَذَا كِتْبٌ

آلِ زَلْنَةٍ مُبَرَّكٌ، (الانعام: ٩٢) "اور یہ ایسی کتاب ہے جس کو ہم نے تازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے۔" **يَا إِنَّهَا النَّاسُ قَدْ بَجَاءُوكُمْ مَوْعِظَةً مِنْ رَبِّكُمْ وَ هِفَاءً لِمَا فِي الصُّدُورِ وَ هَذِي وَ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِينَ**، (یونس: ٥) "اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لئے شفا ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے۔"

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے کچھ ہیے ہیں جو اللہ کے گھر والے ہیں۔ صحابہ کرام نے پوچھا کہ اللہ والے کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: "قرآن والے کہ وہ اللہ والے اور خواص ہیں۔" (نسائی، ابن ماجہ، احمد، حاکم)

سیدنا عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ اس کتاب کے ذریعے سے بعض قوموں کو رفت و ہندی عطا فرمادیتے ہیں اور اس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے بعض قوموں کو نیچے گرداتے ہیں۔" (مسلم)

سیدنا ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "قرآن کی تلاوت کرنے والوں کے لئے زمین پر نور ہے اور آسمان پر ذخیرہ" (رواه ابن حبان فی صحيح) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو لوگ جب کبھی خانہ خدا میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کریں اور اس کے درس و تدریس میں مشغول ہوں تو ان پر اللہ کی طرف سے اطمینان دسکون تازل ہوتا ہے اور رحمت الہی انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور فرشتے انہیں کھیر لیتے ہیں اور اللہ ان کا ذکر ملائکہ کی مجلس میں کرتے ہیں۔" (مسلم، ابو داؤد)

سیدنا عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھتا اور سرکھاتا ہے،" (بخاری، ترمذی، نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: صرف دو آدمیوں پر شک ہو سکتا ہے ایک تو وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن دیا ہے وہ راتوں کو بھی اس کو پڑھتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہے وہ رات اور دن مختاجوں پر خیرات کرتا رہتا ہے۔ (بخاری، ترمذی، نسائی)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: صاحب قرآن

سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور جنت کے مقامات طے کرتا جا اور تھہر تھہر کر پڑھ جیسے تو دنیا میں تھہر تھہر کر پڑھتا تھا، تیر امر تہ وہی ہے جہاں تو آخری آیت پر پہنچے۔ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد، وابن حبان فی صحیح)۔

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن میں مشغول ہونے کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعا کیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور کلام اللہ کو سب کلاموں پر ایسی فضیلت ہے جیسی کہ خود اللہ کو تمام مخلوق پر۔“ (ترمذی)

قوت تاثیر: قرآن مجید میں سب سے بڑھ کرتا شیر پائی جاتی ہے، جیسا کہ رب کائنات نے فرمایا: لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاسِعًا مُتَصَدِّقًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (الحضر: ۲۱) ”اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھتا کہ خوف الہی سے وہ بکڑے ہو جاتا“۔ جنوں کی ایک جماعت قرآن حکیم کی چند آیات سننے کے بعد واپس اپنی قوم کی طرف پڑتی ہے اور اپنی قوم سے کہتی ہے کہ: قَالُوا يَقُولُونَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أَنْزَلْنَا مِنْ بَعْدِ مُؤْسِى مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ (الاحقاف: ۳۰) ”کہنے لگے: ہماری قوم! ہم نے محققیا وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تقدیریت کرنے والی ہے جو سچے دین اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

سیدنا فاروقؓ مسلمان ہونے سے پہلے اسلام، مسلمانوں اور نبی اکرم ﷺ سے سخت نفرت تھی۔ لیکن سیدنا عمرؓ کا دل ایک سورت کی چند آیات سن کر موم ہو گیا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو کفر سے نفرت ہو گئی اور کفر کو عزیز ہے۔ اسی طرح حضرت عثمان بن مظعون، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت ابو سلمہؓ اور حضرت ارقم بن ارقم جیسے صحابہ کرامؓ اسی کلام کو سن کر حلقة گوش اسلام ہوئے اور تو اور دیکھیے کہ خود حاصل کلام ربانی کا کیا حال تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”ذرا قرآن تو مجھ کو سناؤ۔“ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ: بھلا آپ کو سناؤں آپ پر تو قرآن اترائے؟“ آپ نے فرمایا: ”نہیں سناؤ۔“ میں نے سورۃ النساء شروع کی، جب اس آیت پر پہنچا ”فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلَّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا

بَكَ عَلَى هُوَآءٌ شَهِيدًا (النساء: ۲۱)، آپ نے فرمایا: ”بس کر، بس کر، میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو ہے رہے تھے۔“ (بخاری)

قرآن مجید کا طرز بیان سادہ، آسان اور غیر مانوس بندشوں سے پاک ہے، اس کے مضامین ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے سب لوگوں کو قرآن حکیم میں اپنے مخصوص علوم کے لئے وسیع میدان ملے گا۔

وَلَقَدْ يَسَرْنَا الْقُرْآنَ لِلّذِكْرِ فَهُلُّ مِنْ مُذَكَّرٍ (آل عمران: ۱) ”اور بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟“ قرآن پاک کا حق یہ ہے کہ اسے سمجھ کر پڑھا جائے، اس میں غور و فکر کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ ارشاد الہی ہے: أَفَلَا يَتَذَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَفْفَانُهَا (محمد: ۲۳) ”کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔“

قرآن کریم کی جمع و تدوین

قرآن مجید کو حفظ اور تحریر کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کے دور میں حفظ کیا گیا۔ سب سے پہلے حافظ قرآن آپ ﷺ خود تھے۔ جب ریل علیہ السلام جب کلام اللہ کا القاء آپ ﷺ کے قلب مبارک پر کرتے تھے تو اس کے ساتھ ہی وہ دہان محفوظ ہو جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی کثرت تلاوت کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تلاوت سنائی کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا پیچھے تذکرہ ہوا ہے۔ صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں آپ ﷺ کا حضرت ابو موسیٰ الشعرا رضی اللہ عنہ سے قرآن سننا بھی ثابت ہے۔

ترتیب قرآن کے سلسلے میں یہ بات بھی ناظرین کو معلوم ہو جاتی چاہیے کہ یہ ترتیب بعد کے لوگوں کی دی ہوئی نہیں ہے، بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت نبی ﷺ نے قرآن کو اس طرح مرتب فرمایا تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی سورۃ نازل ہوتی تو آپ اُسی وقت اپنے کاتجوں میں سے کسی کو بلاست اور اس کو تھیک تھیک تلبیب کرنے کے بعد ہدایت فرمادیتے کہ یہ سورۃ فلاں سورۃ کے بعد اور فلاں سورۃ سے پہلے رکھی جائے۔ اسی طرح اگر قرآن کا کوئی ایسا حصہ نازل ہوتا جس کو مستقل سورۃ بنا ناپوش نظر نہ ہوتا، تو آپ ہدایت فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں مقام پر درج کیا جائے۔ پھر اسی ترتیب سے آپ خود بھی نماز میں اور دوسرے موقع پر قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے اور اسی ترتیب کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس کو یاد کرتے تھے۔ لہذا یہ ایک ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ قرآن مجید کا نزول جس روز مکمل ہوا اسی روز اس کی ترتیب بھی مکمل ہو گئی، جو اس کا نازل کرنے والا تھا ہی اس کا مرتب کرنے والا بھی تھا۔ جس کے قلب پر وہ نازل کیا گیا اُسی کے ہاتھوں اسے مرتب بھی کر دیا گیا۔ کسی دوسرے کی مجال نہیں کہ اس میں مداخلت کرتا۔

چونکہ نماز ابتداء ہی سے مسلمانوں پر فرض تھی اور تلاوت قرآن کو نماز کا ایک ضروری جزو قرار دیا گیا تھا اس لیے نزول قرآن کے ساتھ ہی مسلمانوں میں حفظ قرآن کا سلسلہ جاری ہو گیا اور جیسے جیسے قرآن اتر جائیا مسلمان اس کو یاد بھی کرتے چلے گئے۔ اس طرح قرآن کی حفاظت کا

انحصار صرف کھجور کے ان پتوں، بڑی اور جھلکی کے ان بکڑوں ہی پر نہ تھا جن پر نبی اپنے کاتبوں سے اس کو قلمبند کرا یا کرتے تھے، بلکہ وہ اترتے ہی بیسیوں، پھر سینکڑوں، پھر ہزاروں، پھر لاکھوں دلوں نقش ہو جاتا تھا اور کسی شیطان کے لیے اس کا امکان ہی نہ تھا کہ اس میں ایک لفظ کا بھی ردود بدلتے رکھے۔

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جب عرب میں ارتداد کا طوفان اٹھا اور اس کے فرو کرنے کے لیے صحابہ کرام کو خخت خوزیر لڑائیاں لڑنی پڑیں، تو ان معز کوں میں ایسے صحابہ کی ایک کثیر تعداد شہید ہو گئی جن کو پورا قرآن حفظ تھا۔ اس سے حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ قرآن کی حفاظت کے معاہلے میں صرف ایک ہی ذریعے پر اعتماد کر لینا مناسب نہیں ہے، بلکہ الواح قلب کے ساتھ ساتھ صفحات قرطاس پر بھی اس کو محفوظ کرنے کا انتظام کر لینا چاہیے۔ چنانچہ اس کام کی ضرورت انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے واضح کی اور انہوں نے کچھ تامل کے بعد اس سے اتفاق کر کے حضرت زید بن ثابت النصاریؓ کو، جو نبی ﷺ کے کاتب (سیکرٹیری) رہ چکے تھے، اس خدمت پر نامور فرمایا۔ قاعدہ یہ مقرز کیا گیا کہ ایک طرف تزوہ تمام لکھے ہوئے اجزا فراہم کر لیے جائیں جو نبی ﷺ نے چھوڑے ہیں، دوسری طرف محلہ کرامؓ میں سے بھی جس کے پاس قرآن یا اس کا کوئی حصہ لکھا ہوا ملے، وہ ان سے لے لیا جائے، اور پھر حفاظ قرآن سے بھی مدد لی جائے، اور ان تینوں ذرائع کی متفقہ شہادت پر، کامل صحت کاطمینان کرنے کے بعد، قرآن کا ایک ایک لفظ مصحف میں ثبت کیا جائے۔ اس تجویز کے مطابق قرآن مجید کا ایک مستند نسخہ تیار کر کے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ رکھوادیا گیا۔ اور لوگوں کو عام اجازت دے دی گئی کہ جو چاہے اس کی نقل کرے اور جو چاہے اس سے مقابلہ کر کے اپنے نسخے کی صبح کر لے۔

عرب میں مختلف علاقوں اور قبیلوں کی بولیوں میں ویسے ہی فرق پائے جاتے تھے جیسے ہمارے ملک میں شہر شہر کی بولی اور ضلع ضلع کی بولی میں فرق ہے، حالانکہ زبان سب کی وہی ایک اردو یا پنجابی وغیرہ ہے۔ قرآن مجید اگر چنان اس زبان میں ہو تو جو مکہ میں قریش کے لوگ بولتے تھے، لیکن ابتداء میں اس امر کی اجازت دے دی گئی تھی کہ دوسرے علاقوں اور قبیلوں کے لوگ اپنے اپنے لہجے اور حماورے کے مطابق اسے پڑھ لیا کریں، کیونکہ اس طرح معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، صرف عبارت ان کے لیے ملائم ہو جاتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ جب اسلام پھیلا اور

عرب کے لوگوں نے اپنے ریگستان سے نکل کر دنیا کے ایک بڑے حصے کو فتح کر لیا، اور دوسرا تو مous کے لوگ بھی دائرہ اسلام میں آنے لگے، اور بڑے پیارے پر عرب و عجم کے اختلاط سے عربی زبان متاثر ہونے لگی، تو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر اب بھی دوسرے بھروسے اور مجاہدوں کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت باقی رہی تو اس سے طرح طرح کے فقط کھڑے ہو جائیں گے۔ مثلاً یہ کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کو غیر مانوس طریقے پر کلام اللہ کی حادثت کرتے ہوئے سنے گا اور یہ سمجھ کر اس سے لڑ پڑے گا کہ وہ دانتہ کلام اللہ میں تحریف کر رہا ہے۔ یا یہ کہ یہ لفظی اختلافات رفتہ رفتہ واقعی تحریفات کا دروازہ کھول دیں گے۔ یا یہ کہ عرب و عجم کے اختلاط سے جن لوگوں کی زبان بگڑے گی وہ اپنی بگڑی ہوئی زبان کے مطابق قرآن میں تصرف کر کے اس کے حسن کلام کو بکاڑ دیں گے۔ ان وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے مشورے سے یہ طے کیا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں صرف اُس معیاری نسخہ قرآن کی نقلیں شائع کی جائیں جو حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے ضبط تحریر میں لایا گیا تھا، اور باقی تمام دوسرے بھروسے اور مجاہدوں پر لکھے ہوئے مصاحف کی اشاعت منوع قرار دے دی جائے۔

آج جو قرآن ہمارے ہاتھوں میں ہے، یہ تھیک تھیک اسی مصحف صدیقی کے مطابق ہے جس کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے سرکاری اہتمام سے تمام دیار و امصار میں بھجوائی تھیں (تفہیم القرآن۔ مقدمہ، ص ۲۸-۳۰)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی کتاب ”خطبات بہادر پور“ میں لکھتے ہیں: ”خود کمیشن کے صدر رزید بن عابد رضی اللہ عنہ بھی حافظ تھے۔ اس لیے انہوں نے جو کچھ لکھا اس یقین کے ساتھ لکھا کہ یہ ان کے ذہن میں بھی اسی طرح محفوظ ہے..... جب لوگ نسخہ لا کر پیش کرتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں حکم دیتے کہ قسم کھا کر بتاؤ کہ یہ نسخہ جو تم پیش کر رہے ہو، وہی ہے جس کی صحیح رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہوئی ہے۔ وہ قسم کھا کر یقین دلاتے تو پھر اس سے استفادہ کیا جاتا۔ جب پورا قرآن مجید لکھا جا چکا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اسے شروع سے آخوند پڑھا۔ اس میں مجھے ایک آیت کم نظر آئی یہ آیت میرے حافظے میں تو موجود تھی مگر کسی تحریری نسخے میں موجود نہ تھی (یاد رہے کہ حافظوں میں یہ آیت موجود تھی) پھر النصار کے گروں میں گیا۔ بالآخر ایک شخص کے پاس ایک تحریری نسخہ ملا۔ وہ نسخہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑھا ہوا تھا لیکن

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ہدایت تھی کہ جب تک دو تحریری نسخے نہ ملیں (یہ بھی کمال اختیاط تھا) اس وقت تک اسے قرآن کے طور پر قبول نہ کیا جائے اب تک تحریری صورت میں ایک شخص کے پاس یہ آیت ملی تھی۔ یہاں پر مشیت خداوندی اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اتفاق سے یہ حضرت خزیمہ النصاری رضی اللہ عنہ تھے جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ کسی کام سے خوش ہو کر کہا تھا کہ آج سے تمہاری شہادت دو شہادتوں کے مساوی سمجھی جائے گی۔ غرض یہ قدرت کی طرف سے پہنچنی انتظام تھا۔

سورة المائدۃ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا عَلِقُوا هُوَ أَحْلَتْ لَكُمْ بِهِمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُشْتَرِكُ عَلَيْكُمْ غَيْرُ حُجَّى الصَّيْدِ وَإِنَّمَا حُرُمٌ أَنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ^۱﴾
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا جُنُونًا شَعَابِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرُ الْحَرَامُ وَلَا الْهَدَى وَلَا
 الْقَلَبَدَ وَلَا أَقِيمَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَسْتَغْوِنَ فَضْلًا قَنْ رَبِّهِمْ وَرَضْوَانًا
 وَإِذَا حَلَّتُمْ فَاصْطَادُوا وَلَا تَجْرِمُنَّمْ شَنَانَ قَوْمًٰ أَنْ صَدَوْكُمْ عَنِ
 السَّبِيلِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبَرِّ وَالْتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا
 عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدُوانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾^۲
 عَلَيْكُمُ الْمِيَتَةُ وَالدَّمُ وَحُمُومُ الْخَنْزِيرِ وَمَا أَهْلَكَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْحَنِقَةُ
 وَالْمُوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَوِّيَّةُ وَالْمُنْطَبِعَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَرْتُمْ وَمَا
 ذَبَحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقِسُوا بِالْأَزْلَامِ ذَلِكُمْ فُسْقٌ الْيَوْمَ يَمِسُ
 الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشُوهُمْ وَأَخْشُونَ الْيَوْمَ الْمُلْتُ لَكُمْ
 وَيُنَكِّمُ وَآتَيْتُمْ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنْ
 اضْطَرَّ فِي فَحْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِلَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ^۳
 يَسْتَأْنُوكُمْ مَا دَأَأْلَكُمْ لَهُمْ قُلْ أَحْلَكْ لَكُمُ الظَّبَابُ لَا وَمَا عَلِمْتُمْ مِنْ
 الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعْلِمُونَهُنَّ مِنْ أَنْعَامِ اللَّهِ فَنَكُونُ مِنْ أَمْسَكَنَ عَلَيْكُمْ
 وَإِذْ كُرُوا أَسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾^۴ الْيَوْمَ
 أَحْلَكْ لَكُمُ الظَّبَابُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَبَ حَلَّ لَكُمْ
 وَطَعَامُكُمْ حَلَّ لَهُمْ وَالْمُحْسَنُ مِنْ الْمُؤْمِنِ وَالْمُحْسَنُ مِنَ
 الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَبَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْسِنِينَ
 غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَلَا مُتَخَذِّلِي أَخْدَانِ وَمَنْ يَكْفُرُ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَوْطَ

عَمَّلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِيرِينَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قَبْطُمُ الْأَصْلَوَةَ فَاعْغِسُلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۖ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنْبًا فَاضْهِرُوا ۖ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْفَاقِطِ أَوْ لَسْمُ الْيَسَاءَ فَلَمْ تَعْدُوا مَاءً فَتَبَيَّمُوا صَعِيدًا طَيْبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ قَنْهَةً مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَاجٍ ۖ وَلَكُنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرُكُمْ وَلِيُتَمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعْلَمُ تَشَكُّرُونَ ۝ وَإِذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَفِيهَا كَهْنَهُ الَّذِي وَأَنْفَكْمُ يَهُ ۝ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطْعَنَا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُوْنُوا قَوْلَمِينَ يَلِهُ شَهَادَةُ بِالْقُسْطِ ۖ وَلَا يَمْحِرْ مَسْكُمْ شَنَانَ قَوْمٍ عَلَى أَلَا تَعْدِلُوا ۖ إِعْدَلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ بِمَا تَعْلَمُونَ ۝ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَيْلُوا الصِّلَاحَتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا يَأْتِيَنَا أَوْلَئِكَ أَصْحَبُ الْجَحِيْمِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَهْسِطُوا إِلَيْهِمْ فَلَكُمْ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَعَلَى اللَّهِ فَلِيَتَوَكَّلُ الْمُؤْمِنُونَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو۔ تمہارے لئے چار پائے جانور (جو چلنے والے ہیں) حلال کر دیئے گئے ہیں۔ بجز ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ مگر احرام (نح) میں شکار کو حلال نہ جانتا۔ اللہ جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے (۱)۔ مونما اللہ کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور نہ ادب کے مہینے کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ ان جانوروں کی (جو اللہ کی نذر کر دیئے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پہنچنے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو عزت کے گھر (یعنی بیت اللہ) کو جا رہے ہوں (اور) اپنے پروردگار کےفضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہوں اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تم کو عزت والی مسجد سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو۔ اور (دیکھو) یہی اور پر ہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔

اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ بیک نہیں کہ اللہ کا عذاب بخت ہے۔ (۲) تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا) لہو اور سو رکا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کام نم پکارا جائے اور جو جانور کا گھٹ کر مر جائے اور جو چوت لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جو تھان پر ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہ تیروں سے قسمت معلوم کرو۔ یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔ آج کافر تمہارے دین سے نا امید ہو گئے ہیں تو اُن سے مت ڈڑوا اور بھی سے ڈرتے رہو۔ (اور) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کا مل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔ ہاں جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (بشر طیکہ) گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو اللہ بخششے والا ہم برہان ہے (۳) تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لئے حلال ہیں (اُن سے) کہہ دو کہ سب پاکیزہ چیزیں تم کو حلال ہیں اور وہ (شکار) بھی حلال ہے جو تمہارے لئے اُن شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جن کو تم نے سدھار کھا ہو اور جس (طریق) سے اللہ نے تمہیں (شکار کرنا) سکھایا ہے (اس طریق سے) تم نے اُن کو سکھایا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اُس کو کھالیا کرو (اور شکاری جانوروں کے چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لے لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے (۴) آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں۔ اور اہل کتاب کا کھانا بھی تم کو حلال ہے اور تمہارا کھانا اُن کو حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جب کہ اُن کا مہر دے دو۔ اور اُن سے عفت قائم رکھنی مقصود ہونے کھل بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی۔ اور جو شخص ایمان کا ممکن ہو اُس کے عمل ضائع ہو گئے۔ اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا (۵) مونوا جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو من اور کہنیوں تک ہاتھ دھولیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹھنڈوں تک پاؤں (دھولیا کرو) اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو۔ اور اگر پیار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الحلا سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہل سکے تو پاک مٹی لو اور اُس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تمہیں) کرو اللہ تم پر کسی طرح کی بخی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو (۶) اور اللہ نے جو تم پر احسان کئے ہیں

آن کو یاد کرو اور اُس عہد کو بھی جس کا تم سے قول لیا تھا (یعنی) جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے (اللہ کا حکم) سن لیا اور قبول کیا۔ اور اللہ سے ڈرو۔ پچھے شک نہیں کہ اللہ دلوں کی باتوں (تک) سے واقف ہے (۷) اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔ اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پر ہیز گاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ پچھے شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے (۸) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے (۹) اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آئیوں کو جھٹلا یا وہ جنہیں ہیں (۱۰) اے ایمان والو! اللہ نے جو تم پر احسان کیا ہے اُس کو یاد کرو جب ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کریں تو اُس نے ان کے ہاتھ روک دیئے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور مونموں کو اللہ ہی پر بھرو سا کرنا چاہیے (۱۱)

تفسیر سورۃ المائدہ

سورت کا نام: آیات نمبر ۱۱۲، ۱۱۳ سے مخوذ ہے۔

زمانہ نزول: ۶، ۷ھجری

مضامین کا خلاصہ: اسکی اور تقویٰ کے کاموں میں معاونت، یہود و نصاریٰ کے عقائد باطلہ کارہ، عدل و انصاف، حدود و تغیریات کا بیان، حضرت عائشہؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ سورۃ المائدہ حرام و حلال کے باب میں آخری سورۃ ہے (متدرک حاکم ج ۲ ص ۳۱۱)

تفسیر القرآن میں ہے کہ یہ سورۃ حب ذیل تین بڑے بڑے مضامین پر مشتمل ہے:

- (۱) مسلمانوں کی مذہبی، تمدنی اور سیاسی زندگی کے متعلق مزید احکام و ہدایات۔ اس سلسلہ میں سفر حج کے آداب مقرر کیے گئے، شعائر اللہ کے احترام اور زائرین کعبہ سے عدم تعرض کا حکم دیا گیا، کھانے پینے کی چیزوں میں حرام و حلال کے قطعی حدود قائم کیے گئے اور دور جاہلیت کی خود ساختہ بندشوں کو توزیٰ دیا گیا، اہل کتاب کے ساتھ کھانے پینے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی، وضوا اور غسل اور تیمک کے قاعدے مقرر کیے گئے، بناوت، فساد اور سرقة کی سزا میں میمین کی گئی، هشراپ اور جوئے قطعی حرام کر دیا گیا، قوم توزیٰ نے کا سفارہ مقرر کیا گیا، اور قانون شہادت میں مزید چند دفعات کا اضافہ کیا۔

- (۲) مسلمانوں کو تصحیح۔ اب چونکہ مسلمان ایک حکمران گروہ بن چکے تھے، ان کے ہاتھ میں طاقت تھی، جس کا نشہ قوموں کے لیے اکثر گمراہی کا سبب ہے۔ مظلومی کا دور خاتمه پر تھا اور اس سے زیادہ سخت آزمائش کے دور میں وہ قدم رکھ رہے تھے، اس لیے ان کو خطاب کرتے ہوئے بار بار تصحیح کی گئی کہ عدل پر قائم رہیں، اپنے پیش رو اہل کتاب کی روشن سے بھیں، اللہ کی اطاعت و فرماء برداری اور اس کے احکام کی پیروی کا جو عہد انہوں نے کیا ہے اس پر ثابت قدم رہیں اور یہود و نصاریٰ کی طرح اس کو توزیٰ کا اس انجام سے دوچار نہ ہوں جس سے وہ دوچار ہوئے۔ اپنے جملہ معاملات کے فیصلوں میں کتاب اللہ کے پابند ہیں، اور منافقت کی روشن سے

اجتناب کریں۔

(۳) یہودیوں اور عیسائیوں کو نصیحت۔ یہودیوں کا زوراً بٹوٹ چکا تھا اور شمالی عرب کی تقریباً تمام یہودی بستیاں مسلمانوں کے زیر نگین آگئی تھیں۔ اس موقع پر ان کو ایک بار پھر ان کے غلط روایہ پر متنبہ کیا گیا ہے اور انہیں رواہ راست پر آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ نیز چونکہ مذکور خدی یہیں کی وجہ سے عرب اور متصل ممالک کی قوموں میں اسلام کی دعوت پھیلانے کا موقع نکل آیا تھا اس لیے عیسائیوں کو بھی تفصیل کے ساتھ خطاب کر کے ان کے عقائد کی غلطیاں بتائی گئی ہیں اور انہیں نبی عربی پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ ہمسایہ ممالک میں سے جو قومیں بُت پرست اور مجوسی تھیں ان کو بر اور راست خطاب نہیں کیا گیا، کیونکہ ان کی ہدایت کے لیے وہ خطبات کافی تھے جو ان کے ہم مسلک مشرکین عرب کو خطاب کرتے ہوئے ملکہ میں نازل ہو چکے تھے۔ (ج اص ۳۳۶)

تفسیر آیت نمبر ۱۰: اہل ایمان کو معاهدات کے پورا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ تم تمام قسم کے عہد، بیثانی اور وعدے پورے کیا کرو۔ اس سورت میں حلال و حرام کے احکامات بیان کرنے سے پیشتر معاهدات کو پورا کرنے کی تاکید کا مقصد یہ ہے کہ اہل کتاب (یہود) کو ان کے بار بار عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا..... (الماکہ: ۱۰) اس لئے تہذید کے طور پر مومنین کو معاهدات کی پاسداری کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ حرام و حلال چیزوں کے جو احکام عہد کے طور

پر قرآن مجید میں ہیں انہی احکام کو ”عقود“ کی تفسیر قرار دیا گیا (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷)

اور فرمایا: اور جب (آپ) عہد کر لیں تو اس کو پورا کریں (آلہ بقرۃ: ۷۷)

آنحضرت گافرمان ہے: لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ (احمد)

”جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جو عہد کا پابند نہیں اس کا کوئی دین نہیں“۔

اور آپؐ نے فرمایا: ”قیامت کے دن عہد شکنی کرنے والے کی نشانی یہ ہو گی اس کی پیشہ پر غداری کا جھنڈا ہو گا (بخاری) واضح رہے کہ عہد کو پورا نہ کرنا نفاق کی بھی علامت ہے اس بارے میں متعدد صحیح احادیث ہیں:

قرآن حکیم نے آپؐ کی حیات طیبہ کو اہل ایمان کے لئے کامل نمونہ قرار دیا ہے اور آپؐ عہد کی پابندی کے مطابق میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ آپؐ کے ایفاۓ عہد کو دشمن بھی تسلیم کرتے

تھے۔ قیصر روم نے ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ ”فَهُلْ يَغْدِير“ تو ابوسفیان نے جواب دیا ”لَا“ وہ عہد شکنی نہیں کرتے، تو قیصر روم نے جواب دیا ”اللہ کے رسول بد عہدی نہیں کرتے۔“

قرآن مجید نے صلح حدیبیہ کو فتح نہیں قرار دیا ہے یہ معاهدے کی پاسداری کا نتیجہ تھا کہ اسلام بلا داعر میں پھیل گیا اور ”فتح مکہ“ جیسی عظیم الذلت عطا ہوئی۔

بھیمة الانعام: بھیمة میں تمام چوپائے جانور آ جاتے ہیں۔ ”انعام“ میں چار قسم کے جانور اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ مراد لئے جاتے ہیں اور یہی چار جزوے ”قربانی“ کے جانور بھی ہیں۔ اس طرح وہ جانور جو بناتا تی غذاوں پر پروش پاتے ہوں اور دنیا کے جس خطے میں پائے جاتے ہوں (مثلاً نیل گائے، ہرن وغیرہ) حلال ہیں۔ دیگر جانور جو گوشت خور ہیں (یعنی درندے) وہ سب حرام ہیں۔

حضرت نبی ﷺ نے یہیں آپ نے ہمیں ہر کچلی والے درندے کے کھانے سے اور ہر شکاری پرندے کو جو بچوں سے شکار کرتا ہے حرام قرار دیا (بخاری و مسلم، الصید)

احرام: احرام مخصوص لباس ہے جو حج و عمرہ کرنے والے مسلمان میقات سے باہم ہتھے ہیں۔ مردوں کے لئے دو چادریں اور عورتوں کے لئے مخصوص قسم کا لباس جس میں چہرہ نقاب کے ساتھ ڈھانپنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ احرام کی حالت میں بہت سی وہ چیزیں منوع ہو جاتی ہیں جو عام حالات میں حلال ہیں۔ مثلاً جماعت بنانا، خوشبو کا استعمال، زیب و زینت، قضائے، شہوات اور کسی خشکی کے حلال جانور کا شکار کرنا اور کسی کو شکار میں مدد دینا وغیرہ۔ ہاں اگر غیر حرم، شکار کا گوشت حرم کو تقدیر میں دے تو اس کا استعمال جائز ہے۔ مگر شرط یہ ہے یہ شکار حرم کے لئے نہ کیا گیا ہو۔

حکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے احکامات کی اطاعت دل و جان سے کرے، نیز اس کے تمام احکامات حکمت پر منی ہیں۔

آیت نمبر ۲: شعائر، شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی ”نشانی“ کے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جُو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے تو یہ (فعل) دلوں کی پرہیز گاری میں سے ہے (انج: ۳۲)۔ حرمت والے مہینے چار ہیں، رجب، ذی القعده، ذی الحجه اور حرم۔ ان مہینوں میں مسلمانوں کی طرف سے لڑائی کی ابتداء کرنا جائز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللہ کے نزدیک مہینے گنتی میں بارہ ہیں (یعنی) اُس روز (سے) کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اللہ کی کتاب میں (سال) کے بارہ مہینے (لکھے ہوئے) ہیں ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں یہی دین (کا) سیدھا راستہ ہے تو ان (مہینوں) میں (فقال نافع سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو۔ جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں۔ اور جان برکوں کے اللہ پر ہیزگاروں کے ساتھ ہے،“ (التوبہ: ۳۶)

حدی قربانی کے وہ جانور جن کو حاجی منی میں قربان کرتے ہیں اور ”قلائد“ وہ پڑے جوان جانوروں کے گلے میں پچان کے لئے ڈالے جاتے تھے ”امین البيت الحرام“ سے مراد جان کرام ہیں جو اخلاص نیت سے بیت اللہ الحرام کا قصد کرتے ہیں۔ اصل مقصد اللہ کی رضامندی کا حصول ہے نیز حجج اپنے ساتھ تجارت کا سامان بھی رکھ سکتے ہیں۔ حالت احرام میں شکار سے منع کیا گیا تھا اب حلال ہوتے (احرام کھل جانے) کے بعد ممانعت ختم ہو گئی۔ صلح حدیبیہ کے بعد کچھ مشرکین مدینہ کے راستے سے عمرہ و حج کی نیت سے مکہ جاتے تھے تو صحابہؓ نے آپؐ سے اجازت چاہی کہ جس طرح مشرکین مکہ نے ہمیں حدیبیہ کے مقام پر روک لیا تھا اور عمرہ نہیں کرنے دیا کیا ہم بھی ان مشرکین کو مکہ جانے سے روک دیں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (تفصیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳-۴)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اے ایمان والو! مشرک پلید ہیں تو اس برس کے بعد کعبۃ اللہ کے پاس نہ جانے پائیں،“ (التوبہ: ۲۸) اس آیت سے المائدۃ کی آیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ تیکی اور پر ہیزگاری کے کاموں میں بلا امتیاز دین و مذہب اور رنگ و نسل تعاون کرو۔ آپؐ کا ارشاد ہے: اَنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمُوْمًا“ صحابہؓ کے سوال پر آپؐ نے وضاحت فرماتے ہوئے فرمایا: مظلوم کی مدد تو واضح ہے اور ظالم کی مدد یہ ہے کہ اُسے ظلم نہ کرنے دو۔ (بخاری: ۲۲۲۲) آیت کے آخری بکثرے کی روح یہی ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں ظلم ہو اسے روک دیں، یہی ہمارا منصب ہے۔ یہی تقویٰ ہے ورنہ یہ کہ اللہ جب مزا دیتا ہے تو سخت مزا دیتا ہے۔ حج: اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرنا، بیت اللہ کے سامنے وہائی دینا، میں نے اپنے اپر ظلم کر لیا ہے مجھے معاف کر دو اور یہی فریاد ”عرفات کے میدان میں“ سارا دن ہوتی رہتی ہے۔ تو وہاں

اپنی کوئی انانہیں ہوتی ایک ہی طرح کے لباس میں سب ملبوس ہیں سب سے پہلی پکار حرام
باندھنے کے بعد یہ ہوتی ہے اور جاری رہتی ہے:

**لَيْكَ اللَّهُمَّ لَيْكَ، لَيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ
وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ** (بخاری: ۱۵۲۹، مسلم: ۱۱۸۲)
”میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوا ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک
نہیں، میں حاضر ہوں، بیشک حمد بھی تیری، نعمت بھی تیری، اور ملک بھی تیرا، تیرا کوئی
شریک نہیں۔“

آیت نمبر ۳: فرمایا: تم پر حرام کر دیا گیا ہے، مردار (سوائے مچھلی اور نڈی کے) بہتا ہوا
خون (سوائے تلی اور جگر کے) اور سور کا گوشت (اور اس کے تمام اجزا) اور جو چیز اللہ کے علاوہ غیر
اللہ کے نام (عمل اور اعتقاد) کر دی گئی ہو۔ اور وہ جانور جسے گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو اور جو چوٹ کھا
کر اور جو بلندی (ونیرہ) سے گر کر، جو سینگ لگنے سے مر گیا ہو اور وہ جسے کسی درندے نے چھاڑ
کھایا ہو، لیکن اس میں سے کسی جانور میں جان باقی ہے تو ذبح کر لو اور وہ حلال ہوگا (اگرچہ آجکل
عیسائی سور کو حرام نہیں سمجھتے مگر پہلی شریعتوں میں سور قطعی حرام ہے) (استثناء، باب ۱۷)

حلال و حرام کی حکمت: حلت و حرمت کے قانون میں شریعت نے صرف اس بات کو
ملحوظ نہیں رکھا کہ حرام چیزوں کے طبی لحاظ سے جسم انسانی پر کیا مفید یا مضر اثرات پڑتے ہیں۔ اگر
ایسی بات ہوتی تو سب سے پہلے سکھیا اور دوسرا نہ ہو زہروں کا نام لیا جاتا، بلکہ زیادہ تر اس بات کو
ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ان حرام اشیاء کے انسان کے اخلاق پر کیسے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور
طہارت اور پاکیزگی سے ان کا کس قدر تعلق ہے، نیز ایسی تمام چیزوں بھی حرام قرار دی گئیں جنہیں
نیت کی گندگی اور عقیدہ کی خلاف حلال سے حرام بنا دیتی ہے۔ اللہ ایضاً ضروری نہیں کہ جو چیز اللہ نے
حرام کی ہے اس کی حکمت بہر حال انسان کی سمجھی میں آجائے (تفیر القرآن ج ۱ ص ۲۷۹)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے: ”إِنَّمَا الْأَخْمَالَ بِالنَّيَّابَاتِ“ (بخاری و مسلم) اور حضرت
ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَنْظِرُ إِلَى أَجْسَامَكُمْ وَلَا إِلَى صُورَكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ
إِلَى قُلُوبِكُمْ (مسلم ج ۲ ص ۳۱۷)

مطلوب یہ ہے کہ شریعت کے تمام امور کا دار و مدار آدمی کی نیت اور دلی ارادہ پر ہے۔ لہذا

بُشَّرْخَصِ حَلَالٍ وَ حَرَامٍ كَمَا حَكَمَاتُ كَوْتَلِيمِ نَهِيًّا كَرَتَادَهُ عَمَلاً إِسْلَامَ كَمَا بَانَىٰ هُنَىٰ ہے۔

”وَمَا أَحَلُّ لِغَنِيْرِ اللَّهِ بِهِ“ جمیور مفسرین نے آیت کے یہ معنی کئے ہیں: ”جب کوئی جانور ذبح کیا جائے تو اُس پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا جائے۔“ شاہ صاحب لکھتے ہیں: اگرچہ جانور ذبح کرتے وقت عادتاً ”بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهِ أَكْبَرُ“ زبان سے کہہ کر ذبح کیا جائے تو وہ مردار اور حرام ہوگا (مگر اُس جانور کو غیر اللہ کی خاطر ذبح کیا گیا ہو) (تفسیر عزیزی، ج ۱ ص ۲۱۰)۔

”وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ: نُصُبَ أَنْ آسْتَانُوْں کو کہتے ہیں جہاں غیر اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا: ایسی جگہوں پر ذبح کئے گئے جانور حرام ہیں۔ مشرکین مکہ جانوروں کو ذبح کرنے سے اُن کو اپنے بتوں کے نام نامزد کرتے تھے نیز یہ کہ ذبح کرتے وقت بتوں کا نام پاکارتے تھے۔

قال تعالیٰ: اسلام میں لاٹری وغیرہ جیسے تمام کام حرام ہیں۔ لاٹری میں پیسے (رقوم) سب لوگوں کی جمع شدہ کچھ مخصوص لوگ لے کر اپنی جیبوں میں ڈال لیتے ہیں یہ کہاں کا انصاف ہے۔ البتہ قرع اندازی جس میں فریقین کے برابر کے حقوق ہوں جائز ہے مثلاً

۱) قربانی کی گائے میں سات برابر کے حصے ہیں، کس کو کون سا حصہ دینا ہے قرع اندازی کریں اگر تمام حصے برابر نہیں ہیں تو قرع اندازی جائز نہیں ہوگی۔

۲) داخلے میں ایک مرحلہ آ جاتا ہے کہ آخری سیٹ پر چند طالب علم میراث میں برابر آ جاتے ہیں، لہذا قرع اندازی سے داخلے کے لئے فیصلہ کیا جائے گا۔ یہی میں انصاف ہے۔

پاؤں کے ذریعے قسم کا حال معلوم کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ مشرکین عرب میں یہ دستور تھا کہ بتوں کے سامنے مختلف اقسام کے تحریر شدہ تیر رکھے ہوئے تھے۔ بتوں کے ہاں حاضری دیتے، مدد مانگنے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ بت کی جیب میں رکھے ہوئے تیروں میں ایک تیر لکھا لے اور پڑھتے کہ کیا لکھا ہے؟ یہ کہ کام ہو گایا نہیں وغیرہ۔

نجومی کے پاس جا کر قسم کا حال معلوم کرنا، علم اعداد، علم جھر اور رمل وغیرہ کفر اور فتن ہیں۔ فتح کے دن آنحضرت نے کعبۃ اللہ کے اندر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی تصویریں دیکھیں جن کے ہاتھوں میں یہی پانے تھائے ہوئے تھے، ان کو دیکھ کر آپ نے فرمایا: اللہ ان مشرکوں کو ہلاک کرے جنہوں نے یہ تصویریں بنائی ہیں، ابراہیم اور اسماعیل نے تو کبھی پانے

ہاتھ میں نہیں لیتے تھے۔ (بخاری، حصہ ۲۱۲)

”آج کافر تھا رے دین سے نا امید ہو گئے ہیں۔“

آنحضرت نے فرمایا: جزیرہ عرب میں شیطان کے بہکانے سے بت پرستی پھیلی ہوئی تھی وہ ختم ہو گئی یہ کہ شیطان نا امید ہو گیا ہے لیکن مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں کے لئے شیطان کے بہکاوے کا اثر باقی ہے (مسلم حصہ ۳۷۶)

آیت کے اس حصے میں آپس کی لڑائیوں سے پیشین گوئی کے طور پر ذرا یا گیا ہے کہ تم لوگ اللہ سے نذر نہ ہو جانا، اس طرح اسلام میں ضعف آجائے گا۔ مشرکین کو قبل از فتح مکہ یہ امید تھی کہ اسلام کمزور ہو کر ختم جو جائے گا۔ اب فتح مکہ کے بعد ان کی یہ امیدیں وہ توڑ گئی، اس لئے فرمایا کہ تم مشرکین سے مت ڈرنا اور صرف مجھے ہی سے ڈرنا۔ اگر خرابی ہو گی تو صرف اس بات پر ہو گی تم اللہ کے علاوہ اور وہ بے ڈرنے لگے ہو۔ تو جب بھی تمہارا نقشان ہو گا تو تمہاری داخلی کمزوریوں کے سبب ہو گا۔ مولا ناظر غلی خان نے کیا خوب کہا۔

میں اگر سوختہ سامان ہوں تو یہ روز سیاہ

خود کھایا ہے مرے گھر کے چراغان نے مجھے

کوئی کافر میری تذلیل نہ کر سکتا تھا

مرحمت کی ہے یہ سونقات مسلمان نے مجھے

دین کامل:

حضرت عزّر سے روایت ہے کہ یہ آیت یوم عرفہ جمعۃ الوداع (جمعۃ المبارک) کو نازل ہوئی۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ سورۃ بقرۃ کی آیت: یَأَيُّهَا الْكَلِمَنَ

إِنَّمَا أَنْتُوا إِنْقُوا اللَّهُ وَذَرُوا مَا يَبْقَى مِنَ الرِّبَّوَا (بخاری حصہ ۲۱۳، بخاری، مکوالۃ الاتقان، ح

اص ۲۶) آخری آیت اُتری، جس کا خلاصہ یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت نے حضرت آدم

سے لے کر حضرت عیسیٰ تک کی شریعتوں کو ایک خوش نامکان سے تشبیہ دے کر فرمایا کہ اس مکان

میں ایک آخری ایمٹ کی کسر تھی وہ آخری ایمٹ میں ہوں کہ میرے آنے کے بعد وہ محل پورا ہو گیا

کوئی نہ میں "خاتم النبیین" ہوں (بخاری، ج ۵ ص ۲۲۸، مسلم ج ۲ ص ۵۰) بعض یہودیوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ قرآن میں ایک ایسی آیت اتری ہے کہ اگر ہم لوگوں پر اترتی تو ہم اس دن عید مناتے تو آپؐ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ اللہ کا شکر ہے اُس دن "دوعید" میں "جمع تھیں جتنے الوداع عرفہ اور یوم الجمیع" (بخاری ج ۲ ص ۲۲۶)

مطلوب یہ کہ پہلی شریعتوں کی تجھیں شریعت محمدؐ سے ہوئی اور شریعت محمدؐ کی تجھیں قرآن مجید کے بزول کے ختم پر ہوئی (متدرك حاکم ج ۲ ص ۳۱۱)

دین مکمل ہو گیا، جتنے الوداع کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا کر دیا: "إِنَّا فَسْخَنَا" میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے ذریعے مسلمانوں سے یہ فرمایا کہ اسلام کے غالب اور کامل ہونے کا زمانہ جلد ہی آنے والا ہے کوئی مخالف اسلام اپنی مراجحت کے ذریعے اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے پورے ہونے کی نعمت یاد دلائی ہے۔ اسلام کے بعد کوئی اور شریعت قیامت تک نہیں ہے اور قیامت تک یہی دین قائم رہے گا اور نہ ہی اس میں کچھ ردود پدال ہو سکے گا۔ کیونکہ آپؐ خاتم النبیین ہیں اور اسلام آخری شریعت ہے۔ اس لئے فرمایا کہ آخری زمانے تک اللہ کو دین اسلام ہی پسند ہے۔ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: روز قیامت کی ایک سویں صحفیں ہوں گی جن میں سے اُسی (۸۰) امت محمدؐ کی ہوں گی، (جامع ترمذی، ج ۲ ص ۷۷)

فرمایا: جن چیزوں کے حرام ہونے کا ذکر آیت کے اول ٹکڑے میں ہوا ہے وہ چیزیں ایسے شخص کے لئے حلال ہیں جو بھوک سے لا چار ہو جائے اور حلال چیزوں میں سے حتی المقدار کوشش کے باوجود اسے کچھ حلال نہیں سکتے تو پھر حرام کردہ اشیاء میں سے کھا سکتا ہے۔

"محمّصہ" کے معنی شدید بھوک اور مُتّجاحافٰ کے معنی کسی جانب مائل ہونے والا شخص اللہ اشریعت محمدؐ میں لا چار اور بے لاس آدمی کے لئے یہ حکم ہے۔

مندادام احمد میں ابو اقدیشی سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مُضطَرٌ "بے لس اور لا چار" وہ شخص جس کو ایک دن (صحح و شام) کا کھانا میرنا آئے۔ (تفیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۴، ابن جریر ج ۲ ص ۵۶)

آیت نمبر ۲۷: طیبات (پاکیزہ) سے معنی ذبح کے ہوئے حلال جانور مراد ہیں اور یہ لفظ

اپنے معنی میں بہت وسعت کا حامل ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کے حصول کا ذریعہ اور استعمال کا طریقہ کارنہیات پا کیزہ ہوتا لازم ہے۔ ”جوارح“ کے معنی شکاری جانور، مکلبین کے معنی سدھائے ہوئے جانور (یعنی کتنے وغیرہ) ممکنہ علمکم اللہ سے مراد وہ عقل ہے جو اللہ نے شکاری جانور کے سکھانے کے لئے انسان کو دی ہے: وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ شَكاري جانور کے شکار پر چھوڑتے وقت ”بِسْمِ اللَّهِ“ پڑھ کر اسے چھوڑنا، پھر فرمایا: إِنَّ اللَّهَ مُتَرِّيْعُ الْحِسَابُ، حساب کے وقت سے مسلمان شکاریوں کو ذرا یا کہ اس وقت تم ہمارے سامنے ہو گے، لہذا ہماری ان شرائط کی پابندی کرو۔ اگر بے احتیاطی کرو گے تو اس دن کا حساب یاد رکھو اور ڈرلو۔

حضرت ابو هریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: شکار، گھر، ہجتی اور مویشی کی حفاظت کے لئے کتنے کا پالنا جائز ہے (بخاری ح ۳۱۲ ص ۳۱۲) آیت میں صرف شکار کے لئے کتنے کا پالنا جائز ہے مگر حدیث شریف میں دو اور ضرورتوں کے لئے کتنے کی اجازت دی گئی ہے۔ کتوں کو شوق کے لئے پالنا جائز نہیں ہے۔

شرائط شکار: شکار کے لئے سدھایا ہوا کتاب جب شکار پر چھوڑا جائے تو وہ جائے اور روکا جائے تو رک جائے اور مالک کی اجازت کے بغیر شکار کا گوشت نہ کھائے، شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ کر اسے چھوڑا جائے۔ کتنے کا پکرا ہوا اگر زندہ ہا تھا آجائے تو ذبح کرنا ضروری ہے اور اگر زندہ حالت میں ہاتھ بندہ آئے اور اس میں سے کتنے کے پچھلیں کھایا تو بغیر ذبح کئے حلال ہے۔ ہاں اگر اس میں سے کتنے کھایا تو سدھایا ہوا جانور نہ رہا۔ لہذا شکار حرام ہوگا۔ سدھائے ہوئے کتنے کا شکار کو پکڑنا ذبح کے قائم مقام ہے۔

حضرت عذریؓ بن حاتم سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر سدھائے ہوئے کتنے کے شکار میں دوسرا اجنبی کتابشال ہو گیا اور شکار ذبح کرنے سے پہلے مر گیا تو وہ شکار مردار ہے خواہ اس میں سے کتنے کھایا ہو یا نہ کھایا ہو۔ اور درندوں میں سے چیتا وغیرہ اور پرندوں میں سے بازو وغیرہ کے شکار کا بھی یہی حکم ہے (بخاری ح ۲۲ ص ۸۲۲)۔ جب کہ ان کے زخم سے خون نکل کر بہہ جائے۔ بعض علماء کے نزدیک بندوق وغیرہ کے شکار کا بھی یہی حکم ہے، (وَاللَّهُ أَعْلَمُ
بالصواب)

آیت نمبر ۵: ذیحہ اہل کتاب حلال و جائز انہی شرائط کے ساتھ ہے جو اسلام میں جائز

ہیں۔ اہل کتاب کے دسترخوان پر حلال و طیب کھانا مسلمان کھا سکتے ہیں اگر ان کے دسترخوان پر حرام اشیاء چیزیں ہوں تو کھانا تو درکناران کے بترن کا استعمال بھی حرام ہے۔

مُحْصَنَة سے مراد آزاد عورتیں (مسلمان اور اہل کتاب) اور یہ کہ اکثر سلف کے نزدیک اہل کتاب کی لوڈیوں سے مسلمان مرد کا نکاح جائز نہیں۔ نکاح میں شریعت کا پاس و لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے فرمایا: ان کے مہر ادا کرو، عورتوں سے کھلم کھلا بد کاری یا در پردہ آئندگانی کا تعلق نہ رکھا جائے اور نہ کوئی ایسی غیر شرعی حرکت کی جائے جس سے نکاح کا تقدیس پاہال ہو جائے۔ فرمایا: اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح شریعت محمدی میں انہیں شرائط کے ساتھ جو مسلمان عورتوں کے لئے ہیں، حلال و جائز ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا: کہ اہل کتاب کو "لِيَمْ حَابٌ" کا فکر ضرور کرنا چاہیے۔ اپنی ضد کے سبب منسوخ شدہ شریعتوں پر عمل کر رہے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ ان کو چھوڑ کر اسلام کے تالیع ہو جائیں۔ فرمایا: وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْأَسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُفْلِمَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِيرِينَ (آل عمران: ۸۵) "اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا طالب ہو گا تو اس سے وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا"۔

جب ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کا پیغام سن لیا تو پھر اس کی مخالفت سے ان کے لئے دنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔ حضرت ابو هریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اہل کتاب میں سے میرا حال سن کر میری بہوت کونہ مانے گا وہ دوزخ کے عذاب سے نجات نہیں پاسکتا (مسلم: ۸۶/۱)"

آیت نمبر ۶: یہاں سورۃ المائدۃ کی آیت ۶ میں فرمایا:

"جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو وضو کرو یعنی جس کا وضو نہیں اس پر وضو فرض ہے۔ حضرت ابو هریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کا وضو نہ ہوا اس کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک وہ وضو نہ کر لے (بخاری، حج اہل ۲۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دفعے چند مزید نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں مگر ہر نماز کے لئے وضو کرنا مستحب یعنی باعث ثواب ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ایک دفعے چند نمازیں پڑھائیں (مسلم، حج اہل ۱۳۵)

نماز کے لئے طہارت سے مراد وضو کرنا ہے لیکن جبکی (ناپاک) آدمی کے لئے نماز سے پہلے غسل فرض ہے۔ اس آیت میں فرمایا کہ مریض، مسافر، قضاۓ حاجت سے فارغ ہونے والا، یا جبکی ہو، پانی میسر نہ آئے تو وہ تمکم کر سکتا ہے۔

وضو کی فضیلت: آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگ قیامت کے دن بلائے جائیں گے جب کہ ان کے وضو کے نشانات کی وجہ سے ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے (بخاری ۱۳۶، ح ۱۳۸)۔

وضو کا طریقہ: اس آیت میں جن اعضاء کے دھونے کا ذکر آیا ہے۔ ان کو دھونا فرض ہے، وہ یہ ہیں (۱) اپنے چہرہ کو دھونا (۲) اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا (کہیاں اس میں شامل ہیں) (۳) اپنے سر کا مسح کرنا اور (۴) اپنے دونوں پاؤں کو تھنخوں تک دھونا (ٹھنخے ان میں شامل ہیں)۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے پانی کا برتن منگوایا۔ پھر پہلے اپنی ہتھیلوں پر تین بار پانی ڈال کر انہیں دھویا پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا، پھر کلکی کی، پھر ناک جھاڑی، پھر تین بار اپنا منہ دھویا، پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک تین بار دھوئے، پھر ایک ہی بار سر کا مسح کیا، پھر دونوں پاؤں تھنخوں تک تین بار دھونے پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی میرے اس وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں اس طرح ادا کرے کہ اس کے دل میں کوئی ذنبی خیال نہ ہواں کے پہلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (بخاری، کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۱۵۹)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اپنے قدم پر ناخن بھر جگہ (خشک) چھوڑ دی۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو اسے فرمایا: ”واپس جاؤ اور جھی طرح وضو کرو۔“ چنانچہ وہ شخص واپس ہوا۔ پھر (وضو کے) نماز پڑھی (مسلم، کتاب الطہارتہ)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ سے پیچھے رہ گئے۔ آپ ﷺ نے ہمیں اس حال میں پایا کہ نماز کا وقت ہو گیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے اور اپنے پاؤں پر مسح کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے تین مرتبہ بلند آواز سے پکارا: وَيُلِّ لِلْأَعْقَابِ مِنِ النَّارِ یعنی ان ”خشک ایڑیوں کے لیے بر بادی ہے۔“

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ”وضو مکمل کرو“ (بخاری، کتاب الوضوء، ح ۱، ح ۵۲)

حضرت ابو موسیٰ اشعراؑ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا تو دیکھا کہ آپ

مَلِئَتِهِمْ بِاَنْهَىٰ مِسَاوِكَ لَيْلَىٰ بُوئِ مِسَاوِكَ كَرِرَهُتْ تَتْهِي - آپ اع اع کی آواز نکال رہے تھے۔
(بخاری کتاب الوضوء، باب التوأک حدیث نمبر ۲۲۷، ص ۱۶۹)

عروہ بن مغیرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سفر (غزوہ تبوک) میں رسول اللہ ملِئَتِهِمْ کے ساتھ تھا (آپ ملِئَتِهِمْ وضو کر رہے تھے) میں جھکا کہ آپ ملِئَتِهِمْ کے موزے اتار دوں۔ آپ ملِئَتِهِمْ نے فرمایا "مرہنے دو، میں نے انہیں پاؤضو پہنا ہے"۔ پھر ان پر مسح کیا۔
(بخاری۔ کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۲۰۶، ص ۱۵۸)۔

وضو کرنے کے بعد موزے / موٹی تہہ دار جراہیں پہننے کے بعد حضرت میں ایک دن اور سفر میں تین دن تک مسح کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی عضو زخمی ہے جسے دھونے سے بیماری وغیرہ کا خطرہ ہے تو اس پر پیٹی باندھ کر مسح کیا جا سکتا ہے۔

طہارت کے آداب: حضرت انس فرماتے ہیں کہ آپ ملِئَتِهِمْ جب بیت الحلااء میں جاتے تو کہتے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَغُوْذُ بِكَ مِنَ النُّجُبٍ وَالْخَبَائِثِ" اے اشیاءں بھوقوں اور بھتیوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں (بخاری: کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۱۳۲، ص ۱۳)۔

ابو ایوب الانصاری فرماتے ہیں کہ آنحضرت ملِئَتِهِمْ نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی قضاۓ حاجت یعنی پاخانہ کرنے کے لیے آئے تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرے نہ پیٹھے (بخاری: کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۱۳۲، ص ۱۳)۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ ملِئَتِهِمْ مدینہ کے کسی باغ پر سے گزرے وہاں دو آدمیوں کی آوازی جنمیں ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا۔ آپ ملِئَتِهِمْ نے فرمایا: انہیں کسی بڑے گناہ میں عذاب نہیں ہو رہا۔ پھر فرمایا: ان میں سے ایک تو اپنے پیشتاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا پھرتا تھا۔ پھر آپ ملِئَتِهِمْ نے ایک ہری چنی مٹکوائی۔ اس کے دلکھرے کر کے ہر قبر پر ایک ایک حصہ گاڑ دیا۔ صحابہ نے پوچھا "یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟" فرمایا: جب تک یہ سوکھیں نہیں شاید ان کے عذاب میں کچھ کمی ہو۔ (بخاری، کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۲۱۶، ص ۱۶۱)۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ملِئَتِهِمْ نے فرمایا: تم میں سے کوئی کھڑے پانی میں جو بخاری نہ ہو پیشتاب نہ کرے کہ پھر اس میں نہ بائے، (بخاری: کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۲۳۹،

(ص ۱۲۶)

تہم کا طریقہ: حضرت عمر بن حفیظ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے نماز سے سلام پھیرا تو ایک شخص کو علیحدہ بیٹھے دیکھ کر فرمایا: تجھے نماز سے کس چیز نے روکا؟ تو اس نے عرض کی میں ناپاک ہوں اور پانی موجود نہیں..... پھر آپ ﷺ نے اسے مٹی سے تیم کرنے کا حکم دیا (بخاری، کتاب الحیث، حدیث ایم، حدیث ۳۲۷)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ غزوہ بن المصطلق میں نماز کا وقت ہو گیا۔ وہاں پانی نہ تھا اور کچھ صحابہؓ باوضو نہ تھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تہم کی یہ آیت نازل فرمائے (بخاری، کتاب الحیث، حدیث نمبر ۳۳۷، ص ۱۸۸)

حضرت عمر بن یاسرؓ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک سفر میں ان کو نہانے کی ضرورت پڑ گئی تو انہوں نے مٹی میں لوٹ پوٹ ہو کر نماز پڑھ لی تھی جب آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تیرے لئے اتنا ہی کافی تھا، پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ رہیں پرمارے اور ان میں پھونک ماری پھر اس سے مند اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔ (بخاری، کتاب الحیث، حدیث نمبر ۳۲۸، ص ۱۹۰)

غسل کا طریقہ: حضرت عمر بن خطابؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہم میں سے کوئی حالتِ جنابت میں سوکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" جب تم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں ہو تو وہ وضو کر لے اور سو جائے (بخاری، حدیث نمبر ۲۸۷، ص ۱۷۸) دوسری روایت میں ہے کہ پہلے وہ شرمگاہ کی طہارت کرے، پھر نماز کا سا وضو کرے اور سو جائے۔ یاد رہے کہ اس وضو سے وہ نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ اس کے لئے غسل فرض ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جب آپ ﷺ غسل جنابت کرنا چاہتے تو (برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے) اپنے دونوں ہاتھ دھوتے، پھر نماز کی طرح وضو کرتے، پھر اپنی انگلیوں میں پانی ڈال کر بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے، پھر دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر تین چلو اپنے سر پر ڈالتے، پھر اپنے سارے جسم پر پانی بھاتے (بخاری، کتاب الغسل، حدیث نمبر ۲۲۸، ص ۱۷۱)۔

خلاصہ یہ ہے کہ:

۱) نماز کے لئے پاکیزگی فرض ہے۔

- ۲) وضو فرض ہے۔
- ۳) جبکہ آدمی کے لئے غسل فرض ہے۔
- ۴) پانی نہل رہا ہو تو تیم کی رخصت سے فائدہ حاصل کریں۔
- ۵) بیمار ہو، وضو کرنے سے غسل کرنے سے بیماری کے بڑھنے یا جان کا خطرہ ہو تو تیم کی رخصت ہے۔
- ۶) پانی نہ مل تو وہ تیم غسل اور وضودنوں کا قائم مقام ہوگا۔
- اللہ کی نعمت کا مکمل ہونا: طہارت کے احکامات کی حکمت یہ بھی ہے کہ روح کی پاکیزگی کے ساتھ نفس کی پاکیزگی بھی لازمی اور ضروری ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: **الظہور شطرو الایمان** ” (مسلم، کتاب الطہارۃ) پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ یعنی حسی اور معنوی صفائی اور شرعی طور پر ایسا فضل جس سے گندگی ختم ہوتی ہے اور خالص ثواب میر آتا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دل، دماغ اور بدن کی طہارت نصف ایمان کے برابر چیز جیسا کہ فرمایا: وضو نصف ایمان ہے۔ جب کہ روحانی طہارت سے مراد معصیت سے اجتناب اور گناہوں کا ترک کرتا ہے۔ پس تمام نعمت ذریعہ شکر الہی ہے۔

آیت نمبر ۷: اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور احسانات کے یاد کرنے کا حکم دیا ہے کہ اس عہد کو یاد کرو جو تم نے رسول اللہ ﷺ کی معرفت ہم سے کیا تھا۔ یہ عہد، اسلام کی بیعت ہے جو قبول اسلام کے وقت کی گئی کہ ہر حال میں ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہیں گے اور معاصی و منکرات سے بچتے رہیں گے (تفصیل کے لئے دیکھئے، بخاری، مسلم ج ۲۵ ص ۱۰۶۹، باب کیف پیاق الامام الناس، مسلم ج ۲۵ ص ۱۲۵، باب وجوب طاعة الامر في غير معصية)

اہل ایمان کو چاہیے کہ عہد شکنی کی نوبت نہ آنے پائے اور اللہ سے ڈرتے رہیں۔ مخالف یا موافق شہادت (گواہی) کے محاابلے میں انصاف کا طریقہ ہر تنا چاہیے جیسا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے بتاؤ کرتا ہے۔ کیونکہ انصاف کا طریقہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔ جتنہ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام لانے کے بعد اسلام سے پہلے کا کوئی جھگڑا ظاہر نہ کرنا اور سب مسلمان ایک دل ہو کر میل جوں سے رہیں۔ (مسلم ج ۱۶ ص ۳۹)

آیت نمبر ۸: عدل و انصاف اسلام کا طرہ امتیاز ہے۔ سورہ الحجرات میں اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں: فَاصْلِحُوهَا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ - سورۃ النساء میں فرمایا: وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ "اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو (آیت ۵۸) اور سورۃ النساء میں ہی فرمایا: "اَمَّا الْاٰمَانُ اِنَّ الصَّافَ پِرْ قَاتَمْ رہ او ر اللہ کے لئے چی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کا نقصان ہی کیوں نہ ہو، اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ ان کا خیر خواہ ہے۔ پس یہ کہ تم خواہش نفسی کے پیچھے چل کر عدل کونہ چھوڑ دینا، اگر تم پیچہ ار گواہی دو گے یا پھر (شہادت سے) پچنا چاہو گے تو جان لو! اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے (الناء: ۱۳۵)

آیت نمبر ۹: اللہ کا وعدہ نہایت ہی پختہ اور سچا ہے کہ ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں بخشنا ہے اور بڑا اجر و ثواب عطا کرتا ہے۔

آیت نمبر ۱۰: اور کافر دل مکروہ اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والوں کے لئے بیشہ بیشہ کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ڈالے جائیں گے۔

آیت نمبر ۱۱: پہلا احسان تو یہ ہے کہ اسلام کی بدولت قبائلی عصیتوں کا خاتمه ہوا۔ دوسرا احسان یہ ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر "معاهدة صلح" ہوا اور اسے قرآن نے فتح بنیں قرار دیا۔ اگرچہ مفسرین نے اس آیت کے شان نزول کے چند واقعات بیان کئے ہیں لیکن غورث بن جارث کا قصد ہے حضرت جابرؓ نے روایت کیا ہے عبد الرزاق نے اس آیت کا شان نزول قرار دیا ہے۔ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ درخت کے سامنے میں آرام فرمائے تھے کہ آپ ﷺ کی تواریخ ساتھ لگی ہوئی تھی، چنانچہ غورث نے پیچے سے آپ ﷺ کی تواریخی اور آپ ﷺ کو جو گا کہ کہا آج کون میری تواریخ سے آپ کو بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میراللہ مجھ کو بچا سکتا ہے۔ حضرت جبریلؓ نے اس کے سینے پر زور سے ہاتھ مارا، تواریخ کے ہاتھ سے گر گئی، آپ ﷺ نے تواریخی اور اس سے پوچھا کہ اب تجھے کون بچا سکتا ہے؟ تو اس نے کہا مجھے بچانے والا کوئی نہیں تو آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ اس حال کو دیکھ کر غورث مسلمان ہو گیا اور اس واقعہ کے سبب بہت سے لوگوں کو ہدایت ہوئی (بخاری، ح ۲۶ ص ۵۹۳، فتح الباری ح ۲۲ ص ۷۶) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر احسان فرمایا کہ آپ ﷺ کو دشمن کے حملہ سے بچایا۔ پھر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی امت کے لوگوں کو باطور تعبیر فرمایا: کہ اس امت کی ہدایت کے لئے

رسول ﷺ کا اللہ کا ایک بہت بڑا احسان ہے، نیز رسول ﷺ کی حفاظت اللہ کا امت پر دوسرا احسان ہے اور یہ کہ آپ ﷺ نے مصیبت کے وقت صرف اللہ پر بھروسہ کیا اور اس کا انجام نہایت ہی اچھا ہوا اس لئے مسلمانوں کو آیت کے آخر میں یہ ہدایت فرمائی کہ اگر وہ ایسے موقع پر اللہ پر بھروسہ کریں گے تو انجام اچھا ہوگا۔ (الن شاء اللہ)

حاصل یہ کہ اسباب کو کام میں لائے اور ان اسباب میں تاثیر کے پیدا ہونے کا بھروسہ اللہ پر کر لے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ پر بھروسہ رکھنے والے مسلمان کو بغیر حساب کے جنت میں جانے کی خوشخبری ہے (بخاری ج ۲ ص ۹۵۸۔ باب و من یتوکل علی اللہ فھو وہ، مسلم ج اص ۱۷) ॥

آیات ۱۲ تا ۲۶

اہل کتاب کے عقائد / اہل کتاب کے ساتھ تعلقات کی نوعیت

۱) بنی اسرائیل سے عہد

بنی اسرائیل کی ذہنی و اخلاقی تربیت کے لئے اللہ نے بارہ قبیلوں میں سے ہر قبیلہ پر ان کا ایک نگران مقرر کرنے کا حکم دیا۔ عہد یہ تھا کہ: (۱) نماز قائم کریں گے، (۲) زکوٰۃ ادا کریں گے، (۳) میرے رسولوں کی تابعداری کریں گے، (۴) ان کی مدد کریں گے، (۵) اللہ کے راستے میں اپنا مال خرچ کریں گی۔ تو فرمایا کہ اس کے بد لے میں ہم تمہارا ساتھ دیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ جب اہل کتاب نے اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑا لے تو ان کا حشر کیا ہوا؟ قرآن نے اس کا بیان کر کے مسلمانوں کو ”عہد شکنی“ سے منع کیا۔ پھر یہ کہ اہل کتاب نے عہد شکنی کی تو اس کے بد لے میں ان پر اللہ کی لعنت ہوئی، اور وہ ہدایت سے دور ہو گئے، دل سخت ہو گئے، سمجھ بگڑ گئی، اللہ کی باتوں میں ہیر پھیر کرنے لگے، باطل تاویلیں گھٹرنے لگے، حقیقی کو چھوڑ کر اپنے مطلب کی تشریح کرنے لگے، اللہ کی کتاب سے دور ہو گئے۔ بد عمل ہو گئے، جس کی وجہ سے نظرت رہی اور رہی خلوص رہا، بس فقط عیاری، مکاری اور غداری کو انہوں نے اپنا شیوه بنا لیا۔ پھر فرمایا: عیسائیوں نے ہم سے عہد کیا تھا کہ جب رسول ﷺ آئیں تو آپ ایمان لا لیں گے، آپ کی مدد کریں گے لیکن انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بد عہدی کی، جس کی سزا کے طور پر ہم نے ان میں قیامت تک کے لئے آپس میں دشمنی ڈال دی۔ ان میں فرقے بن گئے جو ایک دوسرے کے دشمن ہیں، اللہ پر تہمت لگاتے ہیں، اس کی بیوی اور بیٹا قرار دیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے بارے میں کہتے ہیں: ”إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ“ (المائدۃ: ۷۱) جب کہ اللہ تعالیٰ احمد، واحد، صمد، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كَفُواً أَحَدٌ ۝ ہے۔

۲) يحرفون الكلم عن مواضعه

اہل کتاب اپنی کتابوں میں ”لفظی و معنوی“ تحریف کرتے تھے۔ آیت مذکورہ کاشان نزول حضرت عکرمہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس یہودی زنا کا مقدمہ لے کر آئے تو

آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: تم میں زیادہ عالم کون ہے؟ تو انہوں نے کہا: ابن صوریا، آپ ﷺ نے اس سے عہد لے کر پوچھا کہ کج کہو تورات میں کیا حکم ہے، اس نے کہا کہ تورات میں شادی شدہ کے لئے "رجم" کا حکم ہے مگر ہم نے خود ترمیم کر کے اس سزا کو دزدیں میں تبدیل کر دیا ہے (ابن کثیر، ج ۱)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت کو لا یا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے یہود سے پوچھا: "تم اپنی کتاب میں اس کا کیا حکم پاتے ہو؟" وہ کہنے لگے: "ہمارے علماء ایسے لوگوں کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرتے اور گشت کرتے ہیں"۔ عبد اللہ بن سلامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کے علماء کو تورات سمیت بلائیے۔ جب تورات لائی گئی تو ان میں سے ایک نے رجم کی آیت پر باتھر رکھ کر آگے پیچھے سے پڑھنا شروع کر دیا۔ عبد اللہ بن سلامؓ نے اسے کہا: "اپنا ہاتھ تو اٹھاوا" اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے سے رجم کی آیت نکلی۔ جتناچہ آپ ﷺ نے انہیں رجم کا حکم دے دیا اور وہ سنگار کیے گے۔ (بخاری، حج ۸ باب الرجم بالبلاط، ص ۳۰۵، مسلم، کتاب الحدود)

فرمانِ الٰہی ہے: "بِرَبادِی ہے اُن اہل کتاب کے لئے جو اپنی طرف سے عبارت لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیں" (آل بقرہ: ۷۹: ۶)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ اہل کتاب تورات، جو عبرانی زبان میں تھی، پڑھتے پھر اس کا مطلب عربی زبان میں مسلمانوں کو بیان کرتے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اہل کتاب کی نہ تصویق کرو اور نہ تکذیب بلکہ پوں کہو کہہ ام ایمان لائے اللہ پر، اور اس چیز پر جو اس نے اتنا رہی ہے (بخاری، حج ۲۶ ص ۲۵)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کیا پوچھتے ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر قرآن اتنا رہی ہے اس میں سب کچھ موجود ہے (ابن کثیر، ج ۱)

یہود کا عقیدہ اور اس کی تردید

یہودی کہتے ہیں کہ حضرت عزیز علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عَزِيزٌ أَبِنُ اللَّهِ (سورة التوبۃ: ۳۰)

جس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہودی کہتے ہیں، کہ عزیز غلی اللہ عاصم اللہ کے بیٹے ہیں، اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ذلِکَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يَضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلِنَا لَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ** (التوبہ: ۳۰) ”یہ ان کی طرف سے گھڑی ہوئی جھوٹی باتیں ہیں جیسے کہ پہلے کافر لوگ کہتے تھے، اللہ ان کو بلاک کرے وہ کہاں بھکے جا رہے ہیں۔“

عیسائیوں کا عقیدہ تسلیث اور اس کی تردید

عیسائی مذهب میں خدا اقسام سے مرکب ہے، باپ بیٹا اور روح القدس۔ اس عقیدہ کو تسلیث کہا جاتا ہے، اس عقیدہ کی توجیہ و توضیح میں عیسائی علماء کا شدید اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: باپ، بیٹا اور روح القدس کے مجموعے کا نام خدا ہے۔ اکثر عیسائیوں کا یہی عقیدہ ہے بعض کہتے ہیں کہ باپ بیٹا اور کنواری مریم وہ تین اقوام ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے۔ پھر ان اقسام میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اس بارے میں بھی عیسائی راہنماؤں کا شدید اختلاف ہے (۱) بعض کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بذات خود بھی دیساہی خدا ہے جیسا کہ مجموع۔

(۲) دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہے مگر مجموع خدا سے مکتنر ہے۔

(۳) عیسائیوں کا تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ خدا تو صرف ان تین کے مجموعے کا نام ہے۔ عیسائیوں کے اس جھوٹے عقیدے کا درود قرآن کی چند آیات سے کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو نبی اور مریم علیہما السلام کو ان کی ماں اور پاک دامن ثابت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٌ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّ لَمْ يَنْتَهُوا أَعْنَانًا يَقُولُونَ لَيْمَسَّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ خَذَابُ أَلِيمٍ** (المائدۃ: ۳۷) ”وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا: اللہ تین میں سے تیسرا ہے، دراصل اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اگر یہ لوگ اپنے قول سے بازنہ آئے تو ان میں سے جو کافر پر رہیں گے انہیں المناک عذاب پہنچ کر رہے گا، دوسری آیت میں یوں ارشاد فرمایا: **مَا أَمْسِخَ أَبْنُ مَرِيمَ الْأَرْسُولُ قَدْ خَلَقَ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ أَمْهَ صِدِّيقَةً كَانَتِ يَا مُكْلِنَ الطَّغَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نَبَيَنَ لَهُمُ الْآيَتِ ثُمَّ اُنْظُرْ أُنْتِي يُؤْفَكُونَ** (المائدۃ: ۵۷) ”مسیح ابن مریم سو ایغیرہ ہونے کے اور پچھلیں اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں

دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے۔ آپ دیکھتے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیل رکھتے ہیں پھر غور کر کجھے کہ کس طرح وہ پھر جاتے ہیں۔

اس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا اور حبیبِ نبیٰ میں بھلا گر تم ایسے ہوتے تو اللہ تم کو تمہارے گناہوں پر دنیا میں قتل اور مسخ سے اور آخرت میں آگ سے کیوں عذاب کرتا، تم خود اقراری ہو کہ ہم کو چند روز آگ چھوئے گی۔ بیٹا تو جس بآپ سے ہوتا ہے جو بات بآپ پر ہونی محاں ہو دہ بیٹے سے کس طرح ہو سکتی ہے حالانکہ تم سے گناہ ہوئے اور ہوتے ہیں اور اسی طرح دوست اپنے دوست کو ڈکھنیں دیتا حالانکہ تم کو عذاب کیا جاتا ہے پھر تم بیٹے اور خدا کے حبیب کیسے ہو سکتے ہو؟ معلوم ہوا تم اپنے دعوے میں جھوٹے ہو (فتح البيان) آیت کاشان نزول یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: نعمان بن آصہ، بحر بن عمر اور شاش بن عدی جو یہود کے بڑے عالم تھے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے، بات چیت ہوئی۔ حضور ﷺ نے ان کو اللہ کی طرف دعوت وی عذاب الہی سے ڈرایا۔ انہوں نے کہا: تم ہم کو کیا ذرا بتے ہو، ہم تو خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں (ابن ابی حاتم۔ ابن جریر۔ ابن کثیر)

انہیاً نے سابقین کے فوراً بعد متصل ہی حضرت عیسیٰ کو بھیجا جو اپنے سے پہلے نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اس کی تکذیب کرنے والے نہیں، جو اس کی دلیل تھی کہ حضرت عیسیٰ بھی اللہ کے سچے رسول ہیں اور اسی اللہ کے فرستادہ ہیں جس نے تورات حضرت موسیٰ پر نازل فرمائی تھی تو اس کے باوجود بھی یہود یوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی بلکہ ان کی تکفیر اور تنقیص و اہانت کی۔

جس طرح تورات اپنے وقت میں لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ تھی، اسی طرح انجیل کے نزول کے بعد اب یہی حیثیت انجیل کو حاصل ہو گئی اور پھر قرآن کریم کے نزول کے بعد تورات و انجیل اور دیگر صحائف آسمانی پر عمل منسون ہو گیا اور ہدایت و نجات کا واحد ذریعہ قرآن کریم رہ گیا اور اسی پر اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کا سلسلہ ختم فرمادیا۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی فلاح و کامیابی اسی قرآن سے وابستہ ہے۔ جو اس سے جڑ گیا، سرخود رہے گا۔ جو کٹ گیا ناکامی و نامرادی اس کا مقدر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ”وَحدَتُ ادیان“ کا نظریہ یکسر غلط ہے۔ حق ہر دور میں ایک ہی رہا ہے، متعدد نہیں۔ حق کے سواد و سری چیزیں

باطل ہیں۔ تورات اپنے دور میں حق تھی، اس کے بعد انجیل اپنے دور میں حق تھی، انجیل کے نزول کے بعد تورات پر عمل کرنا جائز نہیں تھا اور جب قرآن نازل ہو گیا تو انجیل منسوخ ہو گئی، اور اب صرف قرآن ہی واحد نظام عمل اور نجات کے لئے قابل عمل رہ گیا ہے۔ اس پر ایمان لائے بغیر یعنی نبوت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو تسلیم کئے بغیر نجات ممکن نہیں۔

اہل کتاب سے تعلقات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناو یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرنے گا وہ بے شک انہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔“ (المائدۃ: ۵۱)

اللہ تعالیٰ نے یہاں اہل ایمان کو اس بات سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست بنائیں، کیونکہ کافر اللہ کے بھی دشمن ہیں اور اہل ایمان کے بھی دشمن ہیں۔ تو پھر ان کو دوست بنانے کا جواز کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان کافروں کی موالات (دوستی) اور ان سے خصوصی تعلق قائم کرنے سے گریز کریں۔ البته حسب ضرورت و مصلحت ان سے صلح و معاهدہ بھی ہو سکتا ہے اور تجارتی بین دین بھی، اسی طرح جو کافر مسلمانوں کے دشمن نہ ہوں، ان سے حسن سلوک اور مدارات کا معاملہ بھی جائز ہے۔

مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں کا یہ حال ہو، کیا وہ اس لائق ہو سکتے ہیں کہ مسلمان ان سے محبت کی پیشکشی بڑھائیں اور انہیں اپنا راز دان اور دوست بنائیں؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ اسے بھی دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے (جیسا کہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر ہے) اس لئے کہ وہ بھی مسلمانوں سے نفرت و عداوت رکھتے، ان کی کامیابیوں سے ناخوش اور ان کی ناکامیوں سے خوش ہوتے ہیں۔ (ماخوذ از احسن البیان)

سورۃ النساء آیت نمبر ۶۰ میں فرمایا: ”کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے نیچلے طاغوت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں لہو کیونکہ شیطان تو چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دوڑاں دے۔“

کافر مسلمانوں کے بارے میں جو عزائم رکھتے ہیں وہ تو سب کچھ اظہر من المقصس ہے۔ بہت سارے ایسے معاملات ہیں جنہیں مسلمانوں کے خلاف انہوں نے کرنا ہوتے ہیں وہ اپنے سینوں میں مخفی رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے ارادوں اور عزم ائم کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اسی لیئے علماء کرام نے لکھا ہے کہ اسلام ریاست میں غیر مسلموں کو کلیدی عہدوں پر تعینات نہ کیا جائے۔

سورة الفرقان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلٰى الْأَرْضِ هُوَنَا وَإِذَا خَاطَبُوكُم
الْجَهَلُونَ قَالُوا سَلَامًا وَالَّذِينَ يَبْيَثُونَ لِرَبِّهِمْ سُجْدًا وَقِيَامًا وَالَّذِينَ
يَقُولُونَ رَبِّنَا أَصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ عَرَاماً فَإِنَّهَا
سَاءَتْ مُسْتَقْرِئًا وَمُقَامًا وَالَّذِينَ إِذَا آتُفُوا لِهِ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا
وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوْمًا وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلَّا أَخْرَ وَلَا
يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزِنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ
ذَلِكَ يَلْقَ أَكْمَانَهُ يُضْعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَاجِنًا
إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ
حَسْلَاتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ
يَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا وَالَّذِينَ لَا يَتَّهِدُونَ إِلَّا بِاللَّغْوِ
مَرْءُوا كَرَامَاتِهِ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا يَأْتِيَنَّ رَبِّهِمْ لَمْ يَخْرُجُوا عَلَيْهَا صُمْنًا
وَعُدْيَانًا وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبِّنَا هُبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذَرْبِنَا فُرَّةَ
أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَكَبِّرِينَ إِمَامًا وَأُولَئِكَ يُبَذِّرُونَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا
وَيُلْقَوْنَ فِيهَا تَحْيَةً وَسَلَامًا خَلِدُونَ فِيهَا حَسْنَتْ مُسْتَقْرِئًا وَمُقَامًا
فَلْ مَا يَعْبُدُوا يَكْمُرُنِي لَوْلَا دُعَاوَكُمْ فَقَدْ كَذَبْتُمْ فَسُوفَ يَكُونُ لِذَمَّاتِهِ

ترجمہ: اور جن کے بندے توہہ ہیں جوز میں پر آہنگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں (۶۳) اور وہ جواب پروردگار کے آٹھے سجدے کر کے اور (اور عبُر و ادب سے) کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں (۶۴) اور وہ جو دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار دوزخ کے عذاب کو ہم سے دور رکھیو کہ اس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے (۶۵) اور دوزخ تھہر نے اور رہنے کی بہت بُری جگہ ہے (۶۶) اور وہ کہ

جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بجا اڑاتے ہیں اور نہ تکلی کو کام میں لاتے ہیں، بلکہ اعتدال کے ساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم (۲۷) اور وہ اللہ کے ساتھ کسی اور معیود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو مارڈا اللہ نے حرام کیا اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے۔ اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں بٹلا ہوگا (۲۸) قیامت کے دن اس کو دُو گناہ عذاب ہوگا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا (۲۹) مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اپنے کام کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو مجتنم والامہربان ہے (۳۰) اور جو توبہ کرتا اور عمل نیک کرتا ہے تو بیشک وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے (۳۱) اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو یہ ہو دھیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو بزرگانہ انداز سے گزرتے ہیں (۳۲) اور وہ کہ جب ان کو پروردگار کی باشیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر انداز ہے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور و فکر سے منتے ہیں) (۳۳) اور وہ جو اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہاے پروردگار ہم کو ہماری یہ یوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی تھنڈک عطا فرمائے پر ہمیں پر ہیز گاروں کا امام بنا (۳۴) ان صفات کے لوگوں کو ان کے صبر کے بد لے اونچے اونچے چکل دیئے جائیں گے اور وہاں فرشتے ان سے دعا و سلام کے ساتھ ملاقات کریں گے (۳۵) اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ ٹھہر نے اور رہنے کی بہت ہی عمده جگہ ہے (۳۶) کہہ دو کہ اگر تم (اللہ کو) نہیں پکارتے تو میرا پروردگار بھی تمہاری کچھ پروانہیں کرتا۔ تم نے تکنذیب کی ہے سواس کی سزا (تمہارے لئے) لازم ہوگی (۳۷)

عبد الرحمن کی خصوصیات

رحمٰن کے بندوں سے مراد وہ مومن ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں، ان آیات میں رب تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی چیزیں چیدہ خصوصیات کو بیان کیا ہے۔

آیت ۲۳: میرے نیک بندے زمین پر عاجزی واکساری کے ساتھ چلتے ہیں۔ تکبر کی چال نہیں چلتے۔ قرآن و حدیث میں تکبر کی مذمت بہت مرتبہ آئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور زمین پر اکڑ کر مرت چل کر تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پھاڑوں (کی چوٹی) تک پہنچ جائے گا۔ (بنی اسرائیل: ۳۷)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ”گذشتہ امتوں میں سے بعض اتر اکر (تکبر) کے ساتھ چلنے

والوں کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنادیا،” (بخاری و مسلم) احادیث مبارکہ سے آپ ﷺ کی چال کا نمونہ ہمیں ملتا ہے کہ ”آپ ﷺ کی چال میں وقار ہوتا اور آپ ﷺ اس طرح قدم رکھتے ہوئے چلتے تھے کہ گویا آپ ﷺ نیشیب کی طرف اتر رہے ہیں۔“

حضرور ﷺ فرماتے ہیں وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رانی کے برابر تکبر ہوگا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں جس دل میں ایک ذرے کے برابر تکبر ہے وہ اوندھے منہ جہنم میں جائے گا۔ آپ ﷺ ارشاد ہے کہ انسان اپنے غرور اور خود پسندی میں بڑھتے بڑھتے اللہ تعالیٰ کے ہاں جباروں میں لکھ دیا جاتا ہے پھر سرکشیوں کے عذاب میں پھنس جاتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں ”غور کا سر نیچا ہوتا ہے، اللہ ایسے انسان کو ضرور سزا دیتا ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور (از را غرور) لوگوں سے اپنے گال نہ پھلانا اور زمین پر اکڑ کرنے چلنا کہ اللہ کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا اور اپنی چال میں اعتدال سے رہنا اور اپنی آواز پیچی رکھنا کچھ شک نہیں کہ سب سے برقی آواز گدھوں کی ہے (قمن: ۱۹)

جاہل سے کنارہ کشی سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص جو جہالت پر اتر آئے تو وہ ان کو نرم جواب سے ٹال دیتے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”اللہ در گذر کرنے والے کی عزت بڑھادیتا ہے“ (مشکوٰۃ۔ فصل اول)

حاصل یہ کہ کج بحث قسم کے لوگوں سے اجتناب کرنا حسن کے بندوں کا شیوه ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے: اور جب وہ کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اسے نظر انداز کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ سلام ہے تم کو ہم تو جاہلوں کے منہ نہیں لگتے (القصص: ۵۵)

آیت ۲۶: آنحضرور ﷺ کی تعلیمات سے ہمیں رہنمائی ملتی ہے کہ مسلمان اپنے تمام امور عشاء کی نماز تک مکمل طور پر سرانجام دے لیں اور عشاء کی نماز ادا کر کے سو جائیں اور بھر صبح صادق سے قبل نماز تجد کے لئے بیدار ہوں۔ (اگرچہ یہ نماز نفل ہے مگر اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے) اور گیارہ رکعت ادا کریں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”فرض نماز کے بعد رات کی نماز افضل ہے“ (مشکوٰۃ) اس حدیث سے رات کی نماز کی فضیلت اچھی طرح سمجھا جاتی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: ”ان کے پہلو (اپنی خواباں ہوں میں) پھونوں سے الگ

رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور جو کچھ (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں (اسجدہ: ۱۶)

یہ کہ عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں اور پھر صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں تو ساری رات کی عبادت اللہ دی جاتی ہے۔ اس طرح رحمٰن کے بندے راتوں کو بھی اللہ کی عبادت سے غافل نہیں رہتے کیونکہ اس نقشِ عبادت میں ریا کاری کا شانہ نہیں رہتا۔

آیات ۲۵-۲۶: مسلمان کو اس بات کا پختہ یقین ہونا چاہیے کہ ایک دن ضرور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہ دن نہایت ہی قریب ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

”کافروں کا یہ خیال ہے کہ انہیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ آپ فرماد تھے کہ کیوں نہیں، اللہ کی قسم، تمہیں ضرور بالضرور اٹھایا جائے گا، پھر جو کچھ تم نے کیا ہے اس کی تمہیں خبر دی جائے گی اور یہ کام اللہ پر نہایت ہی آسان ہے (التغابن: ۷)“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس دن سے ڈروجس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدل دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (البقرۃ: ۲۸۱)

مسلمان کو ہمیشہ یہ دعا کرنی چاہیے کہ ”اے میرے رب! میری خطاؤں کو روز قیامت معاف کر دینا“ (مسلم: ۲۱۲)

قیامت کے دن پر ہیز گاروں کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور جن کے نیک اعمال کم ہوں گے ان کوشقاوت کی وجہ سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس دن سے ڈروجس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدل دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (البقرۃ: ۲۸۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دوزخ کی آگ سے پناہ مانگتا ہے گا تو اللہ سے دوزخ کی آگ سے بچا دے گا۔ (مشکلۃ ص: ۱۹۲)

آیت ۷۷: عباد الرحمن کے بندوں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ خرچ کرتے وقت اور خرچ کے لئے ہاتھ کو روکتے وقت شریعت کی حدود و قیود کا خیال رکھتے ہیں۔ مثلاً ادا بیگی قرض کا خیال رکھتے ہیں اور گنجائش کے مطابق صدقہ و خیرات میں خرچ کرتے ہیں۔ نیز اسراف (ضدروت سے زیادہ خرچ) اور تیزیر (ناجائز کاموں پر خرچ) نہیں کرتے۔ مبنده امام احمد میں

عبداللہ بن عباسؓ سے مردی ہے، فرماتے ہیں کہ نیک کام میں خرچ کرنے والوں کا مال بڑھادیا جاتا ہے اور خرچ نہ کرنے والوں کا مال گھٹادیا جاتا ہے۔ (مجموع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۳)

چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: صدقہ وہی بہتر ہے جس کے بعد آدمی خود کی (کام) محتاج نہ ہو جائے۔ (بخاری، کتاب انفقات)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور رشتہ داروں اور مختاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال شہزادہ کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پور دگار (کی نعمتوں) کا ناشکرا ہے، اور اگر تم اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تہمیں امید ہو، ان (مستحقین) کی طرف توجہ نہ کر سکو تو ان سے نزی سے بات کہہ دیا کرو اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گرد ن سے بندھا ہو کر لو اور نہ بالکل کھول ہی دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ یہیک تھا راب جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور (جس کی روزی چاہتا ہے) نگ کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے اور دیکھ رہا ہے۔“ (بنی اسرائیل: ۲۶-۳۰)

آیات ۲۸-۲۹: بخاری اور مسلم میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے اس آیت کا شان نزول

بیان کیا گیا ہے۔

ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا! کہ جس اللہ نے بندے کو پیدا کیا اس کی عبادت میں کسی اور کوشش یک تھہرانا بہت بڑا گناہ ہے۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا فقر (نگفتی) کے خوف سے انسان کا اپنی اولاد کو قتل کرنا۔ میں نے پوچھا پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ہمسائے کی عورت سے زنا کرنا۔ (مکملۃ - باب الکبار و علامات العفاق)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس آیت سے قتل اور زنا کا گناہ ثابت ہوتا ہے نیز اسلام میں اولاد کے ساتھ شفقت کرنے اور پڑوں کی عزت و حرمت کا پاس و لحاظ رکھنے کا حکم ہے تو اس طرح اولاد کا قتل اور پڑوں کی عورت سے زنا کرنا کبیرہ گناہ تھہرا (فتح الباری ص ۲۸۵)

آیت کے نزول پر قریش کے لوگوں نے کہا ہم تو شرک، زنا اور قتل وغیرہ سب کچھ کر کے

ہیں تو پھر ہمارے لئے اسلام میں داخل ہونا کیونکہ ممکن ہو سکتا ہے؟ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے توبہ کے ذکر کا فکر انازل فرمایا: (بخاری، باب قوله، يضاعف له العذاب) یعنی ان کے جامیت کے گناہوں کا مواخذہ نہ ہوگا۔

جب ہور سلف کا عقیدہ یہی ہے کہ بلاشبہ مسلمان کا مسلمان کو قتل کر رہا بہت بڑا گناہ ہے اور اس کی توبہ قبول کرنایا قاتل کو بغیر مواخذے کے معاف کر دینا اللہ کی مرضی پر محصر ہے (فتح الباری) (۲۸۶ ص ۳۲۲)

”إِلَّا بِالْحَقِّ“ شریعت میں ایک تو قاتل کا قتل کرنا بطور قصاص، اسلام سے پھر جانے والا (مرتد) کو قتل کرنا اور شادی شدہ زنا کا کروز جم کرنے کا حکم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی صفات کا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بندے ان کی بیرون گناہوں سے بچے رہتے ہیں اور جو شخص ان شدید جرائم کا مرتكب رہا اور اسی حال میں مر گیا تو ایسا شخص شرک کے سبب ہمیشہ دوزخ میں رہے گا کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے کہ مشرک کی بخشش نہیں ہے۔ توبہ کا دروازہ تو صرف زندگی میں ہی کھلا ہے اگرچہ توبہ کے بعد صاحب اعمال کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی برا بیویوں کو نیکیوں میں بدل دے گا اور آئندہ گناہوں کی جگہ نیک اعمال کرنے کی توفیق دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ یہی مطلب ہے ”وَمَنْ تَابَ وَعَمَلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَنْتُوُبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا“

آیات ۷۲-۷۳: بڑے کام اور بڑی بات کو اچھی صورت میں ظاہر کرنا ”زور“ کہلاتا ہے جب کہ جھوٹی بات جھوٹ ہی کی صورت میں بیان کی جائے تو ”لغو“ میں شارہوتی ہے اور اس میں سب گناہ (یعنی شرک، جھوٹی تعظیم بت دغیرہ) داخل ہیں۔ پھر یہ کہ شیطان بڑی چیز کو اچھی صورت میں ظاہر کرتا ہے تو اس طرح حمل کے بندے اس طرح کی جھوٹی شیطانی کا روا بیوں کا حصہ نہیں ہوتے۔ پھر یہ بھی صفت بیان فرمائی کہ میرے خاص بندے منکر شریعت لوگوں کی طرح دین کی باتوں کو گونگے اور بہرے بن کر نہیں سنتے اور قدرت کی نشانیوں کو اندھے بن کر نہیں دیکھتے۔ اس نصیحت سے ان کے دل پوری طرح اثر قبول کرتے ہیں اور قرآن کی آیات پر غور و فکر کرتے ہیں۔ نیز بے دین لوگوں کی حافظل سے اگر ان کا گذر ہو تو وہ اپنی بزرگی کا بھرم قائم رکھتے ہوئے عزت دارانہ وجاهت کے ساتھ پہلو بچاتے ہوئے نکل جاتے ہیں اور ایسی حافظل کا

حصہ نہیں بنتے۔

آیت ۷۶-۷۷: یہوی، بچوں کے حق میں دعا: اے اللہ ہم کو ہماری یہویوں اور بچوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرم اور ہم اپنی آنکھوں سے انہیں پر ہیز گارڈ کیا ہے لیں اور ہم کو ان پر ہیز گاروں کا امام بننا، تاکہ ہمارے یہوی نپے ہم سے پر ہیز گاری کی باتیں سیکھیں۔

آیات ۷۸-۷۹: رحمن کے بندوں کا اعلیٰ مقام: دین کی پابندی کے سبب انہوں نے دنیا کی تکلیفیں برداشت کیں الہذا ان کو اس کے بدله میں جنت میں ”جھروکودار“ اور نپے محل دیئے جائیں گے۔ حضرت عبادۃ بن صامتؓ کی روایت میں ہے کہ جنت کے سودر بجے ہیں اور نپے کے درجے سے اوپر کے درجے تک کار استہ پانچ سو برس کا ہے (مکلاۃ)

جب جنتی لوگ جنت کے دروازوں پر پہنچیں گے تو فرشتے ان کا استقبال کریں گے ”سلام علیکم“، کہیں گے اور ہمیشہ جنت میں رہنے کی بشارت دیں گے اور یہ بھی کہیں گے کہ جس جنت کے ملنے کا وعدہ تم سے اللہ تعالیٰ نے کیا تھا آج اُس جنت میں داخل ہو جاؤ اور اب تم ہمیشہ صحت و سلامتی کے ساتھ اس میں عیش و آرام سے رہو گے۔

آخر میں فرمایا کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں، کلام اللہ اور رسول اللہ ﷺ کو جھلاتے ہیں اس لئے دوزخ کے عذاب سے نفع نہیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ کو ان کے ہمیشہ دوزخ میں چلنے کی کوئی پروا نہیں ہے ”لزاماً“ کے معنی ”لازی اور دائمی عذاب“، جس کا نمونہ بدر کی لڑائی میں مارے جانے والے مشرکین کے بڑے بڑے سرکش سردار ہیں۔

سورة الحجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰيٰهٰ الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقْرِبُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ يٰيٰهٰ الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصوًا لَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ الشَّرِيْقِ وَلَا تَجْهَرُوا كَهْرَبَعْضُكُمْ لِيَعْضُ اَنْ تَحْبِطَ اَعْبَالَكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَغْصُونَ أَصوًا لَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ اُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللّٰهَ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَآجُورٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحِجَرَاتِ اَنْ شَرَهُمْ لَا يَعْقُلُونَ ۝ وَلَوْ أَتَهُمْ صَبْرًا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ يٰيٰهٰ الَّذِينَ آمَنُوا اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ يَتَبَيَّنُوا اَنْ نُصِيبُوا قَوْمًا بِهَاكَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ لِدِيْمِنَ ۝ وَاعْلَمُو اَنْ فِيهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كُثُرٍ قِنَ الْاُمْرِ لِعِنْهُمْ وَلِكَنَ اللّٰهُ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرُ وَالْفُسُوقُ وَالْعُصَيْانَ ۝ اُولَئِكَ هُمُ الرَّشِيدُونَ ۝ فَضْلًا قِنَ اللّٰهُ وَسَعْيَهُ ۖ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَإِنْ طَآيَفَتِنَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ افْتَنُوكُمْ فَاصْلِحُوهُا بِيَنْهَمَاءٍ فَإِنْ بَعْثَتِ اِنْدِهِمَا عَلٰى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوكُمُ اَلَّتَّى تَبْغِيْنَ حَتَّىٰ تَفْعَلُو اَنَّ اَمْرَ اللّٰهِ ۝ فَإِنْ فَأَعْتَدْتُمْ فَاصْلِحُوهُا بِيَنْهَمَاءٍ بِالْعَدْلِ وَاقْسُطُوا ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَمْرِ الْمُسْلِمِينَ ۝ إِلَيْهَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ فَاصْلِحُوهُا بَيْنَ اَخْوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ يٰيٰهٰ الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوْنَ قَوْمًا قِنَ قَوْمٍ عَلَىٰ اَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءً قِنَ نِسَاءً عَلَىٰ اَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْهِيْرُ اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنْأِيْزُوا بِالْاَلْقَابِ ۖ بِئْسَ اِلَسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ اِلْمَكَانِ ۝ وَمَنْ لَمْ يَتَبَّعْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ يٰيٰهٰ الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا قِنَ الْكُفَّارِ ۝ اِنَّ بَعْضَ الْكُفَّارِ اِثْمَرٌ وَلَا يَجْسِسُوا وَلَا يَغْتَبُ

بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيْجِبُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْتِيَهُ حَمَّاً أَخِيهِ مَيْتًا فَكُلِّهُمُوا
وَالْقَوَا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ تَوَابٌ رَّحِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ قَنْ ذَكْرٍ
وَأَنْثُى وَجَعَلْنَاكُمْ شَعُوبًا وَقَبَائلٍ لِتَعْرَفُوا طَ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ
أَنْشَكُمْ طَ إِنَّ اللَّهَ عَلَيْمٌ خَيْرٌ ۝ قَاتَ الْأَعْرَابُ أَمْنَاطَ قَلْ لَمْ تُؤْمِنُوا
وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلُ الْإِيمَانَ فِي قُلُوبِكُمْ طَ وَإِنْ تُطِيعُوا
اللَّهُ وَرَسُولَهُ لَا يَكُنْ لَكُمْ شَيْءٌ طَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ إِيَّاهَا
الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفَسُهُمْ فِي سَيِّئِ اللَّهُ أَوْلَيْكُمْ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ قَلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهُ
يَدْعِيُكُمْ طَ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ طَ وَاللَّهُ يَكُلُّ
شَيْءٍ عَلَيْهِ ۝ يَعْلَمُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمْوَاطَ قَلْ لَا آمَنُوا عَلَى إِسْلَامِكُمْ
بَلِ اللَّهِ يَعْلَمُ عَلَيْكُمْ أَنْ هَذِكُمُ الْلَّاهِمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ إِنَّ اللَّهَ
يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

مومنوا (کسی بات کے جواب میں) اللہ اور اس کے رسول سے پہلے نہ بول اٹھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بنے شک اللہ سنتا جانتا ہے (۱) اے الیمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اوپھی نہ کرو۔ اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے رو برو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خربجی نہ ہو (۲) جو لوگ رسول اللہ کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں اللہ نے ان کے دل تقویٰ کے لئے آزمائے ہیں۔ ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے (۳) جو لوگ آپ کو مجرموں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں (۴) اور اگر وہ صبر کرنے رہتے یہاں تک کہ آپ خود نکل کر ان کے پاس آتے تو یہاں کے لئے بہتر تھا۔ اور اللہ تو بخششے والا ہم بریان ہے (۵)۔ مومنوا اگر کوئی بد کرو اور تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (مہادا) کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو۔ پھر تم کو اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے (۶)۔ اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اگر بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ نے تم کو ایمان عزیز بنادیا اور اس کو تمہارے دلوں میں سجادیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا۔

یہ لوگ راہ ہدایت پر ہیں (۷) (یعنی) اللہ کے فضل اور احسان سے۔ اور اللہ جانتے والا (اور) حکمت والا ہے (۸)۔ اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرنا دو۔ اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع لائے۔ پس جب وہ رجوع لائے تو دونوں فریق میں مساوات کے ساتھ صلح کردا اور انصاف سے کام لو، کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (۹) مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کر دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہوتا کہ تم پر رحمت کی جائے (۱۰) مومنوا کوئی قوم کسی قوم سے مستخرنہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں سے (مستخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگا اور نہ ایک دوسرے کا بر امام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد بر امام (رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ خالم ہیں (۱۱) اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تحسیں نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشٹ کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کر دے گے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے (۱۲) لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شاخت کرو۔ (اور) اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتے والا (اور) سب سے خبردار ہے (۱۳) دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے (بلکہ یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کر دے گے۔ تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۱۴) مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں جان اور مال سے لڑے۔ یہی لوگ (ایمان کے) پچھے ہیں (۱۵) ان سے کہو کیا تم اللہ کو اپنی دینداری جلتاتے ہو۔ اور اللہ تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے۔ اور اللہ ہر شے کو جانتا ہے (۱۶) یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ کہہ دو کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو۔ بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا

رست دکھایا پرشرطیکہ تم پچے (مسلمان) ہو (۱۷) بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھتا ہے (۱۸)

تفسیر سورۃ الحجرات

سورت کا نام آیت إِنَّ الْدِيْنَ يُسَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحَجَرَاتِ (آیت ۳) سے ماخوذ ہے

مدینہ طیبہ کے آخری دور ۹۰ھ میں مختلف موقع پر نازل ہونے والے احکام کا مجموعہ ہے۔ ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم اور یہ کہ تمام امور میں مسلمان کو اللہ اور اس کے رسول کے پیچے رہنا چاہیے۔ نیز مسلمانوں کو آداب رسالت مآب میں کھانے گئے ہیں کہ مومن اپنے نبی ﷺ کی توقیر، عزت و احترام کریں اور یہی اصل ایمان ہے۔ خبر کی تحقیق کر لیا ضروری ہے اس کے بغیر کسی قسم کی کارروائی کرنا مناسب نہیں ہے۔ مسلمانوں کی آپس میں جنگ ہو جانے کی صورت میں دوسرے مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کی آپس میں صلح کرائیں۔ اس لئے کہ مسلمان آپس میں اخوت کے رشتہوں میں جڑے ہوئے ہیں۔ معاشرتی برائیوں اور خرایوں سے احتساب کرنا (یعنی ایک دوسرے سے مذاق کرنا، الزرام تراشیان کرنا، بُرے بُرے نام رکھنا، ایک دوسرے کی نوہ میں لگے رہنا، غیبت، چغلی اور بہتان وغیرہ) اہل ایمان کو وہ ہدایات دی گئی ہیں جو مسلم معاشرے کو پاک رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ وحدت نسل انسانی کا پیغام دیا گیا ہے اور فرمایا کہ عزت و شہرت کی بنیاد "تقویٰ" ہے۔ یہ جان لو کہ جب تم اخلاص نیت سے (دل و جان سے) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے لگو گے تو تمہارے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ دکھایا۔

آیات ۱-۵: مومن کے لئے یہ بنیادی تقاضا ہے کہ وہ اپنی رائے کو اللہ اور اس کے رسول کے فعلیے کے ہاتھ رکھے۔ مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ دین کے تمام احکامات لوگوں کو اللہ کے رسول ﷺ کی معرفت پہنچتے ہیں۔ اس لئے فرمایا: اے ایمان والو! "اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پیش قدی نہ کرو" اہن عبارت فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے خلاف نہ چلو۔ یعنی کتاب و سنت کے سوا

کسی اور قول سے فیصلہ نہ کرو۔ اس طرح سورۃ الاحزاب میں فرمایا کہ جس معاملے کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول نے کر دیا ہواں کے بارے میں کسی مومن مرد و عورت کو یہ اختیار نہیں کرو وہ خود کوئی الگ فیصلہ کر لے۔ (آیت ۲۶)

ہاں البتہ کتاب و سنت کو مقدم رکھتے ہوئے اس کی روشنی میں اجتہاد کی اجازت ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ ہنومیم کے کچھ لوگ آپؐ کے پاس آئے ان لوگوں میں سے حضرت ابو بکر صدیقؓ ایک شخص (اقرع بن حابسؓ) کو سردار بنانا چاہتے تھے اور حضرت عمرؓ دوسرے شخص قعہاع بن معدؓ کو، اس بحث و مباحثہ میں دونوں حضراتؓ کی آوازیں مجلس نبویؓ میں بلند ہو گئیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں (بخاری ج ۲ ص ۱۸۷)

اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ اپنے کچھ لوگوں کے ساتھ اسلام لانے سے پہلے آپ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ اس وقت آرام فرمائے تھے۔ انہوں نے انتظار کیے بغیر آپ ﷺ کو مجرموں سے باہر آپ کا نام لے کر پکارنا شروع کر دیا۔ اگر یہ لوگ رسول اکرم ﷺ کا انتظار کرتے تو ان کے حق میں بہتر تھا۔ اس طرح یہ لوگ آپ ﷺ کی بے تو قیری سے نفع جاتے اب اگر یہ لوگ اپنے کئے پر نادم ہوں گے تو اللہ تعالیٰ "غفور رحيم" ہے۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: بعض اوقات آدمی کے منہ سے کوئی ایسا کلمہ نکل جاتا ہے جس سے آدمی دوزخی قرار پا جاتا ہے (بخاری و مسلم)
اس حدیث سے یہ بات متشرع ہوتی ہے کہ ایسی باتیں منہ سے نکالتے وقت اللہ سے ڈرنا چاہیے کیونکہ نیک اعمال کے رائیگاں ہونے کا مخاطرہ رہتا ہے۔

آداب مجلس نبویؓ کا تقاضا یہ ہے اہل ایمان آپ ﷺ کا انتہائی ادب و احترام ملاحظ خاطر رکھیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا امت پر حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم کی جائے اور اسی لئے آپ ﷺ کو نام کے ساتھ پکارنے اور آپ ﷺ کی موجودگی میں اوپنجی آواز میں گفتگو کرنے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منع کر دیا گیا اور انہیں آپ ﷺ کا احترام کرنے کی ختنی سے تلقین کی گئی۔

فرمان الہی ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَذَّابًا بَعْضُكُمْ بَعْضاً (النور: ۲۳)

”رسول ﷺ کو تم اس طرح مت بلا و جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔“
حضرت ابن زیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمر
نبی کریم ﷺ سے اس قدر پست آواز میں بات کرتے تھے کہ آپ ﷺ کو ان سے دوبارہ
پوچھنا پڑتا کہ کیا کہا ہے۔ (ابخاری: ۳۸۲۵، ۳۸۲۷)

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جن کی آواز فطری طور پر بلند تھی ان کے متعلق
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد
انہوں نے نبی کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا بند کر دیا، چنانچہ آپ ﷺ کی اجازت سے
سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اُن کو خبر دینے کے لئے ان کے گھر گئے۔ کہ آپ جہنم والوں میں سے نہیں
بلکہ جنت والوں میں سے ہیں۔ (ابخاری: ۳۸۲۶، مسلم ص: ۱۱۹)

ان دونوں واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ
کا شدید احترام کرتے تھے اور ادب و احترام کو خطوط خاطر رکھتے ہوئے انہیں یہ بات ہرگز گوارانہ تھی
کہ ان کی آواز نبی کریم ﷺ کی آواز سے اوپری ہو۔

اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کی توقیر و احترام کرنے والوں کو بشارت سناتے ہوئے فرماتا
ہے: فَالْأَذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوا وَنَصَرُوا وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ (الأعراف: ۷۴)

”جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی تعظیم اور مد کرتے ہیں اور اس نور کی
اتباع کرتے ہیں جو ان پر اتارا گیا ہے، ایسے لوگ ہی کامیابی پانے والے ہیں۔“

نیز فرمایا: إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَتُغَرِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسْبِحُوهُ بِمَكْرَهٖ وَأَصِيلًا (الفتح: ۸ - ۹)

”یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ذرا نے والا بنا کر بھیجا ہے تا
کہ (اے مسلمانو) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاو، اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو۔ اور صبح
و شام اس (اللہ) کی تسبیح پیان کرو۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی توقیر اور تعظیم کس طرح کرتے تھے اس کی ایک
محکم صلح حدیثیہ میں نظر آتی ہے۔

حضرت عروۃ بن مسعود ثقیفی رضی اللہ عنہ، جو اس وقت مشرک تھے اور قریش کے نمائندہ بن کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تھے، وہ جب قریش کے پاس واپس لوٹے تو انہوں نے کہا:

”میری قوم! اللہ کی قسم میں بڑے بڑے بادشاہوں سے مل چکا ہوں، میں نے قیصر و کسری اور نجاشی جیسے بادشاہ دیکھے ہیں لیکن اللہ کی قسم میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کی اس کے ساتھی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی تعظیم محمد ﷺ کی ان کے اصحاب کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! ان کا العابد ہم ان کے کسی صحابی کی ہتھیلی میں ہی گرتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور اپنی جلد پر مل لیتا ہے اور جب وہ کوئی حکم جاری کرتے ہیں تو ان کے اصحاب فوراً اس پر عمل کرتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے ساتھیوں میں سے ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وضو والا پانی اسے مل جائے اور جب وہ آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو ان کے پاس اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اور ان کی تعظیم کی بنا پر ان کی نظر وہوں سے نظر نہیں ملا تے.....“ (ابخاری: باب الشروط فی المجهاد: ۲۷۳۱ - ۲۷۳۲)

سید مودودی رقطراز ہیں: ”یہ ادب اگرچہ نبی ﷺ کی مجلس کے لیے سکھایا گیا تھا اور اس کے مخاطب وہ لوگ تھے جو حضور ﷺ کے زمانے میں موجود تھے، مگر بعد کے لوگوں کو بھی ایسے تمام موقع پر یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے جب آپ کا ذکر ہو رہا ہو، یا آپ کا کوئی حکم سنایا جائے، یا آپ کی احادیث بیان کی جائیں۔ اس کے علاوہ اس آیت سے یہ ایماء بھی لکھتا ہے کہ لوگوں کو اپنے سے بزرگ تر اشخاص کے ساتھ گفتگو میں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ کسی شخص کا اپنے بزرگوں کے سامنے اس طرح بولنا جس طرح وہ اپنے دوستوں یا عام آدمیوں کے سامنے بولتا ہے، دراصل اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں ان کے لیے کوئی احترام موجود نہیں ہے اور وہ ان میں اور عام آدمیوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔“ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۱۷)

آیات ۶-۸: حارث بن ضرار روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی جنہیں ہمارے قبلیے کی طرف زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سمجھا گیا تھا (مگر اس روایت کی سند ضعیف ہے) (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۸) حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں حضرت ولید بن عقبہ کا نام نہیں ہے۔

اس آیت کی روشنی میں محمد شین کرام نے فتن حدیث میں جرح و تعدیل کافی ایجاد کیا تاکہ راویان حدیث کے حالات کی تحقیق ہو جن کے ذریعہ آپ ﷺ کی احادیث لوگوں تک پہنچیں۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اہمیت رکھنے والی خبر کی ضرور تحقیق ہونی چاہیے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو فرمایا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ لوگوں کی رائے کے موافق چلیں تو بہت بڑی خرابی آجائے گی (ترمذی ج ۲ ص ۱۸۲)۔ اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ تمہارے درمیان موجود ہیں جو تمہارے مصالح کے بارے میں خوب جانتے ہیں۔

آیات ۹-۱۰: اُنس بن مالک سے روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ عبد اللہ بن ابن بن سلوول کے گھر اسے اسلام کی دعوت دینے کے لئے اپنے خچر پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تو اُس کو آپ ﷺ کی آمدنا گوارگزی اور اپنی ناک پر کپڑا ڈال کر یہ کہنے لگا کہ آپ ﷺ کے خچر کی بو سے میرا دماغ پر بیشان ہو گیا ہے تو ایک صحابی عبد اللہ انصاریؓ نے اس کا جواب دیا کہ تمہارے جسم کی بو سے آپ ﷺ کے خچر کی بو بہتر ہے۔ تو اس پر جھگڑا ہو رہا ہے کا خدشہ ہوا تو آپ ﷺ نے دونوں جماعتوں کے درمیان صلح کرادی (بخاری ج اص ۹۷ و مسلم ج ۲ ص ۱۱۰)

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ میں جنگ وغیرہ کرنا مسلمانوں کا شیوه نہیں ہے مگر یہ ممکن ہے کہ آپ میں جھگڑا اور جنگ ہو جائے اگر ایسا ہو تو اس صورت حال میں صلح کا طریق کار احتیار کرنا لازمی اور ضروری ہے۔

اللہ نہ کرے اگر صلح کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں تو جو حق پر ہواں کا ساتھ دیں تاکہ سرکش جماعت صلح پر راضی ہو جائے اور فریقین کا عدل و انصاف کی بنیادوں پر آپ میں مlap کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”یقیناً مومن تو آپ میں بھائی بھائی ہیں“۔ ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان اپنے باہمی نزاع وغیرہ کے فیصلے خود کریں اور اپنے فیصلے کا فروں کی عدالتوں میں نہ لے کر جائیں اس لئے کہا فر حکومتیں اور عدالتیں عدل و انصاف سے عاری ہیں۔

آیات ۱۱-۱۲: خوش طبی کچھ اس طرح جائز ہے کہ کسی مسلمان مرد کو مرد سے یا مسلمان عورت کو عورت سے پچی بات خوش طبی کے طور پر نکالنا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت اُنسؓ نے ”دو کانوں والا“ فرمایا کرتے تھے۔ یا آپ ﷺ نے بڑھیا سے فرمایا: بڑھی عورتیں جنت میں نہیں

جا میں گی، جب وہ عورت گھبرائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: بوزہی عورتیں جوان ہو کر جنت میں جائیں گی (مشکلۃ باب المراح - ص ۳۱۶)

حاصل یہ ہے کہ بے جا ہی دل گلی جائز نہیں کیونکہ اس سے خاتمت جملتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہی مذاق کرنے والے کو کیا معلوم کہ یہ جس کی خاتمت کے درپے ہے اللہ کے نزدیک وہ اس ہنسی کرنے والے شخص سے بہتر ہو۔

اس طرح طعنے دینا، بُرے نام رکھنا، بُرے القابات کہنا جائز نہیں کیونکہ اسلام لانے کے بعد ایسی باتیں اچھی نہیں یعنی بُرائی تو بُرائی ہی رہتی ہے۔

مردوں اور عورتوں کا الگ الگ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام میں مخلوط سوسائیٹی کی اجازت نہیں ہے جہاں غیر حرم مردوں خواتین اکٹھے ہو کر آپ سے مذاق کریں۔

”لَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ“، طعن و تشیع کے علاوہ ہر وہ مفہوم مراد ہے جس سے آپ کے تعلقات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات تو قرآن واضح کر رہا ہے کہ دوسروں پر زبان طعن دراز کرنے والا دراصل اپنے آپ کو مطعون کرتا ہے۔

مذاق، بد گوئی اور غیبت سے زبان کو روکنا ایمان کی نشانی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کسی شخص کی ندمت پیشہ پیچھے کرنا غیبت ہے صحابہؓ نے عرض کیا اگرچہ شخص ایسا ہی ہو، (یعنی اس میں ندمت کی بات موجود ہو) تو کیا اس کا ذکر کرنا بھی غیبت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! یہی تو غیبت ہے ورنہ ایک شخص میں کوئی بات نہیں ہے تو اس کی ندمت کرنا بہتان ہے (مسلم ج ۲ ص ۳۲۲) آپ ﷺ نے فرمایا! جس شخص نے بیہودہ باتوں سے اپنی زبان کو روکا تو گویا اس نے اسلام کی خوبی پالی (ترمذی ص ۲۷: ج ۲)

”بعض گمان گناہ ہوتے ہیں“، یعنی مطلقاً گمان کرنے سے قرآن نہیں روک رہا بلکہ کثرت گمان سے روکا ہے کیونکہ کچھ گمان گناہ ہوتے ہیں۔ یہ کہ زبردست ایک شخص کی نسبت کوئی بد گمانی پیدا کر کے کوئی عیب اس کے ذمہ لگا دیا تو پھر یہی ”بہتان“ بن جاتا ہے۔ اس لئے شر سے بچنے کے لئے احتیاط سے کام لینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جائز عیب کے لئے گمان کی اجازت ہے۔ مثلاً قاضی، نجح وغیرہ کا شہادتوں کی بنیاد پر غالب گمان سے فصلہ دینا وغیرہ۔

رازویوں اور ایک دوسرے کے عیب تلاش کرنا ہر حال میں منوع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ

ایک مسلمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ دوسروں کے مخفی حالات کی ٹوٹے کھوچ میں لگا رہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: مسلمانوں ا تم ایک دوسرے کے پوشیدہ حالات کی کھوچ نہ لگایا کرو۔ (ابوداؤد)

اس حکم سے مستثنی صرف وہ مخصوص حالات ہیں جن میں تجسس کی فی الحقیقت ضرورت ہو۔

مثلاً کسی شخص یا گروہ کے رویے میں بگاڑ کی کچھ علامات نمایاں نظر آ رہی ہوں اور اس کے متعلق یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ وہ کسی جرم کا ارتکاب کرنے والا ہے تو حکومت اس کے حالات کی تحقیق کر سکتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کے ہاں کوئی شادی کا پیغام بھیجی، یا اس کے ساتھ کوئی کاروباری معاملہ کرنا چاہے تو وہ اپنے اطمینان کے لیے اس کے حالات کی تحقیق کر سکتا ہے (تفہیم القرآن ج ۵، اجرات)

غیبت کرنے کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا۔ جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کا نئے یا کھانے سے اس کو خبر نہیں ہوتی اس طرح جس کی غیبت کی جا رہی ہے وہ بھی بُرخیر ہوتا ہے لیکن جس طرح زندہ جسم میں سے گوشت کا نئے سے زخم بھی ہوتا اور تکلیف بھی محسوس ہوتی ہے اسی طرح بد گوئی (غیبت) کو سن کر آدمی کے دل میں زخم ہوتا ہے۔ انہیں مناسبوں سے غیبت کو مردہ گوشت کھانے سے مشاہدہ دی گئی۔

اس فقرے میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کو مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اس فعل کے انہیلی گھناؤت ہونے کا تصور دلایا ہے۔ مزدار کا گوشت کھانا بجائے خود فطرت کے قابل ہے، حتیٰ کہ وہ گوشت بھی کسی جانور کا نہیں بلکہ انسان کا ہو، اور انسان بھی کوئی اور نہیں خود اپنا بھائی ہو۔ پھر اس تشبیہ کو سوالیہ انداز میں پیش کر کے اور زیادہ مذکور ہونا دیا گیا ہے تاکہ ہر شخص اپنے پیغمبر سے پوچھ کر خود فیصلہ کرے کہ آیا وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے لیے تیاز ہے؟ اگر نہیں ہے اور اس کی فطرت اس چیز سے گھن کھاتی ہے تو آخر وہ کیسے یہ بات پسند کرتا ہے کہ اپنے ایک مومن بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ کرے جہاں وہ اپنی مدافعت نہیں کر سکتا اور جہاں اس کو یہ خبر نہیں ہے کہ اس کی بے عزتی کی جا رہی ہے؟ (تفہیم القرآن، ج ۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی

کی خمارت اور ذات کے درپے ہوا اس نے بہت بڑا گناہ کیا، (مسلم ص ۲۳۷ ج ۲)

آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز بدترین وہ شخص ہو گا جس کی بدربانی سے ذر کر

لوگ اس سے ملنا جانا چھوڑ دیتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

حاصل یہ کہ جن باتوں سے منع کیا گیا ہے وہ سب باتیں اور کام معاشرے میں حکارت اور ذلت کے پھیلنے کے اسباب ہیں جو بڑے و بال کا باعث ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو اس قسم کی باتوں سے بچنا چاہیے۔ حقوق العباد کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

آیت ۱۳: اسلام سے قبل قریش حج سے فراغت کے بعد اپنے آباؤ و اجداد کی مدح کرتے تھے اور فخر و غرور کیا کرتے تھے جس کے سب بعض قبائل دوسرے بعض قبیلوں کو حقیر جانتے تھے۔ اس لئے فرمایا: اے لوگو! اللہ نے تم سب کو ایک باپ اور ایک ماں سے پیدا کیا..... یاد رہے کہ اللہ کے نزدیک تم سے عزت والا وہ ہے جو تم میں میں سے سب سے زیادہ پر ہیز گار ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے مزاج میں پر ہیز گاری زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی عزت والا ہے (بخاری ح اص ۲۷۹)

یہی مفہوم آپ ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کا ہے، فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِلَّا إِنَّ رَبَّكُمْ وَأَحَدًا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ إِلَّا بِالْقُوَّى، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَنْفَكُمْ . أَلَمْ يَلْعَثْ؟ قَالُوا بَلَى

یا رسول اللہ، قال فَلَيَلْعَثَ الشَّاهِدُ الْغَائِبُ (تہذیب)

”لوگو! خبردار ہو، تم سب کا اللہ ایک ہے کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پر ہیز گار ہو۔ بتاؤ، میں نے تمہیں پیغام پہنچا دیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا، اچھا تو جو موجود ہے وہ ان لوگوں تک یہ پیغام پہنچا دے جو موجود نہیں ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے: كُلُّكُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ خُلُقُ مِنْ قُرَابٍ (بزار)

”تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔“

آیت ۱۲: یہ آیت بنی اسد کے بارے میں اتری (الدر المختار ج ۲ ص ۱۰۰)

امام بخاری نے قرآنی آیات و احادیث سے ثابت کیا ہے کہ درحقیقت ایمان اور اسلام ایک ہی چیز ہے لیکن مجازی طور پر کبھی ایسے شخص کو بھی مسلمان کہا جاتا ہے جو نماز روزہ کی ادا یگی تو کرتا ہو مگر دین کی باتوں کا پورا یقین اس کے دل میں نہ ہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا: چند ایمان والے لوگ نافرمانی سے ایسے گھبراتے ہیں جس طرح کوئی آگ میں ڈالے جانے سے گھبراتا ہے (عن انس من الائک، بخاری حج اص سے باب حلاوة الایمان) حاصل یہ ہے کہ بنی اسد کے لوگ نو مسلم تھے اس لئے کبار و قدیمی صحابہ کرام انصار و مہاجرین کی طرح اپنے آپ کو ایماندار سمجھنے لگے..... اسی لئے فرمایتم لوگ ابھی دائرہ اسلام میں داخل ہونے ہوا اور نماز وغیرہ میں شریک ہونے لگے ہوا بھی تمہاری ایمانداری کی جانچ کمکل نہیں ہوئی۔ اگر تم لوگ بھی صحابہ کرام کی طرح ثابت قدمی دکھاؤ گے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے یہی اعمال میں کچھ کمی نہیں کرے گا۔

اس سے بعض لوگوں نے یہ تبیجہ نکال لیا ہے کہ قرآن مجید کی زبان میں "مؤمن" اور "مسلم" دو مقابل اصطلاحیں ہیں، مؤمن وہ ہے جو سچے دل سے ایمان لا یا ہو اور مسلم وہ ہے جس نے ایمان کے بغیر شخص ظاہر میں اسلام قبول کر لیا ہو۔ لیکن درحقیقت یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس جگہ ایمان کا الفاظ قلبی تصدیق کے لیے اور اسلام کا الفاظ شخص ظاہری اطاعت کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مگر یہ سمجھ لیتا صحیح نہیں ہے کہ یہ قرآن مجید کی دو مقابل اصطلاحیں ہیں۔ قرآن کی جن آیات میں اسلام اور مسلم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کا تائیع کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کی اصطلاح میں "اسلام" اس دین حق کا نام ہے جو اللہ نے نوع انسانی کے لیے نازل کیا ہے، اس کے مفہوم میں ایمان اور اطاعت اور دنوں شامل ہیں اور "مسلم" وہ ہے جو سچے دل سے مانے اور عملًا اطاعت کرے۔ مثال کے طور پر حسب ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

إِنَّ الَّذِينَ عَنْدَ اللَّهِ إِلَّا إِسْلَامُ (آل عمران: ۱۹)

"یقیناً اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔"

وَمَنْ يَعْتَقِدْ غَيْرَ إِلَّا إِسْلَامُ دِيَنَا فَلَنْ يُفْتَأِلَّ مِنْهُ (آل عمران: ۸۵)

"اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے اس کا وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔"

وَرَضِيَتْ لَكُمُ الْإِسْلَامُ دِينًا (المائدہ: ۳)

”اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا ہے۔“

فَمَنْ يُرِدُ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَ يَشْرَحْ صَدْرَةَ لِلْإِسْلَامِ (الانعام: ۱۲۵)

”اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔“

ظاہر ہے کہ ان آیات میں ”اسلام“ سے مراد اطاعت بلا ایمان نہیں ہے۔ پھر دیکھئے جگہ

جگہ اس مضمون کی آیات آتی ہیں:

فُلِ إِنِّي أَمْرَىتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ (الانعام: ۱۳)

”اے نبی کو ہم مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والا میں ہوں۔“

فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدْ اهْتَدُوا (آل عمران: ۲۰)

”پھر اگر وہ اسلام لے آئیں تو انہوں نے ہدایت پائی۔“

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا (المائدہ: ۳۳)

”تمام انبیاء جو اسلام لائے تھے تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔“

کیا یہاں اور اس طرح کے بیسیوں دوسرے مقامات پر اسلام قبول کرنے یا اسلام لانے

کا مطلب ایمان کے بغیر اطاعت اختیار کر لیتا ہے؟ اسی طرح ”مسلم“ کا لفظ بار بار جس معنی میں

استعمال ہوا ہے اس کے لیے غمونے کے طور پر حسب ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقْبِلَهُ وَلَا تَمُؤْتَنَ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ

(آل عمران: ۱۰۲)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈر دیجیا اس سے ڈر نے کا حق ہے اور تم کو

موت نہ آئے مگر اس حال میں کشم کشم ہو۔“

هُوَ سَمْكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلٍ وَ فِي هَذَا (الحج: ۷۸)

”اس نے تمہارا نام پہلے بھی مسلم رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی۔“

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصَارَائِيًّا وَلِكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا (آل

عمران: ۶۷)

”ابراهیم نہ یہودی تھا نہ نصاری، بلکہ وہ یک مسلم تھا۔“

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتَنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً (البقرة: ١٢٨)
 ”اے ہمارے رب، ہم دونوں کو اپنا مسلم بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی امت پیدا کر جو تیری مسلم ہو۔“

یعنی انَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الَّذِينَ قَلَّا تَمُوتُنَ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (البقرة: ١٣٢)
 ”حضرت یعقوب کی وصیت اپنی اولاد کو اے میرے بچو، اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے پس تم کوموت نہ آئے مگر اس حال میں کتم مسلم ہو۔“

ان آیات کو پڑھ کر آخرون یہ خیال کر سکتا ہے کہ ان میں مسلم سے مراد وہ شخص ہے جو دل سے نہ مانے، بل ظاہری طور پر اسلام قبول کر لے؟ اس لیے یہ دعویٰ کرنا قطعی غلط ہے کہ قرآن کی اصطلاح میں اسلام سے مراد اطاعت بلا ایمان ہے، اور مسلم قرآن کی زبان میں محض ظاہر اسلام قبول کر لینے والے کو کہتے ہیں۔ اس طرح یہ دعویٰ کرنا بھی غلط ہے کہ ایمان اور مومن کے الفاظ قرآن مجید میں لازماً پچ دل سے ماننے ہی کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحجرات)

آیت ۱۵: اہل ایمان کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں کہ یہ لوگ اللہ اور رسول ﷺ کی سچی فرمان برداری پر قائم رہتے ہیں اور ہر طرح جان و مال سے اسلام کی ترقی میں لگے رہتے ہیں اور کسی بھی حال میں اپنے ایمان کو متزلزل نہیں ہونے دیتے۔ حضرت سفیان بن عبد اللہ نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ آپ ﷺ مجھے اسلام کے بارے میں ایک ایسی بات بتلا دیجئے کہ پھر مجھے کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: جن باتوں کے کرنے کا شریعت میں حکم ہے ان کو بجالا اور جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان سے اجتناب کرو، خالص دل سے اللہ کی فرمان برداری قبول کرو اور پھر مررتے دم تک اس پر قائم رہو۔ (مسلم، ج ۲۸ ص ۳۸)

آیت ۱۶: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کی ظاہری حالت پر نہیں ہے بلکہ اس کی نظر تو ہمیشہ انسان کے دل پر رہتی ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ کس نیت سے کرتا ہے (مسلم ج ۲ ص ۳۱)۔

آیات ۱۷-۱۸: قبیلہ اسد کے لوگ قحط کے زمانے میں مدینہ منورہ آگئے کہ غنیمت کے مال میں سے یا صدقہ و خیرات کی چیزوں میں مدد و ملتی رہے گی اور ساتھ ہی ساتھ اپنے اسلام

لانے کا احسان بھی جتنا نے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان لوگوں سے کہہ دو کہ سچے دل سے اسلام پر قائم رہیں۔ علم غیب کے موافق اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ قیامت کے دن جب اعمال نامے پیش ہوں گے تو اللہ تعالیٰ بہت سے نیک لوگوں کے نیک اعمال کا لئے کا حکم دیں گے تو فرشتے عرض کریں گے یہ تو نیک لوگ ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ انسان کے دل کا حال تمہیں معلوم نہیں، میں دل کے احوال خوب جانتا ہوں۔ لہذا یہ نیک اعمال خالص نیت سے نہیں کیے گئے تھے۔ (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۲۵۰)

حصہ دوم

الحدیث

حدیث کی اہمیت و ضرورت

شریعت اسلامی کا ایک مأخذ (Source) قرآن جب کہ دوسرا ہدیث نبوی ہے۔ ایک اگر وہ جلی ہے تو دوسرا وہی خفی ہے۔ حدیث نبوی کے بغیر دین پُرعال کرنا ممکن نہیں اور نہ اسے صحیح طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ حدیث نبوی ہے: **آل انسی اوتیسٹ الکتاب و مثلاً متعہ** (ابو داؤد: ۲۶۰۳) ”اچھی طرح جان لو کہ مجھے قرآن کے ساتھ اس جیسی ایک اور چیز (حدیث) بھی دی گئی ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن ہی شریعت کا مأخذ نہیں بلکہ قرآن و حدیث دونوں سے شریعت ثابت ہوتی ہے۔ لہذا ایک کائنات درحقیقت دونوں کا انکار ہے۔ اگر ایک شخص یہ کہتا ہے کہ وہ قرآن کو تواتر ہے مگر حدیث کو نہیں مانتا تو وہ دراصل قرآن کا بھی انکار کرتا ہے۔ کیونکہ حدیث کی اہمیت خود قرآن سے ثابت ہے، بلکہ قرآن کا ثبوت بھی فرمان پیغمبر اور حدیث رسول سے ہی ملتا ہے۔

شریعت کے بہت سے احکام وہ بھی ہیں جو قرآن میں موجود نہیں ہیں مگر اس کے باوجود انہیں جمہور اہل اسلام نے قبول کیا ہے۔ مثلاً کسی عورت اور اس کی خالی یا بچوں بھی کو ایک نکاح میں جمع نہیں کیا جاسکتا حالانکہ قرآن میں صرف دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ اسی طرح شرابی کی حد، شادی شدہ زانی کی کو سنگار کرنا اور یتیم پوتے کا دادا کی وراثت سے محروم ہونا وغیرہ ہے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”سنۃ مطہرہ کی شریعت کے احکام میں ایک مستقل حیثیت ہے اس کا مخالف صرف وہی ہے جس کا دین اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔“

قرآن نہیں کے لئے حدیث کی ضرورت ہے
قرآن مجید کے چار مقامات پر نبی اکرم ﷺ کے منصب رسالت کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ دو مقامات سورۃ البقرۃ، ایک آل عمران جب کہ چوتھا مقام سورۃ الجمعہ میں ہے۔ ایک آیت درج ذیل ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتَلَوَّ عَلَيْهِمْ

اَيُّهُ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيَعْلَمُهُمْ الْكِتَبَ وَالْحِكْمَةَ (۱۶۳/۳) عمران

”اللہ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا جب ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تذکیرہ کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔“

ان آیات اور دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی وضاحت کی ذمہ داری نبی اکرم ﷺ پر عائد کی گئی ہے۔ ایک اور مقام پر ہے: وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْدُّكْرُ لِتُبَيَّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ (۱۲۲/۱۱۶) انحل

”اور یہ ذکر (قرآن) ہم نے تجھ پر نازل کیا تاکہ تم اس کی وضاحت کر دو جو لوگوں کی طرف نازل کیا گیا۔“

حدیث ایسے احکام کی تفصیل بیان کرتی ہے جن کو قرآن میں محمل بیان کیا گیا ہے۔ نماز، روزہ، رح، زکوٰۃ وغیرہ کی تفصیلات احادیث میں ہی ملتی ہیں۔ قرآن میں یہ حکم موجود ہے کہ چور مرد و عورت کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيهِمَا (المائدہ: ۸۳) مگر ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے؟ کتنے مال پر کاٹا جائے وغیرہ کی تفصیل قرآن میں نہیں ہے۔ جب کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چوچھائی دینار سے کم قیمت کے مال مسرودہ پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا نیز ہاتھ کندھوں یا کہنیوں سے نہیں بلکہ کلائی (Wrist) سے کاٹا جاتا ہے۔

الَّذِينَ أَفْتَوُا وَلَمْ يَلْبِسُوا أَيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُفْتَدِونَ (۸۲/الانعام) میں آنے والے لفظ ”ظلٰم“ سے کیا مراد ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھنہیں کے تھے مگر نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ یہاں اس سے مراد شرک ہے۔

حری کھانے کے وقت کے بارے میں سورہ البقرہ میں الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ (سفید دھاگا) اور الْخَيْطُ الْأَسْوَدُ (سیاہ دھاگا) کے الفاظ نازل ہوئے۔ ایک صحابی نے ان کا حقیقی معنی ہی مراد لیا، نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ سیاہ دھاگے سے مرادرات کی تاریکی جب کہ سفید دھاگے سے مشرق کی جانب نکلنے والی سفید لکیر مراد ہے جس کے نکلنے پر حری کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

دیگر، بہت سی آیات کو سمجھنے کے لئے صحابہ کرام کو نبی اکرم ﷺ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ضروری ہے

قرآن حکیم کی بہت سے آیات میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ

ایک آیت میں رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَابَ اللَّهَ (النساء: ۸۰)۔ ایک اور مقام پر ہے: وَمَا أَنْكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَيْتُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: ۵۹) ”رسول جو تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے رو کے اس سے رُک جاؤ۔“

اللہ اور اس کے رسول کی تافرمانی کرنے والے کی گمراہی میں کوئی شک نہیں (دیکھئے)

(الازاب: ۳۶)

رسول اللہ ﷺ کی ہستی میں مکمل اسوہ حسنة موجود ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۲۳)

(الازاب: ۲۱) ”تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔“

قرآن میں ایک مقام پر جبی اکرم ﷺ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے (آل عمرن: ۳۱)۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام مختلف اعمال کرتے وقت اس بات کو بخوبی خاطر رکھتے کہ نبی اکرم ﷺ کی سنت کی پیروی کریں۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبراوسود کو بوسہ دیتے وقت فرمایا: ”تو ایک پتھر ہے، تو نفع دے سکتا ہے نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ کو نہ دیکھا ہوتا کہ تجھے بوسہ دے رہے ہیں تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔“

حدیث کی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ کی حدیث و سنت کی حفاظت کی۔ عملی اور تحریری ہر و طرح انہوں نے حدیث کو محفوظ کیا۔ اب امت کے پاس صحاح ست، مکون طالاماً مالک، مسند احمد، مسند درک حاکم، صحیح ابن حبان، استسن الکبری از یمنی، سنن دارقطنی، سنن داربی وغیرہ اکتب کی شکل میں احادیث کے بڑے بڑے مجموعے موجود ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اربعین

امام سعیج بن شرف نووی (م ۶۷۶ھ) شام کے ایک قصبے نوی میں ۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے مدرسہ دارالحدیث دمشق میں اپنی علمی پیاس بجھائی، بعد ازاں وہیں مدرس مقرر ہوئے۔ قرآن بھی صفرتی میں حفظ کر لیا تھا۔ عمر ابھی ۲۵ سال بھی نہ ہوئی کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ آپ نے بہت سی کتب بھی تالیف کیں۔ ان میں شرح صحیح مسلم، ریاض الصالحین، الاذکار، تہذیب الاسماء واللغات، الجمیع شرح المہذب، التقریب طبقات شافعیہ اور الاربعین زیادہ مشہور ہوئیں۔

مختلف قسم کی الاربعین نامی بہت سی کتب تالیف کی گئی ہیں۔ جن کی بنیاد بعض ضعیف روایات ہیں۔ الاربعینات میں سے امام نووی کی الاربعین کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس میں تقریباً دین کے ہر شعبے سے متعلق احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر اس کی بہت سی شروحات لکھی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں ابن رجب حلی کی شرح بہت مفصل ہے۔
نوٹ: الاربعین چالیس کو کہتے ہیں اربعین نووی میں بیالیس احادیث ہیں تاہم اس کا نام الاربعین ہی رکھا گیا۔ الاربعین کتب حدیث کی ایک قسم ہے۔

حدیث: ۱

حسن نیت

عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ أَبِي حَفْصِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ أَمْرٍ مَا نَوَى. فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ أَمْرًا يُنِكِّحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.

(بخاری، بدأ الوجی، ح: ۱، ۵۲، ۳۸۹۸، ۲۵۲۹، ۵۰۷۰، ۲۶۸۹، ۲۹۵۳، مسلم، الامارة،

قوله ﷺ: انما الاعمال بالنيات، ح: ۲۷)

ترجمہ: امیر المؤمنین ابو حفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں،
میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اعمال کا دارود مارنے کو پر ہے، اور ہر شخص
کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی، تو جس کی بھرت اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہوئی تو
اس کی بھرت اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہے، اور جس کی بھرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت
سے نکاح کرنے کی خاطر ہوئی تو اس کی بھرت اسی کی خاطر ہے جس کے لئے اس نے بھرت کی۔
اس حدیث کا صحیح ہونا متفقہ ہے، اسے امام الحمد شیع ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم
بن مغیرہ بن برذوبہ بختی بخاری اور امام الحمد شیع ابو الحسن مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری نیشاپوری نے
اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے جو حدیث کی تمام تصنیف شدہ کتب میں سب سے زیادہ صحیح ہیں۔

راوی الحدیث

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی دعا کی قبولیت کے نتیجے میں
نبوت میں مسلمان ہوئے۔ قریش کے قبلیہ بونعدی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی زبان پر حق جاری
ہوتا تھا۔ کئی مرتبہ قرآن ان کی سوچ اور فکر کے مطابق نازل ہوا۔ آپ دوسرے خلیفہ راشد ہیں۔
آپ کے دور خلافت میں بہت سی فتوحات ہوئیں۔ کیم محروم بروز ہفتہ ۲۳ میہ کو جام شہادت نوش کر
گئے۔ ان کی نماز جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

آپ روضہ مبارک میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ آپ کی

مدت خلافت تقریباً ساڑھے دس سال ہے۔

شرح الحدیث

اس اہم حدیث کو بعض ائمہ دین نے ایک تہائی علم قرار دیا ہے۔

قولیتِ اعمال کی شرائط میں سے ایک اخلاقی نیت بھی ہے، یہ اعمال بھی اگر صن نیت سے نہ کئے جائیں تو وہ رایگاں جائیں گے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں شہید، قرآن پڑھنے والے اور سخن کے عمل کی عدم قبولیت کا تذکرہ کیا گیا ہے (مسلم الامارۃ: ح: ۱۹۰۵) کیونکہ ان میں ریا کاری پائی جاتی ہے اور نیت کی خرابی اعمال کی قبولیت میں رکاوٹ ہے۔ بھرت بہت عظیم عمل ہے مگر دنیوی منفعت کی خاطر کی جانے والی بھرت کا ثواب نہیں ملتا۔

البته اگر نیت صحیح ہو تو با اوقات آدمی کو ایسے اعمال کا اجر بھی مل جاتا ہے جو اس نے سر انجام نہیں دیتے ہوتے (دیکھئے بخاری، الجہاد، ح: ۲۸۳۹، الرقاق، ح: ۲۸۹۱، مسلم الامارۃ، ح: ۱۹۱، الایمان، ح: ۳۱، نسائی قیام ح: ۸۸ کا) نیت ارادے کا نام ہے اس کا زبان سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نیت کے کوئی بھی الفاظ متفق نہیں ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: یہ غلط فہمی نہیں ہوئی چاہیے کہ جب اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے تو اگر برے کام یہ کی نیت سے کئے جائیں تو بھی اجر مل جاتا ہے کیونکہ عمل اگر غلط ہو تو اس میں حسن نیت کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی نیت کے ساتھ ساتھ ان کا عمل بھی دیکھتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: اللہ تمہارے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے (مسلم، البر، ح: ۲۵۶۳)۔ بعض لوگ داڑھی رکھنے، پردہ کرنے اور لباس وغیرہ کے بہت سے اسلامی آداب کی حسن نیت کے بہانے پابندی نہیں کرتے۔

فقہ الحدیث

- ۱) شریعت اسلامیہ میں عمل کی اساس نیت ہے۔
- ۲) جب نیت درست ہو اور عمل یہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرماتا ہے۔
- ۳) عمل اگر درست نہ ہو تو محض نیت کے صحیح ہونے سے عمل قبول نہیں ہوتا۔
- ۴) اگر مسلم کی نیت صحیح ہو تو دنیوی امور میں بھی اجر و ثواب دیا جاتا ہے۔
- ۵) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ماننے والوں یعنی مومنوں کے اعمال بارگاہِ الہی میں قبول

ہوں گے۔

- (۶) اگر کسی مسلم نے نیک کام کرنے کا ارادہ کیا مگر اسے نہ کر سکا تو نیت کے مطابق اسے اجر دیا جائے گا۔
- (۷) اگر اللہ تعالیٰ کے لئے نیت خالص ہے تو یہ دنیا و آخرت میں کامیابی اور نجات کا ذریعہ ہے۔
- (۸) دنیوی احکام ظاہر کے مطابق لا گو ہوتے ہیں۔
- (۹) بعض امور کا تذکرہ ”مِنْ بَابِ الْخَاصِ بَعْدِ الْعَامِ“ کے اصول کے تحت کیا جاتا ہے، جیسا کہ اس حدیث میں دنیا (جس میں عورتیں بھی شامل ہیں) کا تذکرہ کرنے کے بعد عورت کا تذکرہ کیا گیا ہے، کیونکہ صرف نازک کافر نہ شدید ہوتا ہے اس لئے اس سے ڈرانا مقصود ہے۔
- (۱۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس انداز سے حدیث لیتے اس کی صراحت بھی کرتے جیسا کہ لفظ سیفث (میں نے سنा) سے ظاہر ہوتا ہے۔

اسلام و ایمان، احسان اور قیامت کے بارے میں سوالات

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ يَوْمٌ، إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيْاضِ الْثِيَابِ شَدِيدُ سَوادِ الشَّفَرِ، لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثْرُ السَّفَرِ وَلَا يُعْرَفُهُ مِنَ الْأَحَدِ، حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَسْنَدَ رُكْبَتِيهِ إِلَى رُكْبَتِيهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخْدَيْهِ وَقَالَ: يَا مُحَمَّدًا! أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَتَقْيِيمُ الصَّلَاةِ، وَتَؤْتُونَ الزَّكُوَةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ، وَتَحْجُجُ الْبَيْتَ إِنْ أَسْتَطَعْتُ إِلَيْهِ سَبِيلًا، قَالَ: صَدَقْتُ، قَالَ: فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيَصْدِقُهُ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ، قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُبُرِّهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرُهُ وَشَرُّهُ، قَالَ: صَدَقْتُ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ، قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَائِنَكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ، قَالَ: مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَغْلَمِ مِنَ السَّائِلِ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا، قَالَ: أَنْ تَلِدَ الْأُمَّةَ رَبَّهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَّةَ الْمُرَأَةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَعْتَلَوْنَ فِي الْبُيُّنَانِ، قَالَ: فَمُمِّ انْطَلَقَ، فَلَبِثَ مِلِيًّا، ثُمَّ قَالَ لِي: يَا عُمَرُ! أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلِ؟ قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَغْلَمُ، قَالَ: فَإِنَّهُ جِنْرِيلُ أَتَاكُمْ يَعْلَمُكُمْ دِينَكُمْ.

(مسلم، الایمان، بیان الایمان والاسلام والاحسان، وجوب الایمان باثبات قدر الله سبحان وتعالی، ح: ۸)

ترجمہ: عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ایک دن، ہم رسول اللہ علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچا بک ایک شخص نمودار ہوا جس کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے، اس پر سفر کے آثار دکھائی دیتے تھے نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا، حتیٰ کہ وہ نبی علیہ السلام کے

پاس بینچ گیا اور اس نے اپنے گھٹنے آپ کی طرف لگادیئے اور اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لئے اور کہا: محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبد نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اگر تجھے استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔ اس نے کہا: آپ نے حج فرمایا۔ حضرت عمر فرمانتے ہیں: ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ وہ آپ سے سوال کرتا ہے اور خود ہی آپ کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

پھر اس نے کہا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے۔ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھے۔ اس نے حج فرمایا۔

پھر اس نے کہا: مجھے احسان کے بارے میں بتائیے۔ آپ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی یوں عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے کہا: مجھے قیامت کے بارے میں بتائیے۔ آپ نے فرمایا: جس سے اس کے بارے میں پوچھا گیا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

اس نے کہا: مجھے اس کی نشانیاں ہی بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا: یہ کہ لوڈی اپنی ماں کہ کو جنم دے اور تم دیکھو کہ فلکے پاؤں، نگنے جسم، نہک دست بکر یوں کے چڑا ہے۔ عمارتوں کی تعمیر میں حد سے تجاوز کرنے لگے ہیں۔

پھر وہ (سائل) چلا گیا۔ تو میں کافی دریخہ رہا۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: عمر اجانتے ہو یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ جبریل تھے، جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

شرح الحدیث

یہ حدیث حدیث جبریل کے نام سے معروف ہے۔ اس حدیث کے اساسیات اسلام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے علماء نے اسے ام النبیا امام الحدیث کا نام بھی دیا ہے، اسی انداز سے سورہ الفاتحہ کو اکتاپ کہا گیا ہے۔ اس حدیث میں ارکانِ اسلام، عقائدِ اسلام، آداب و اخلاق اور دنیا کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس میں جسمانی عمل، دلوں میں خلوص

اور آفاتِ اعمال سے بچاؤ حتیٰ کہ شریعت کے سارے علوم اسی سے شاخ در شاخ لکھے ہیں، واجبات، سنن، مستحبات، منوعات اور مکروہات میں سے کوئی چیز باہر نہیں رہی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عموماً آپ سے سوال نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ ان کی تربیت اسی اس فتح پر کی گئی تھی۔ لیکن چونکہ دین کے عقائد و اركان اور آداب و غیرہ کا سیکھنا بھی ضروری تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے جبریل کو (جیران کن اور ابھی انسان کی شکل میں) بھیجا (جبریل علیہ السلام بعض اوقات دیجہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں بھی آتے تھے) تاکہ وہ صحابہ کو دین سکھائیں۔ وہ ادب و احترام سے بیٹھے گئے اور انہوں نے مندرجہ ذیل پانچ سوالات کئے:

- (۱) اسلام کیا ہے؟
- (۲) ایمان کیا ہے؟
- (۳) احسان کیا ہے؟
- (۴) قیامت کب آئے گی؟
- (۵) قیامت کی نشانیاں کون کون سی ہیں؟

۱) اسلام کیا ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے پانچ اركان اسلام بیان کئے (ان کی تشریع حدیث نمبر ۳ کے تحت ملاحظہ کریں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دین کو انتہائی آسان اور عام فہم انداز میں پیش کیا۔

۲) ایمان کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں نبی اکرم ﷺ نے مندرجہ ذیل چھ اركان ایمان بیان فرمائے:

(i) اللہ پر ایمان: اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی توحید و بُرہیت، الوہیت اور بے شمار اسماء و صفات کو تسلیم کرنا ایمان باللہ ہے۔ اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک کرنا اس ایمان کے منافی ہے۔

(ii) ملائکہ پر ایمان: فرشتے جو کہ نور سے پیدا کئے گئے ہیں اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتے، وہ اللہ کے تمام احکام کی بجا آوری کرتے ہیں (ہاروت و ماروت کا برائی میں ملوث ہوا ثابت نہیں) یہ پروں (Wings) والی مخلوق ہیں۔ ان میں جبریل، میکائیل اور اسرافیل زیادہ

مشہور ہیں۔ ملک الموت کا نام عزرا نسل کسی صحیح حدیث میں موجود نہیں تاہم بعض صحابہ سے یہ نام منقول ہے۔ ایک فرشتے کا نام مالک (دار و نعم جہنم) بھی ہے۔ فرشتوں کی تعداد تمام مخلوقات سے بڑھ کر ہے۔

iii) کتابوں پر ایمان: جملہ الہامی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کہلی کتب اب اصلی حالت میں موجود نہیں۔ ان کتب کو ماننے کا دعویٰ کرنے والے بھی ان کی تحریف کو تشکیم کرتے ہیں۔ نیز قرآن مجید کے نزول کے ساتھ وہ کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں، اب قیامت تک عمل کلام الٰہی قرآن مجید پر ہو گا۔ یہ کتاب بتا قیامت محفوظ رہے گی۔ مشہور الہامی کتب میں تورات، زیور، انجیل اور قرآن مجید شامل ہیں۔ ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں کا تذکرہ بھی قرآن میں موجود ہے۔

iv) رسولوں پر ایمان: انسانوں کی رہنمائی کے لئے انسانوں میں سے ہی جوانبیاء و رسول علیہم السلام مبجوث کئے گئے تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام من و عن مخلوق تک پہنچادیا۔ ان میں سے چھپیں چھپیں کے نام قرآن میں بھی بیان کئے گئے ہیں۔ سب انبیاء و رسول پر ایمان لانا ضروری ہے تاہم پہلی شرائع چونکہ منسوخ ہو چکی ہیں لہذا سید الانبیاء ﷺ کو آخری نبی مان کر انہی کی اطاعت کی جائے اور انہی کا اسوہ حسنہ اپنایا جائے۔

v) آخرت پر ایمان: یہ دنیا عارضی ہے، مرنے کے بعد تمام انسانوں نے دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ جس نے پہلی بار پیدا کیا ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ بلکہ (اگر غور کیا جائے تو) دوسری بار پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے سے بھی آسان ہے۔

روز قیامت لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق بدل دیا جائے گا۔

vi) تقدیر پر ایمان: عزت و ذلت، خوشی و غمی اور نفع و نقصان وغیرہ کا نفاذ اللہ کے کوئی حکم اور علم سے ہوتا ہے۔

تقدیر کے خیرہ و شرہ کے بارے میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظ اللہ لکھتے ہیں:

اس کے اچھے بارے ہونے کا مطلب ہے کہ مثلاً فراغت، خوشحالی، پیداوار کی کثرت اور فراوانی یہ خیر ہے اور قحط سالی، آلام و مصائب وغیرہ یہ شر ہے اور شر ہمارے اعتبار سے ہے۔ ورنہ اللہ کے توبہ کام میں ہی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے۔ جسے صرف وہی جانتا ہے (شرح ریاض

الصالحین ح: ۲۰)

جس ہستی نے قدر مقرر کی ہے اسی نے شریعت کی پابندی کرنے کا حکم دیا ہے لہذا تقدیر کو ترک عمل کا بہانہ نہیں بنایا جاسکتا۔

گناہ میں تقدیر کا بہانہ کرنا جائز نہیں البتہ مصائب وغیرہ میں تقدیر کا سہارا لیتا جائز ہے۔

۳۔ احسان کیا ہے؟

احسان کا بنیادی معنی ہے کسی چیز کو خوبصورت بنانا۔ اعمال کو عمدہ طریقے سے دلیلیت سے ادا کرنا احسان کہلاتا ہے۔ اس حدیث میں احسان سے مراد عبادت اللہی میں حسن پیدا کرنا ہے۔

انسان کو چاہیے کہ جب وہ عبادت اللہی کر رہا ہو تو یہ تصور کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا اس کی زیارت کر رہا ہے۔ جس شخص کی نیہ حالت ہو گئی وہ مکمل اہتمام اور عمدگی سے عبادت کرے گا یا کم از کم اسے یہ خیال ضرور رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہر عمل کو ویکھ رہا ہے۔ جس سے اس کے دل میں خشوع و خضوع اور تنظیم اللہ پیدا ہو گئی۔

عبادت کے وسیع مفہوم میں تمام احکام الہیہ آجاتے ہیں۔ لہذا اچھا اصطلاحی عبادات کے ساتھ ساتھ تمام احکام میں وہ کیفیت طاری کی جائے جس کا ذکر اس حدیث مبارکہ میں ہوا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں ہے: إِنَّ اللَّهَ يَكْتُبُ إِلَّا حُسْنَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ (مسلم)

(۱۹۵۵) ”یقیناً اللہ نے ہر چیز پر احسان کو لازم قرار دیا ہے۔“

نبی اکرم ﷺ صنِ عبادت کی اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتے تھے: رَبِّ أَعْنَىٰ عَلَىٰ
ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَخُسْنِ عِبَادَتِكَ (ابوداؤ: ۱۵۲۲، نسائی: ۱۳۰۳)

”میرے رب اپنا ذکر و شکر کرنے اور اپنی حسن عبادت میں میری مد فرماء۔“

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی رات کی رکعت کے بارے میں فرماتی ہیں: لَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَ طُوْلِهِنَّ (بخاری: ۷۴۷) ”آن کے حسن و طول کے بارے میں تو پوچھو ہی نہ۔“ ایک اور حدیث میں ہے: عَلَمْنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَعْلِيمِي وَ أَدَّنِي رَبِّي فَأَخْسَنَ تَآدِينِي۔“ ”میرے رب نے مجھے عمدہ تعلیم دی اور بہترین ادب سکھایا۔“

آیت کریمہ لَيَئِلُوكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً (الملک: ۲/ ۶۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے احسن عمل کا مطالبہ کرتا ہے۔

احسان کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ایمان کے ساتھ ہوا ہے (المائدۃ: ۹۳، الکھف: ۳۰)۔
بھی اس کا تذکرہ اسلام کے ساتھ ہوا ہے (البقرۃ: ۱۱۲، تلمیذ: ۲۲) اور بھی اس کا تذکرہ تقویٰ کے
ساتھ ہوا ہے (یونس: ۲۶)۔
احسان کا لفظ اخلاق کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے (یکھیے البقرۃ: ۱۱۲، المائدۃ: ۹۳،
الکھف: ۳۰، تلمیذ: ۲۲)۔

۳۔ قیامت کب آئے گی

جبریل علیہ السلام نے چوخا سوال قیامت کے بارے میں کیا۔ نبی اکرم ﷺ کے جواب
سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال کا مطلب یہ تھا کہ قیامت کب آئے گی؟ جس کے جواب میں نبی
اکرم ﷺ نے فرمایا: جس سے یہ سوال پوچھا جا رہا ہے وہ اس کے بارے میں پوچھنے والے سے
زیادہ علم ثیں رکھتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلی علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ قیامت کب آئے گی،
کس سال کے کس مینی میں آئے گی؟ مینی کے سب جمعہ کو آئے گی؟ اس کا علم کسی نبی کے پاس بھی
نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے قیامت کے قائم ہونے کے بارے میں یہ اعلان کروایا: ۴۸
إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْنِي اللَّهِ (۷/الاعراف: ۱۸۷) ”کہو کہ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔“
(نیز یکھیے تلمیذ: ۳۲۳، حم السجدۃ: ۲۲، التریعت: ۳۲۳-۳۲۴، بخاری: ۵۰، مسلم: ۹)

۴۔ قیامت کی نشانیاں

نبی اکرم ﷺ سے جب قیامت کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ عموماً علامات
قیامت بیان فرمادیتے۔ سائل کی توجہ زیادہ اہم سوال کی طرف مبذول کردیتے، جیسا کہ ایک
حدیث میں ہے کہ جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا (بخاری: ۵۹)
ایک آدمی نے قیامت کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: تو نے
اس کے لئے تیاری کیا کی ہے؟ (بخاری: ۳۶۸۸، مسلم: ۲۶۳۹)

ابتداءً اس حدیث میں قیامت کی علامات کے بارے میں آپ ﷺ سے علیحدہ سوال کیا
گیا تو آپ نے اس کا جواب دیا۔

نشانیوں کے لئے امارات یا اشراط کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ دجال کا نکلناء، دابة الارض کا

خروج، یا جو جو و ماجو ج کا کھلنا، امام مہدی کا ظہور اور عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول وغیرہ قیامت کے قریبی دور کی علامات ہیں۔ قیامت سے پہلے کی دو علامات کا تذکرہ اس حدیث مبارکہ میں کیا گیا ہے۔

۱) **أَنْ تَلِدَ الْأُمَّةُ رَبَّتَهَا** کا مطلب ہے کہ فتوحات کثرت سے ہوں گی۔ بہت سے کفار لوٹی و غلام بنائے جائیں گے۔ بعض لوٹیوں سے ان کے آقاوں کی اولاد بھی جنم لے گی، یہی اولاد اپنے باپ کی جگہ پر مستقبل میں بر سراقتدار آجائے گی۔ یعنی کنیززادے حکمران بن جائیں گے۔ (ہندوستان میں خاندان غلام کی حکومت اس کی ایک مثال ہو سکتی ہے)۔ **أَنْ تَلِدَ الْأُمَّةُ رَبَّتَهَا** کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اولاد اپنے والدین کی نافرمان ہو جائے گی حتیٰ اولاد ان سے لوٹی غلاموں جیسا سلوک کرے گی۔ پھر موقف قابل ترجیح ہے۔

۲) **وَأَنْ تَرَى الْحُفَّةَ الْعَرَاءَ الْعَالَةَ رِغَاءَ الشَّاءِ يَتَطَوَّلُونَ فِي الْبَيْنَانِ** کا مطلب ہے کہ بکریاں چرانے والے مفلس و فلاش لوگ، جن کے پاس پہنچنے کے لئے بھی کچھ نہیں ہو گا، اونچی اونچی عمارتیں بنائیں گے اور ان پر فخر کریں گے۔ اس حدیث سے سب سے پہلے عرب مراد ہیں۔

قیامت کی یہ دونوں علامات واقع ہو چکی ہیں۔

اس حدیث مبارکہ میں زمانے کوبرا کہنے کے بجائے لوگوں کے حالات میں تغیر کو بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ شریعت اسلامیہ میں زمانے کوبرا کہنے سے منع گیا گیا ہے، کیونکہ گردش میں و نہار تو اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں ہیں۔

یہ جبریل تھے: اس حدیث کے آخر میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم جانتے ہو کہ یہ سائل کون تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہیں جانتے تھے کہ وہ سائل کون تھا۔ دو میں یہ کہ اللہ و رسولہ اعلم کہنے میں ادب بھی پایا جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ جبریل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھاتے تھے۔ یہاں اللہ کے دین کی نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کے طریق سے ہی سمجھا جاسکتا ہے۔

فقہ الحدیث

- ۱) علم سیکھنے کے لئے ادب و احترام اختیار کرنا چاہیے۔
- ۲) سوالات کے ذریعے سے بھی تعلیم دی جاسکتی ہے۔
- ۳) سوال کا جواب جاننے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ لوگوں کو جواب سے آگاہ کرنے کے لئے سوال اٹھائے۔
- ۴) تمام ارکانِ اسلام کا اقرار اور تمام ایمانیات پر ایمان لانا ضروری ہے۔
- ۵) علمی سوالات و جوابات کی نشست قائم کرنا محسوس ہے۔
- ۶) جبریل علیہ السلام (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) اپنی بیت تبدیل کر سکتے ہیں۔
- ۷) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین سکھانے کے لئے جبریل علیہ السلام نازل ہوتے تھے۔
- ۸) عبادات میں حسن و اخلاص کا ہونا ضروری ہے۔
- ۹) قیامت کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ کے سو اکوئی نہیں جانتا۔
- ۱۰) جس سوال کا جواب معلوم نہ ہواں کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کر دینا چاہیے۔
- ۱۱) نبی اکرم ﷺ نے قیامت کی نشانیاں بتادی ہیں۔
- ۱۲) دین سیکھنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مسیح اختیار کرنا ضروری ہے۔

حدیث: ۳

ارکان اسلام

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: بُنْيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةٍ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكُوْةِ، وَحُجَّ الْبَيْتِ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ.

(بخاری، الایمان، دعاء کم ایما کم، ح: ۸، مسلم، الایمان، بیان ارکان الاسلام و دعائے العظام ح: ۱۶) ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حجّ کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

راوی الحدیث

آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے باکمال صاحبزادے اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ انہیں رسول اللہ ﷺ نے بُنْيَ الْإِسْلَامُ نے بِعْنَمِ الرَّجُل (بہت اچھا آدمی) قرار دیا تھا۔ ۳ نبوی میں آپ کی ولادت ہوئی۔ مشہور صحابی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن نسبت مظعون آپ کی والدہ ہیں جن کی ایک صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو امام ابو منین بنے کا شرف حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سادہ زندگی برکی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ اتباع سنت کا بہت زیادہ اهتمام کرتے۔ حج تمعن کو صحیح قرار دینا، چھینک آنے پر الحمد للہ کہہ کر نبی پر سلام پڑھنے والے شخص پر تکمیر کرنا، جھر اسود کو نہ چومنے کے لئے رش کا بہانہ کرنے والے کی سرزنش کرنا وغیرہ اس کی بعض مثالیں ہیں۔

مرد اصحاب میں سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے زیادہ احادیث آپ سے ہی مروی ہیں۔ آپ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۱۲۳۰ ہے۔

غزوات میں شرکت کے سوا آپ نے زندگی کا پیشتر حصہ کہ اور مدینہ میں بسر کیا۔ نبی اکرم

مُحَمَّدؐ کی وفات کے بعد تقریباً سانچھ برس بقید حیات رہے۔ ۷۳ یا ۷۴ھ میں تقریباً ۸ سال کی عمر میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی اور وہیں پر دخاک ہوئے۔

شرح الحدیث

اس حدیث میں اسلام کو ایک عمارت سے تشبیہ دے کر اس کے پانچ بنیادی ستونوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ پانچ اساسی ستون درج ذیل ہیں:

(۱) شہادت: مسلمان بننے کے لئے عقائد اسلام کا دل سے تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح زبان سے ان کا اقرار بھی ضروری ہے۔ زبان سے اقرار کیے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ دل سے اللہ اور اس کے رسول کو سچا ہی کیوں نہ مانتا ہو، بہت سے کفار ایسے بھی ہوئے ہیں جو رسول کو سچا مانتے کے باوجود ملامت وغیرہ کے ذر سے کلمہ نہیں پڑھتے تھے۔ تاہم بعض اوقات لوگوں کے سامنے ایمان و اسلام کا اظہار نہ کرنے کی شریعت اجازت دیتی ہے۔

ارکانِ اسلام میں سے سرفہrst توحید و رسالت کا اقرار ہے۔ توحید یہ ہے اللہ تعالیٰ کو اس کی ربوبیت والوہیت اور صفات میں وحدہ لا شریک له تسلیم کیا جائے۔ وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے۔ اس کا کوئی بھی شریک و سہیم اور ہمسر نہیں۔

اس بات کی شہادت دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت محمدؐ کے رسول ہیں۔ آپ پر سلسلہ نبوت و رسالت ختم ہو گیا ہے۔ لہذا تاقیامت آپ ہی تمام انسانیت کے لئے واحد پیغمبر ہیں۔ آپ کی بعثت کے بعد تمام شرائع منسوب ہو گئی ہیں۔ اب دنیا کے تمام انسانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ آپ کی نبوت و رسالت کو تسلیم کریں۔ آپ کی اتباع کریں اور آپ کے اسوہ حسنے کے مطابق زندگی بھر کریں۔ ان کی کامرانی کا راز اسی میں مصروف ہے۔

(۲) نماز: مسلمان ہونے کے بعد انسان پر سب سے پہلی ذمہ داری جو عقائد ہوتی ہے وہ نماز کی پابندی ہے۔ سابقہ شرائع میں سے کوئی بھی شریعت ایسی نہیں جس میں نماز کا حکم نہ دیا گیا ہو (دیکھیے ابراہیم: ۲۰، مریم: ۳۱، ۵۵، ط: ۱۳۲)

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کو ایمان قرار دیا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا أَكَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ (۲/ البقرة: ۱۳۳) ”اللہ کو شایاں نہیں کہ تمہارے ایمان (نماز) کو ضائع کرے۔“

نماز دین کا ستون ہے (ترمذی: ۲۶۱۶، ابن ماجہ: ۳۹۷۳) نبی اکرم ﷺ نے اپنی آخری نصیحت میں نماز کی حفاظت کرنے کی تلقین بھی فرمائی (ابن ماجہ: ۲۶۹۸)

بچ سات سال کا ہو جائے تو والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے نماز کی تلقین کریں۔ اگر وہ دس سال کا ہو کر بھی نماز نہ پڑھنے تو اسے سزا دی جائے (ابوداؤد، اصلۃ، متی یوم المغلام بالصلوۃ: ح، ۳۹۵-۳۹۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو نمازوں پڑھتا اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں (مؤطا امام مالک، الوضوء والطهارة، اعمل فیم غلیظ الدم من جرح اور عاف) نمازوں پڑھنے والے جہنم رسید ہوں گے۔ (المدثر: ۳۲، ۳۳، مریم: ۵۹)

ارشادِ بنوی ہے: **بَيْنَ الْكُفُرِ وَالْإِيمَانِ تَرْكُ الصَّلَاةِ** (ترمذی: ۲۶۱۸) "کفر اور ایمان کے درمیان حد فاصل نماز ہے"۔

ایک حدیث میں ہے: **فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ** (ترمذی: ۲۶۲۱، ابن ماجہ: ۱۰۷۹) "جو نماز کو چھوڑ دے اس نے یقیناً کفر کیا"۔

نماز کی اس اہمیت کی بنا پر عرب علماء تارک نماز پر کفر کا فتوی لگاتے ہیں۔ شیخ محمد بن صالح العثمنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ تارک نماز کی مسلمان عورت سے شادی جائز نہیں۔ اس کا ذیجہ بھی حلال نہیں، وہ اپنے قرابت داروں میں سے کسی کا بھی وارث نہیں ہو گا اور نہ اس کے رشتے دار اس کے وارث ہوں گے، وہ مر جائے تو اس کی نماز جنائز نہیں پڑھی جائے گی، نہ اس کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کی جائے گی، وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا اور نہ وہ ہمارا دینی بھائی شمار ہو گا (حکم تارک الصلاۃ از علامہ شیخ محمد بن صالح العثمنی)

۳) زکوٰۃ: زکوٰۃ بھی اسلام کا ایک رکن ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کے لئے "صدقة" کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔

☆ زکوٰۃ کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے (الاعراف: ۱۷۵)

☆ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال بروہتا ہے اور اس میں برکت پیدا ہو جاتی ہے (الروم: ۳۹، ابراہیم: ۷)

☆ زکوٰۃ کی ادائیگی مسلم اخوت کی ایک لازمی شرط ہے (التوبۃ: ۱۱)

☆ جنت میں داخل ہونے والوں کی ایک مفت یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (المؤمنون: ۳)

اس کے بر عکس جواس کی فرضیت کا انکار کرے، وہ کافر اور واجب التعلل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے خلیفہ راشد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکر ہیں زکوٰۃ کے خلاف جہاد و قتال کا علم بلند کیا (بخاری: ۲۸۳، ۲۸۵، مسلم: ۲۰)

جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے روز قیامت سونے چاندی کو آگ میں تپا کر ان کی پیشائیوں، پہلواؤں اور پیشوؤں کو داغا جائے گا (التوبۃ: ۳۲-۳۵)

جو شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اس کا مال روز قیامت گنجائیں پن کراس کے گلے کا طوق بن جائے گا اور اس کے جبڑوں کو پکڑ کر کہے گا: میں ہوں تیرامال، میں ہوں تیراخزانہ (بخاری: ۱۶۰۳)

سونا / چاندی (یا نقدی) کی مقدار نصاب کو کم جائے یا اس سے زیادہ ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ سونے کا نصاب ۸۵ جب کہ چاندی کا ۵۹۵ گرام ہے (یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی) سونے چاندی کے زیورات پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ (ابوداؤد: ۱۵۶۳، نسائی: ۲۲۷۹)

سامان تجارت پر زکوٰۃ فرض ہے۔ ضعیٰ وزرعی آلات اور مشینی ہر زکوٰۃ نہیں البتہ ان کی آمدنی اگر نصاب کو کم جائے تو اس پر زکوٰۃ ہوگی۔

جن حیوانات کی زکوٰۃ دی جاتی ہے وہ یہ ہیں: اوٹ، گائے / بھینس اور بھیڑ بکریاں۔ اونٹوں کا نصاب پانچ، گائے / بھینس کا تیس جب کہ بھیڑ بکریوں کا چالیس ہے۔

یہ حیوانات کھیتی باری یا باربرداری کے لئے نہ ہوں تو تبا ان میں زکوٰۃ لا گو ہوگی۔

حیوانات کو اگر تجارت کی غرض سے خریدا گیا ہو تو ان کی زکوٰۃ سامان تجارت کی زکوٰۃ کی طرح نکالی جائے۔

زرعی پیداوار سے بھی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے (البقرۃ: ۲۶) اس پر سال گز رہا بھی ضروری نہیں جو نبی پیداوار آئے فوراً زکوٰۃ ادا کر دیں (الانعام: ۱۳۱)

بارش، چشمے یا نہری پانی سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار سے عشر (دو سال حصہ) ادا کیا جائے۔ جیسے آلات (ٹیوب ویل، کنویں، مشین وغیرہ) کے ذریعے یا محنت و مشقت کر کے

سیراب کیا گیا ہواں پر نصف عشر (بیسوں حصہ) ہے۔
پانچ و سو (تقریباً ۲۶۰۵ ملکو) سے کم پیدا اور پرز کوہ نہیں (بخاری: ۱۳۰۵، مسلم: ۹۷۹)
تازہ استعمال ہونے والے چھلوں اور سبزیوں کی اگر تجارت نہ کی جائی ہو تو ان پرز کوہ نہیں۔
زکوہ کے مصارف یہ ہیں: فقراء و مساکین کے لئے، زکوہ وصول کرنے والوں کے لئے،
جن کی تایف قلبی مقصود ہو، غلام آزاد کرنے میں، قرض دار کے لئے، اللہ کی راہ میں، مسافر کے لئے
(النوبۃ: ۲۰) جن کی کفالت کی ذمہ داری انسان پر ہو وہ ان پر اپنی زکوہ کی رقم خرچ نہیں کر سکتا۔
۲) حج: ہر عاقل، بالغ، آزاد اور صاحب استطاعت مرد و عورت مسلمان پر زندگی میں
ایک مرتبہ بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے۔

عورت پر حج فرض ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ غیر مقامی عورت کے سفر حج میں اس کا
خاوند یا کوئی محروم اس کا مسافر ہو سکتا ہو، بصورت دیگر اس پر حج فرض نہیں ہوتا۔ (جملی طور پر کسی مرد
کو اپنا محروم مقرر کرنا درست نہیں)
اگر کوئی شخص جسمانی محدودی کی وجہ سے کسی سے اپنے حج کروانا چاہتا ہو تو اس کے لئے ضروری
ہے کہ دوسرا شخص نے پہلے اپنی طرف سے حج ادا کر لیا ہو (ابوداؤد: ۱۸۱، ابن ماجہ: ۲۹۰۳)
حج کرنے والا گناہوں سے یوں پاک ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے آج ہی جنم لیا ہے
(بخاری: ۱۵۲۱، مسلم: ۱۳۵۰)

حج و عمرہ سے سابقہ سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (مسلم: ۱۲۱، الصحیح: ۱۱۸۵)
حج مبرور کا پہلہ جنت ہی ہے (بخاری: ۱۳۷۳، مسلم: ۱۳۷۹) حج مبرور وہ ہے جس میں
نا فرمائی نہ کی گئی ہو، جس کا حج مقبول ہو جائے وہ حج کے بعد زیادہ نیک اعمال کرنے لگ جائے
اور اپنے آپ کو گناہوں کی دلائل میں نہ پھنسائے۔
نیت کرنا، احرام باندھنا، تلبیہ پکارنا، بیت اللہ کا طواف کرنا (طواف، قدوم، طواف و داع
وغیرہ)، صفا و مروہ کی سعی کرنا، قربانی کرنا، بال منڈوانا یا کٹوانا، منی میں رمی مجرمات، وقوف عرفات
اور مشعر الحرام (مزدلفہ) میں قیام حج کے ارکان ہیں۔

مرتقبیہ بلند آواز سے پکاریں: تلبیہ یہ ہے: لَّيْكَ أَللَّهُمَّ لَّيْكَ، لَّيْكَ لَا شَرِيكَ
لَكَ لَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ (بخاری: ۱۵۳۹)

(مسلم: ۱۸۲)

حرام باندھنے کے بعد جسم کے بال کاٹنا، ناخن تراشنا، خوشبو استعمال کرنا، ازدواجی تعلقات، دستانے پہننا اور شکار کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ مرد کے لئے سلاہ ہوا کپڑا پہننا اور سرڈھانپنا حرام ہو جاتا ہے۔

عورتوں کے لئے حالتِ حرام میں نقاب پہننا منع ہے (بخاری: ۱۸۲۸)

تاتا ہم صحابیات رضی اللہ عنہم نقاب کے بغیر چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپتی تھیں (ابوداؤد:

ابن ماجہ: ۲۹۳۵، ارواء الغلیل/۲، ۲۱۲، ۱۸۳۳

۵) صوم رمضان: رمضان قمری سال کا نوں مہینہ ہے۔ اسی مہینے میں لیلۃ القدر ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اسی رات قرآن نازل کیا گیا، رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں جب کہ جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، نیز سرکش شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ رمضان میں عمرہ کا ثواب حج کے برابر ہو جاتا ہے۔ اور افطار کے وقت اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔

ہر عاقل، بالغ، صحت مند، مقیم مرد و عورت پر رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں۔

قرآن مجید میں روزوں کی فرضیت بیان کی گئی ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اس مہینے کے روزے رکھیں (ابقیرہ: ۱۸۳، ۱۸۵)

جو مومن اجر و ثواب کی خاطر رمضان کے روزے رکھے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں (بخاری: ۳۸، مسلم: ۷۰)

روزے کا اجر اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا (مسلم: ۱۱۵)

روزے کے برابر کوئی عمل نہیں (نسائی: ۲۲۲۰)

روزہ ڈھال ہے (بخاری: ۱۹۰۳، مسلم: ۱۱۵)

روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی (صحیح الجامع الصیفی: ۳۰۳۲، ۳۰۳۳، ابن ماجہ: ۱۷۵۳)

فقہ الحدیث

۱) اسلام کو ایک عمارت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسلام کے ارکان لازم و ملزوم ہیں۔ کسی ایک کے انکار سے اسلام کی ساری عمارت ہی منہدم ہو جاتی ہے۔

- ۲) اسلام مختلف اقوال و اعمال کا مجموعہ ہے۔
- ۳) اسلام کو آسان انداز میں پیش کرنا چاہیے۔
- ۴) انسان کو اس کی طاقت و حیثیت کے مطابق ہی شرعی احکام کا مکلف قرار دیا جاتا ہے۔
- ۵) قولی، فعلی اور مالی تمام اقسام کی عبادات کے ذریعے سے انسان کو آزمایا جاتا ہے۔
- ۶) نبی اکرم ﷺ پہلے اجہال اور پھر تفصیل کا لیغ انداز اختیار کرتے تھے۔ آپ نے بنی الاسلام علی خمس فرما کر پھر ان کی تفصیل بیان فرمائی۔ ثلث منْ كُنْ فِيهِ،
أَرْبَعًا مَنْ كُنْ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، إِجْتِيَمُوا السَّبْعَ الْمُؤْبَقَاتِ جیسی بہت سی احادیث میں یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔
- ۷) شہادتین تمام امور اور اعمال پر مقدم ہیں۔ اگر انسان کا عقیدہ حجج نہ ہو تو اس کے دیگر اعمال بھی قبول نہیں ہوتے۔
- ۸) بعض احادیث میں روزہ حج پر مقدم ہے اور بعض میں حج روزہ پر مقدم ہے۔ جس سے روایت بالعنی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔
- ۹) اگر نماز کا وقت تنگ ہو جائے اور اسی وقت کسی مستحق کو زکوٰۃ دینا پڑے تو پہلے نماز ادا کی جائے کیونکہ نماز کو زکوٰۃ پر مقدم کیا گیا ہے۔
- ۱۰) ماہ رمضان کو رمضان ہی کہا جاسکتا ہے۔
- ۱۱) قاعدة الاَّهُمَّ فَلَا هُمْ کے مطابق آغاز کرنا چاہیے۔
- ۱۲) ارکان اسلام فرض عین ہیں۔
- ۱۳) جہاد (فضل ترین اعمال میں سے ہے گر) ارکان اسلام میں داخل نہیں۔

حدیث:

تخلیق انسانی کے مراحل اور مسئلہ تقدیر

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ: إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقَهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا نُطْفَةً، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يُرْسَلُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيُفْتَحُ فِيهِ الرُّوحُ، وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: بِكَبْرِ رِزْقِهِ وَأَخْلَدِهِ وَعَمَلِهِ وَشَقِّيْ أَوْ سَعِيدٍ، فَإِنَّ الَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ، إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّىٰ مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيُسَيِّقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيُعَمَّلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيُدْخَلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّىٰ مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيُسَيِّقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيُعَمَّلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُدْخَلُهَا.

(بخاری، بدأ الخلق، ذكر الملائكة، ح: ۳۲۰۸، مسلم، القدر، كيفية

خلق الأدمي في بطن امه ح : ۲۶۳۳)

ابو عبد الرحمن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں، رسول الله ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا، آپ سچے ہیں اور آپ کو صحیلیم کیا گیا ہے، بے شک تم میں سے ہر شخص کا مادہ تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی شکل میں رہتا ہے، پھر انی مدت میں محمد خون بن جاتا ہے، پھر انی ہی مدت میں گوشت کے توہنے کی شکل اختیار کر لیتا ہے، پھر اس کی طرف فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے، اسے چار باتیں یعنی اس کا رزق، اس کی بہوت، اس کا عمل اور وہ بد جنت، ہو گایا نیک جنت، لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اللہ کی قسم! جس کے علاوہ کوئی معبد و نہیں، تم میں سے ایک شخص جنتیوں والے کام کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے تو وہ جنتیوں والے کام کرنے لگ جاتا ہے اور جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص اہل جہنم کے سے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر نو شتر غالب آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں والے اعمال کر کے اس (جنت) میں داخل ہو جاتا ہے۔

راوی الحدیث

عبداللہ بن مسعود ہذلی رضی اللہ عنہ اصحاب بدر میں سے ہیں۔ آپ نے احمد اور دیگر غزوہات میں بھی شرکت کی۔ مسلمان ہونے والوں میں سے آپ کا چھٹا نمبر ہے۔ صحابہ میں سے آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بلند آواز میں قرآن کی تلاوت کی۔ آپ نے جبše اور مدینہ دونوں ہجرتیں کی، آپ نے قبلیین (بیت المقدس اور بیت اللہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔

آپ ابن ام عبد کے نام سے بھی پہچانے جاتے تھے۔ ام عبد بنت عبد وادعہ آپ کی والدہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کیتی ابو عبد الرحمن خود نبی ﷺ نے رسمی تھے حالانکہ اس وقت آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی (حاکم ۳۱۳/۳)

آپ فقہاء اور قراء صحابہ میں سے ہیں۔ ستر سے زیادہ سورتیں انہوں نے خود نبی ﷺ سے پڑھیں۔ نبی ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا: قرآن چار آدمیوں سے پڑھو: عبد اللہ بن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ سے (بخاری: ۳۷۵۸، حاکم ۲۲۵/۳)

آپ رضی اللہ عنہ سے ۸۴۸ حدیثیں مروی ہیں؛ متفق علیہ، صرف بخاری اور ۳۵ صرف مسلم میں، جب کہ مسند قیۃ بن خلدون میں آپ سے مروی ۸۴۰ مکر راحادیث ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور غلافت میں انہیں کوفہ میں داعی اور مبلغ پہنا کر پھیجا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے انہیں مدینہ منورہ واپس بالایا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ۳۲ھ میں مدینہ طیبہ میں ہی وفات پائی اور بیش میں سپرد خاک ہوئے۔

شرح الحدیث

اس حدیث مبارکہ میں انسانی تخلیق کے مختلف مراحل اور تقدیر کو بیان کیا گیا ہے۔ ابوالبشر آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا اور پھر ان سے حضرت حواء کو تخلیق کیا گیا بعد ازاں انسانی مادہ تخلیق سے تخلیق انسانی کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ان سارے مراحل کا تذکرہ قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَ جَعَلْنَا نُطْفَةً فِي قَرَارِ مَكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَاماً فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَخَمَأْثُمْ أَشْتَثَنَةَ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَخْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝

(المومنون: ۱۳-۲۳)

”پھر ہم نے اسے پانی کی بوند (نطفہ) کی حیثیت سے محفوظ مقام پر تھہرا دیا۔ پھر ہم نے اس نطفے کو تمجد خون بنایا، پھر اس مجدد خون (علقہ) کو ہم نے گوشت کا لوقھڑا (مفخہ) بنادیا، پھر اس گوشت کے لوقھڑے سے ہم نے ہڈیاں بنائیں، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا، پھر ہم نے اسے ایک نئی صورت میں پیدا کیا۔ پس اللہ با بر کت ہے جو بہترین خلق ہے۔“

جب جنین رحم مادر میں لوقھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو، زیر نظر حدیث کے مطابق، اس میں اللہ کے حکم سے فرشتہ روح پھونک دیتا ہے۔ اس وقت تک نطفہ، علقہ اور مفسخ کے تینوں مرحل چار ماہ میں پورے ہو چکے ہوتے ہیں۔ (یہ دن کم و بیش بھی ہو سکتے ہیں)۔ روح پھونکے جانے کے بعد یہ جنین زندہ انسان کے حکم میں ہو گا؛ اس کا ضیاع حالب اضطرار میں بھی جائز نہیں۔ فرشتے کو اس جنین سے متعلق درج ذیل باتیں لکھنے کا حکم ملتا ہے:

(۱) رزق، (۲) عمر، (۳) عمل، (۴) نجاح کا ریعنی وہ خوش نصیب ہو گا یا بد نصیب ان چیزوں کے لکھنے جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان مجبور محض ہے۔ (ہاں بعض معاملات میں اس کا اختیار نہیں چلتا) اللہ تعالیٰ نے انسان میں تینی اور بدی دونوں مادے رکھ کر اسے اختیار دے دیا ہے جیسا کہ فرمان الہی وَنَفِیْسٍ وَمَأْسَوْهَا ○ فَالْهُمَّ هُمْ فُجُورُهَا وَتَقْوَهَا ○ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّهَا ○ (۹۱/اشتمس: ۷-۱۰) سے معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سعیج و بسیر بنا کر فرمایا: إِنَّا هَذِينَهُمُ السَّيِّئُونَ إِمَّا شَاكِرُوا وَإِمَّا كُفُورًا (۹۶/الدرہ: ۳) ”ہم نے اسے راستہ بتادیا ہے اب وہ شکر گزار بنے یا ناٹکرًا۔“ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَنْ شَاءَ فَلَيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلَيُكْفُرْ (۹۲/الکھف: ۲۹) ”جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے۔“

وَأَنَّ لَيْسَ لِلْإِحْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (الجنم: ۳۹)، إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْيِرُ مَا يَقُومُ حَتَّى يَغْيِرُوا مَا يَأْنفَسُهُمْ (الرعد: ۱۱) هل جزء آئے الاخسان الا الاخسان (الرحن: ۲۰)، فَإِنَّمَا مَنْ أَغْطَى وَأَتَقْنَى ○ وَصَدَقَ بِالْحُسْنَى ○ فَسَنُبَيِّسُرُهُ لِلْيُسْرَى ○ وَأَمَّا مَنْ يَبْخَلُ وَأَسْتَغْنَى ○ وَكَذَبَ بِالْحُسْنَى ○ فَسَنُبَيِّسُرُهُ لِلْغُسْرَى (۹۲/اہل: ۵-۱۰) اور ویگر ان جیسی آیات کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔

(تقدیر کی مزیدوضاحت کے لئے حدیث نمبر ۲ کا مطالعہ کجھے)

انسان کو چونکہ اپنی تقدیر کا علم نہیں اس لئے اسے ہم وقت تھاطر رہنا چاہیے اور اپنے خاتمه باخیر اور ایمان پر ثابت قدمی کی دعا نہیں مانگتے رہنا چاہیے۔ اس سلسلے کی ایک دعا یہ ہے: رَبَّنَا لَا تُنْزِغْ فُلُوْبَنَا بَعْدَ اذْهَبْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَذْنَكَ رَحْمَةً إِنْكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران: ۸۰) ”ہمارے رب! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں کو بیڑھانے کرنا اور اپنے ہاں سے فتح عطا فرماء، یقیناً تو بہت عطا کرنے والا ہے۔“

فقہ الحدیث

- ۱) صداقتِ محمدی کا اعلان کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شیوه تھا۔
- ۲) احادیث نبویہ میں پیش کی جانے والی چیزیں دعوت کو عزم و یقین اور خود اعتمادی سے بیان کرنا چاہیے۔
- ۳) یہ حدیث صداقتِ بوتِ محمدی کی دلیل بھی ہے کہ اس زمانے میں ایسی خبر کسی مشاہدے وغیرہ کی بنابرہ کسی جاسکتی تھی۔ آپ ﷺ نے انسانی تخلیق کے مختلف مرحلوں کو اللہ تعالیٰ کی وحی اور علم سے بیان فرمایا۔
- ۴) ڈاروں کا نظریہ ارتقاء انسانی غلط ہے۔
- ۵) حکم نبوی ماننے سے پہلے اس کا مشاہدہ کرنا ضروری نہیں۔
- ۶) فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا جو حکم ملتا ہے وہ اسے بجالاتے ہیں۔
- ۷) جن اقوال کے صحیح ہونے کی لوگ تحقیق نہ کر سکتے ہوں ان کا قائل قسم اٹھا سکتا ہے۔
- ۸) قسم اللہ تعالیٰ کے نام کی اٹھانی چاہیے۔
- ۹) اللہ تعالیٰ جو ایک قطرے سے انسان کو پیدا کر سکتا ہے وہ اسے دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔
- ۱۰) انسان کو اپنی تخلیق کے مرحل پر غور کر کے عاجزی اختیار کرنی چاہیے۔
- ۱۱) چار ماہ سے قبل پچھے زندہ پیدا نہیں ہوتا۔
- ۱۲) جان اور روح میں فرق ہے۔
- ۱۳) جس جنین میں روح پھونکی جا چکی ہو اور بعد ازاں وہ مردہ پیدا ہوتا اسے حسل بھی دیا

- جائے گا اور اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔
- (۱۳) معاملات کو اطمینان اور سوچ سمجھ کر نہ نانا چاہیے۔ جلد بازی سے گریز کرنا چاہیے۔
- (۱۴) نیک اعمال پر اترانہیں چاہیے۔
- (۱۵) کسی شخص کو نیک اعمال کرتے ہوئے دیکھ کر اسے جنتی قرار نہیں دیا جاسکتا۔
- (۱۶) برے لوگوں کے اعمال دیکھ کر جہنمی ہونے کا فتویٰ صادر نہیں کیا جاسکتا۔
- (۱۷) اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِاللَّغْوِ إِنَّمَا (بخاری: ۲۳۹۳) ”اعمال کا دار و مدار خاتے پر ہے۔“
- (۱۸) انسان اپنے اعمال کے بارے میں جواب دہے، وہ رزق کے حصول کی فکر کرتا ہے تو اعمال کی فکر کیوں نہیں کرتا!
- (۱۹) خاتمہ بالخیر کی فکر کرنی چاہیے۔
- (۲۰) سفر آخرت کے لئے ہر وقت مستعد رہنا چاہیے۔ ہو سکتا ہو اس کی زندگی کے آخری ایام ہوں۔

حدیث: ۵

رد بدعات

عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أُمِّ عَبْدِ اللَّهِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْدَثَ فِي أُمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رُدٌّ. وَفِي رِوَايَةِ لِمُسْلِيمٍ: مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أُمُرْنَا فَهُوَ رُدٌّ.
 (بخاری، ان، اذ، اصلح، اصلح جور فاصلح مردود، ح، ۲۶۹۷، مسلم، الاقضية، نقض
 الا دکام الباطلة ورد محدثات الامور، ح، ۱۷۱۸)

ام المؤمنین ام عبد اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہمارے اس دین میں نیا کام جاری کیا جو اس (دین) میں سے نہیں تو وہ (کام) مردود ہے (تفق علیہ) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ (عمل) مردود ہے۔

رواية الحدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے ام المؤمنین کی کنیت آیت کریمہ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَتُهُمْ (۳۳/الاحزان: ۶) سے مخذول ہے۔ ازواج مطہرات کو اللہ تعالیٰ نے موننوں کی ماں میں کہہ کر واجب الاحترام قرار دے دیا ہے۔ اپنی بہن اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا کے بیٹے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نام پر آپ کی کنیت ام عبد اللہ رکھی گئی حالانکہ آپ لا ولد تھیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی ہیں۔ آپ بعثت کے چوتھے سال پیدا ہوئیں۔ نبی اکرم ﷺ کی بدر سے واپسی پر ماہ شوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ انہیں یہ سعادت حاصل تھی کہ جب نبی اکرم ﷺ جو جماعت عائشہ میں ہوتے تو وہی نازل ہوتی تھی۔ وہ ازواج مطہرات میں سے آپ کو محبوب ترین تھیں۔ ان کی پاکداری اور عظمت کے بارے میں سورۃ النور کی سولہ آیات نازل ہوئیں۔

نبی ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کا آخری ہفتہ انہیں کے گھر میں بسر کیا۔ یہی جگہ عائشہ تا قیامت آپ ﷺ کی آرام گاہ ہنا۔ چونکہ آپ ﷺ کی وفات یہیں ہوئی اس لئے تدفین بھی یہیں کی گئی۔

جب نبی اکرم ﷺ کی وفات ہوئی تو ام المؤمنین کی عمر ۱۸ سال تھی۔ آپ علم کا سمندر تھیں۔ آپ سے مردی احادیث کی تعداد ۲۲۰۰ ہے۔ ۱۶۲ متفق علیہ، ۲۴ صرف بخاری اور ۶۸ رضا مسلم میں ہیں۔ آپ کا شمار چھ مکثرین صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے ۷۳ رمضان المبارک ۵۸ھ محرم ۲۶ سال مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ آپ کی تدفین ان کی وصیت کے مطابق رات کے وقت کی گئی۔

(تفصیل کے لئے ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن کی کتاب مظلوم صحابیات رضی اللہ عنہم کا مطالعہ کجھے)

شرح الحدیث

اس حدیث مبارکہ میں بدعاات کی تردید کی گئی ہے۔

وہ نیا عمل جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہ ہو، اللہ تعالیٰ اور اس نے رسول ﷺ نے اس کی اجازت نہ دی ہو بلکہ اسے از خود نیکی اور تقربہ اللہ کا ذریعہ سمجھ کر سرانجام دیا جا رہا ہو جب کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عمل کے کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہونے کے باوجود اسے نہ کیا ہو تو ایسا عمل بدعت کہلاتا ہے۔ دین اسلام چونکہ مکمل کر دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اسلام کو ہی بطور دین پسند فرمایا ہے (المائدۃ: ۳) لہذا اس میں کسی اضافے کی گنجائش نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ بیان فرماتے ہیں: وَإِيمُ اللَّهِ لَقَدْ تَرْكَتُمْ كُمْ عَلَى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلَهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءً (ابن ماجہ، السنۃ، اتباع سنت رسول اللہ ﷺ ج: ۵)

”اللہ کی قسم ایں تمہیں روشن شریعت پر چھوڑ رہا ہوں جس کی رات اور دن (روشن ہونے میں) برابر ہیں۔“۔ معاشرتی، سیاسی، اخلاقی اور عبادات و اعتقادات نیز اعمال و اقوال غرضیکہ حیات انسانی کا کوئی ایسا گوشہ باقی نہیں رہا جس کے بارے میں شریعت کی واضح رہنمائی موجود نہ ہو۔ حتیٰ کہ نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل بھی کتاب و سنت میں موجود ہے۔ لہذا

بدعت ایجاد کرنے کی قطعاً حاجت نہیں۔ حدیث کے الفاظ مِنْ عَمِلٍ عَمُوماً عموم پر دلالت کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں کسی بھی قسم کی بدعت کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ وہ عمل مردود ہے۔

ہر بدعت گمراہی ہے (مسلم: ۸۶، نسائی: ۹، ابی ذئاب: ۱۵۷، ابن ماجہ: ۲۵) ہرگراہی کا انعام جنم ہے۔ (نسائی: ۱۵۷) اس لئے نبی ﷺ نے بدعتات سے احتراز کرنے کا حکم صادر فرمایا (ابو داؤد: ۷۰، ترمذی: ۲۶۷۶)

اللہ تعالیٰ کے دین و شریعت میں تغیر و تبدل کرنے والوں کو نبی اکرم ﷺ سُخْنًا سُخْنًا کہہ کر دھنکار دیں گے۔ اہل بدعت کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَمْ لَهُمْ شَرِكُوا شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الَّذِينَ مَا لَمْ يَأْذُنْ بِهِ اللَّهُ (الشوری: ۳۲) ”کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے وہ دین مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔“ آپ ﷺ نے ایک شخص (ابو سراسیل) کو دھوپ میں کھڑا دیکھا، اس نے اس کی نذر مانی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے اس حرکت سے روک دیا (بخاری: ۲۰۳) اسی طرح ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر عبادت و ریاضت کرنا خلاف سنت اور بدعت ہے۔

ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا نے چھت پر ایک رسی باندھی ہوئی تھی جب نفل پڑھتے پڑھتے تحکم جاتیں تو وہ تازہ دم ہونے کی خاطر اس کے ساتھ لٹک جاتی تھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اسے کھول دو، جب تک نشاط ہو (نفل) نماز پڑھو اور جب تحکم جاؤ تو سوجایا کرو (بخاری: ۱۵۰، مسلم: ۸۴۳)

جن لوگوں نے نفلی نماز اور روزہ میں نبی اکرم ﷺ سے زیادہ عبادت کرنے اور نکاح نہ کرنے کا عندیہ ظاہر کیا تھا، ان سے آپ ﷺ نے فرمایا: فَمَنْ رَغَبَ عَنْ سُنْنَتِنِ فَلَيْسَ مِنِي (بخاری: ۱۲۰۵، مسلم: ۱۲۰۳) ”جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔“

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ (مسلم: ۱۱۵۹) ”جو ہیش (نفل) روزہ رکھتا ہے اس کا کوئی روزہ نہیں۔“ اس کی وجہ اس عمل کا خلاف سنت ہونا ہے۔

آخر میں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ بعض لوگ بدعت کو بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ میں تقسیم کرتے ہیں حالانکہ حدیث میں ہر بدعت کو گراہی قرار دیا گیا ہے۔ شیخ احمد سہنی المعروف مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ان دونوں قسم کی بدعتات میں سوائے ظلمت و کدورت کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔

البته لغوی اعتبار سے بعض صحابہ اور ائمہ نے بدعت کو حسنہ قرار دیا ہے۔ جسے شریعت نے بدعت کہا ہے اس سے وہ بدعت مراد نہیں۔ جیسے نماز تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا، قرآن کو ایک کتابی شکل میں جمع کرنا، احادیث کو کتب حدیث میں لکھنا وغیرہ۔ یہ احداث فی الدین میں داخل نہیں اور نہ ان پر **لیسَ عَلَيْهِ أَفْرُنَا** کا انطباق ہوتا ہے۔ کیونکہ نماز تراویح کی جماعت کروانا خود نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے، اس کے فرض ہونے کے خلاف کے پیش نظر آپ ﷺ اس کی جماعت کروانے سے رک گئے تھے (دیکھیے بخاری: ۲۹)

جہاں تک قرآن مجید لکھنے کی بات ہے تو یہ تو خود نبی اکرم ﷺ کے حکم سے لکھا جاتا تھا۔ علیحدہ علیحدہ لکھنے اور ایک کتابی شکل میں لکھنے میں کوئی خاص فرق نہیں، نیز قرآن حفوظ کرنا فرض کر دیا گیا ہے۔

شروع شروع میں نبی اکرم ﷺ نے احادیث لکھنے سے منع کیا تھا، بعد میں آپ ﷺ نے اس کی اجازت دے دی تھی لہذا یہ بھی فرمان پیغمبر سے ثابت ہے۔

یہ بات بھی محوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ اجماع صحابہ کو بدعت قرار دینا درست نہیں۔ جیسے جمود کی پہلی اذان، نافعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد، وعظ و نصیحت کے لئے کوئی ایک دن مخصوص کرنا وغیرہ۔

فقہ الحدیث

۱) دین و شریعت تکمیل ہے اس میں کسی اضافے کی اجازت نہیں۔

۲) ہر نیا کام ہے نیکی سمجھ کر کیا جائے بدعت کہلاتا ہے۔

۳) دین میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں۔

۴) بدعتات مردود ہیں۔

۵) خلاف سنت عمل قبول نہیں ہوتا۔

۶) سنت نبوی سے بے رغبتی کرنے والوں کا نبی اکرم ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔

- ۷) بدعاۃ کی تردید کرنا سنت نبوی ہے۔
- ۸) سنت نبوی کے مطابق کئے جانے والے عمل، خواہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں، کا اجر مسلم ہے۔
- ۹) بدعت کو حسنہ اور سینہ میں تقسیم کرنا درست نہیں۔
- ۱۰) شرعی اور لغوی بدعت میں اختلاط کرنا جائز نہیں۔
- ۱۱) صحابہ کے اجماعی عمل کو بدعت قرار دینا صحیح نہیں۔

حدیث: ۲

حلال و حرام اور مشتبہ اشیاء

عَنْ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ الْحَلَالَ بَيْنَ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيْنَ، وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَاتٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَيْفَ مِنَ النَّاسِ، فَمَنْ أَتَقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبَرَ إِلَيْنِي وَعَزَّزَهُ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ، كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْجَمْنِي يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حَمْنَ، أَلَا وَإِنَّ حَمَّيَ اللَّهُ مَحَارِمَهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْعَفَةٌ إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقُلُوبُ.

(بخاری، الایمان، فضل من استبر الدین، ح: ۲۰۵۱، مسلم، المساقة، اخذ امثال و ترك

الشبهات، ح: ۱۵۹۹)

ابو عبد الله نعمن بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، ان دونوں کے درمیان شہبے والی چیزوں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے، تو جو شہبے والی چیزوں سے نجگیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچایا اور جو شہبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں بتلا ہو گیا، جیسے وہ چداہا جوچ اگاہ کے اردو گرد چراتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ جانور اس کے اندر چرنے لگیں، سنو! ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے، سنو! اللہ کی چراگاہ سے مراد اس کی حرام کرده اشیا ہیں۔ خبردار! جسم میں گوشت کا ایک مکڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اگر وہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ وہ مکڑا دل ہے۔

راوی الحدیث

آپ ابو عبد الله نعمن بن بشیر بن سعد بن ثعلبة الخزرجی الانصاری ہیں، نبی اکرم ﷺ کی بھرت مدینہ کے بعد الانصار کے سب سے پہلے پیدا ہونے والے بچے ہیں۔ وفات النبی ﷺ کے وقت نعمن رضی اللہ عنہ کی عمر ۸ سال سات ماہ تھی، آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ اور والد دونوں

صحابی ہیں۔ آپ کی والدہ ام العمان عمرہ بنت رواحد رضی اللہ عنہا ہیں، جو عبد اللہ بن رواحد رضی اللہ عنہ کی بیکن ہیں۔

عمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کی تعداد ۱۱۷ ہے۔ پانچ متفق علیہ، ایک صرف بخاری اور چار صرف مسلم ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں حصہ اور بعد ازاں کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ پھر یزید کی طرف سے گورنر ہے۔ یزید کی وفات کے بعد عمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو عبد اللہ بن زیبر رضی اللہ عنہ نے حصہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ اہل حصہ نے ان کی مخالفت کی اور ۲۳ھ میں مروان بن الحکم کے دور حکومت میں انہیں شہید کر دیا گیا۔

شرح الحدیث

الحلال بین سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا حلال ہو ناسب کو معلوم ہے جیسے سچ بولنا، دیانت داری اختیار کرنا دیگر مباح امور وغیرہ اور ان کے حلال ہونے میں کوئی ابہام نہیں پایا جاتا۔
الحرام بین سے وہ چیزیں مراد ہیں جن کا حرام ہو ناقصی دلائل سے معلوم ہے اور ان کی حرمت سے سب لوگ آگاہ ہیں جیسے شراب، خنزیر، گدھا، مردار جانور، سود، رشوت، غصب، ذخیرہ اندوزی، زنا، جھوٹ، غبہت، کچلیوں والے جانور کا گوشت، شکاری پرندے کا گوشت، وغیرہ۔
مشتبہات سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی حرمت و حرمت کا واضح حکم موجود نہیں ہے۔ مسلمان کو مشتبہ امور و معاملات سے بھی بچنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ محربات سے محفوظ رہ سکے جیسے منور چراگاہ کے آس پاس چرانے کی ممانعت نہیں، مگر وہاں جانور چرانے میں امکان ہے کہ وہ اس علاقے میں بھی داخل ہو جائیں ممنوعہ علاقہ ہے۔ لہذا اپنے دین و عزت کو بچانے کے لئے مشتبہ سے بھی بچنا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: تَلْكَ حُذُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا (۱۸/ البقرة: ۱۸)

”یہ اللہ کی حدیث ہیں ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔“ ارشاد باری ہے: ذَعْ مَا يَرِيْكَ إِلَى مَا لَا يَرِيْكَ (ترمذی: ۲۵۱۸) ”وہ چیز ترک کر دو جو تمہیں شک میں ڈال دے اور اسے اختیار کر دو جو تمہیں شک میں بدلانہ کر دے۔“

ایک حدیث میں ہے کہ گناہ وہ ہے جو نفس میں کھکھے اور دل میں ترد پیدا کرے“ (مندرجہ احمد: ۲۲۸، داری: ۲۵۳۶)

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے بسم اللہ پڑھ کر شکاری کتا چھوڑا مگر شکار کے پکڑنے کے وقت پکھا درکتے بھی ان کے ساتھ پائے گئے تو ایسے شکار کی حلت مشکوک ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک سمجھو کو کھانے کا ارادہ کیا مگر پھر اس خدشے کے پیش نظر کہ وہ صدقہ کی نہ ہوا آپ نے اسے ترک کر دیا (بخاری: ۲۲۵۵، سلم: ۱۰۷۱)

نوٹ: زکوٰۃ آپ ﷺ اور آپ کی آل کے لئے جائز نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی کوشش یہ ہوتی کہ لوگوں میں مشکوک و شبہات پیدا نہ ہوں، جیسا کام المؤمنین صَفِیْہ رَضِیَ اللَّهُ عَنْہَا کے بارے میں آپ نے فرمایا: هَذِهِ صَفِیْہُ بِنْتُ حُبَیْبٍ (ابوداؤد: ۲۹۹۳)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے کہانت کی کمائی، جو انہیں زمانہ جاہلیت میں ملی تھی، انہیں کھلائی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو آپ نے اسے قے کر دیا (بخاری: ۳۸۳۲)

کسی چیز کے مشتبہ ہونے کا فیصلہ انسانی دل کرتا ہے۔ اسی پر تمام امور کا دارو مدار ہے۔ اس پر مشکوک و شبہات اور کفر کی وجہ سے سیاہی چھا جاتی ہے جس کی وجہ سے اعمال میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دل کی اصلاح اور صفائی کی وجہ سے تمام اعضاء سے اچھے اعمال صادر ہوتے ہیں اور ان اعضاء کا برائی کی طرف رجحان نہیں رہتا۔ (مشتبہ امور کی مزید وضاحت کے لئے حدیث نمبر ۱۰۴۶)

فقہ الحدیث

- ۱) حلال و حرام کے سلسلے میں بھی مسلمانوں کی رہنمائی کی گئی ہے اور ان کا تعلق بھی دین سے ہے۔
- ۲) مشتبہات/شبہات حلال و حرام میں داخل نہیں ہیں۔
- ۳) بعض لوگ (ثقل علماء) مشتبہ چیزوں کا بھی علم رکھتے ہیں۔
- ۴) مشتبہ امور سے بھی بچنا چاہیے۔
- ۵) مشتبہ امور سے بچنے والا حرام کا مرتكب نہیں ہوتا۔
- ۶) دین و شریعت اور عزت کی حفاظت کرنی چاہیے۔
- ۷) بانٹ کو واضح کرنے کے لئے مثال دینا مسنون طریقہ ہے۔

- (۸) محرمات کی طرف لے جانے والے اسباب و سائل کو اختیار کرنا بھی ممنوع ہے۔
- (۹) اصلاح قلب پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔
- (۱۰) دل کی اصلاح، اصلاح جسم پر مقدم ہے۔
- (۱۱) جسم کی بہتری حلال غذاء پر موقوف ہے کیونکہ دل کی پاکیزگی حلال غذا سے حاصل ہوتی ہے۔
- (۱۲) احکامِ دین و شریعت پر عمل کرتے وقت احتیاط کا پہلو مدنظر رکھنا چاہیے۔
- (۱۳) حسین نیت کے بھانے اعمال صالح کا ترک کرنا جائز نہیں۔
- (۱۴) بعض علماء نے اس حدیث سے جرح و تعدیل کا اصول بھی مستحب کیا ہے۔
- (۱۵) ارتکاب محرمات کے انجام سے لوگوں کو باخبر کرنا چاہیے۔

حدیث: ۷

خیر خواہی اور خلوص

عَنْ تَوْمِيمٍ بْنِ أُوسٍ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الَّذِينَ النَّصِيحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلَّهِ وَلِرَبِّنَا وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَغَامِتِهِمْ.

(مسلم، الایمان، بیان ان الدین انصحیح، ح: ۵۵، ابو داود: ۳۹۲۳، مسند احمد: ۱۰۲/۲ - ۱۰۳، نسائی: ۷۸)

ابورقیہ تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دین خیر خواہی / خلوص کا نام ہے۔ ہم نے عرض کیا: کس کے لئے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے، مسلمانوں کے حکام اور عوام کے لئے۔

راوی الحدیث

ابورقیہ تمیم بن اوس بن خارجہ داری رضی اللہ عنہ نے ۹۶ میں نصرانیت چھوڑ کا اسلام قبول کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ بیت المقدس چلے گئے۔ آپ نے ۴۰ میں بیت المقدس (فلسطین) میں وفات پائی۔

ابورقیہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کی تعداد ۱۸ ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث متعلق مروی ہے جب کہ صحیح مسلم میں ان سے صرف یہی روایت مروی ہے۔ جسم اس کا قصہ بھی ابورقیہ تمیم رضی اللہ عنہ نے ہی سب سے پہلے بیان کیا۔

شرح الحدیث

یہ حدیث نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ جامع کلمات میں سے ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے الٰئِمَّةِ النَّصِيحَةَ کے الفاظ تین دفعہ فرمائے۔ نصیحت جامع لفظ ہے جس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ کسی دوسری زبان بلکہ خود لغت عرب میں بھی کوئی لفظ ایسا نہیں جو تھا اس کا مفہوم ادا کر سکے۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نصیحت ایسا جامع کلمہ ہے جس کا معنی یہ ہے کہ حقدار کے حق کی حفاظت کرنا۔

نیجت کا بنیادی معنی اخلاص ہے۔ اردو زبان میں اس لفظ کا قریبی معنی دینے والا لفظ خیر خواہی ہے۔

انبیاء و رسول علیہم السلام اپنی امم سے یہ فرماتے رہے کہ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں۔ سورہ الاعراف میں بعض انبیاء علیہم السلام کی طرف سے انصحت لكم، انصح لكم، ناصح وغیرہ الفاظ کہئے گئے۔ اہل ایمان بھی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں اور ان کی خیر خواہی کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب سرداروں نے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو ایک شخص نے آکر موسیٰ علیہ السلام کو خبر کر دی تھی اور کہا: میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔

جو لوگ مخلص ہوتے ہیں ان سے اگر کسی حق کی ادائیگی میں یا کوئی عمل کرنے میں کوتاہی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کا عذر ان کے خلوص کی بنابر قبول فرمائیتے ہیں جیسا کہ فرمان اللہی: إِذَا نَصَحُوا لِلّهُ وَرَسُولُهُ (۹/التوبۃ: ۹۱) سے معلوم ہوتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ کس کے ساتھ خیر خواہی کی جائے تو آپ ﷺ نے جواب میں اللہ، اس کے رسول، اس کی کتاب، مسلمانوں کے حکام اور عوام الناس کا تذکرہ فرمایا۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے حق میں نیجت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کیں، اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ بھرا کیں، قولی، بدفنی اور مالی ہر طرح کی عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کی جائے۔ تمام عیوب و نقصان سے اللہ تعالیٰ کو بھرا قرار دیں۔ اس کے احکام کی پابندی اور نافرمانی سے گریز کیا جائے۔ تمام کائنات ہے بڑھ کر اس سے محبت کی جائے۔ اسی کی خاطر کسی سے محبت یا بغضہ رکھیں۔ اس کے منکرین سے جہاد کریں۔ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے مومن ہونے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ کسی کے کافر ہونے سے کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ نفع یا نقصان انسان سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں۔

(۲) قرآن کے ساتھ خلوص یہ ہے کہ اس پر ایمان لا یا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام (غیر مخلوق) ہے، اور انسان اس جیسا کلام نہیں بن سکتے۔ یہ غیر مبدل کتاب ہے، جس کی حفاظت کی

ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ اس کتاب کو پڑھا جائے اور اس میں تدبیر کیا جائے اور اس سے رہنمائی لی جائے۔ اس کی ہدایت کے مطابق اعمال سر انجام دیئے جائیں۔ آیات حکمات پر عمل کریں اور تشاہرات کو بھی تشییم کریں۔

اس کے پیغام کو عام کرنے کی کوشش کی جائے۔ جو لوگ اس کتاب میں لفظی و معنوی تحریف کے درپے ہیں انہیں منہ توڑ جواب دیا جائے۔ قرآن کے دوست نما شہنشوں کی طحدانہ اور جاہل انہ باتوں کی تردید کی جائے اور تو قرآن سے سینوں کو منور کیا جائے۔

(۳) نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خلوص میں مندرجہ ذیل امور سفرہ است ہیں: آپ ﷺ پر ایمان لانا، آپ کے مشن کو آگے بڑھانا، تو قیر کرنا، تمام خلوقات سے بڑھ کر محبت کرنا، اطاعت کرنا، نافرمانی سے گریز کرنا، اپنے جھگڑوں میں آپ کو حکم (فیصل) مانا، اسوہ حسنہ کو تکمل ضابطہ حیات سمجھنا، دین و شریعت کو کافی سمجھنا، درود و سلام پڑھنا، ناموں رسالت کا دفاع کرنا اور آپ کے متعلقین سے محبت رکھنا، جب کہ شہنشوں سے دشمنی رکھنا وغیرہ۔

(۴) مسلم حکام کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ حق پر ان کی معاونت کی جائے، انہیں اچھے مشورے دیے جائیں، دین و شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے ان کی بات مانی جائے، انہیں نیکی کی تلقین کریں اور اگر ان میں کوئی خابی دیکھیں تو اسے دور کرنے کی بھرپور تک ود و کریں۔ ان کی خوشابندی کریں۔ انہیں ظلم و زیادتی اور ناصافی سے روکیں۔ ان کے خلاف بغاوت نہ کی جائے، ان کے ساتھ مل کر جہاد کیا جائے۔ ارشاد بخوبی ہے: وَأَنْ تَنَا صَحُّوْا مِنْ وَلَاءَ اللَّهِ أَمْرُكُمْ (مسلم، الاقضیۃ، ح: ۱۵، ا، هوطا، الکلام ح: ۲۰، مسند

(۳۶۷/۲)

(۵) عامت اسلامیں کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں ان کے حقوق دیے جائیں۔ زبان اور ہاتھ وغیرہ سے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ انہیں دھوکہ نہ دیں۔ آپ جو کچھ اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہی ان کے لئے کریں۔ ان کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کی جائے، بڑھوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت کی جائے۔ ان کے بارے میں اچھا گمان رکھیں۔ ان کی جائز ضروریات پوری کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ مسلمان سامنے ہو یا غیر موجود اس کے بارے میں خیر خواہی کے جذبات رکھے جائیں۔ نبی اکرم ﷺ کا

فرمان ہے: جب مسلمان آپ سے نصیحت طلب کرے تو آپ اسے نصیحت کریں (مسلم: ۲۱۶۲) انہیں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے کی بیعت کی (بخاری، ۵۷، مسلم: ۵۶)

نماز اور زکوٰۃ کے ساتھ وَالنُّصْحُ لِكُلِّ مُسْلِمٍ پر بیعت کرنے سے اس نصیحت کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

جریر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا بیعت کو کس طرح بھایا، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل ایمان افروذ و اتحد سے لگایا جاسکتا ہے:

ایک دفعہ جریر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک شخص نے تین درہم کا گھوڑا خرید لیا اور گھوڑے کے مالک کو ساتھ لے آیا تا کہ جریر رضی اللہ عنہ اسے قیمت ادا کر دیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کے مالک سے فرمایا کہ تمہارا گھوڑا اس سے زیادہ قیمت کا ہے۔ کیا تم اسے چار سو درہم میں بچ دو گے؟ اس نے کہا چیزے آپ کی مرضی! پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارا گھوڑا تو چار سو درہم سے بھی زیادہ قیمت کا ہے۔ اس طرح آپ سو سو درہم بڑھاتے گئے۔ حتیٰ کہ آٹھ سو درہم میں آپ رضی اللہ عنہ نے گھوڑا خرید لیا۔ باقی اس پر راضی ہو گیا۔ اس نے زیادہ قیمت دینے کا سبب پوچھا تو جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی ہوئی ہے کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا (فتح الباری / ۱۸۳)

فقہ الحدیث

- ۱) دھوکے اور نفاق سے پاک اخلاق پر منی ایثار و قربانی اور خیر خواہی کا نام الصصیحة ہے۔
- ۲) نصیحت کی اہمیت کے پیش نظر اسے دین کا نام دیا گیا ہے۔
- ۳) کسی چیز کے اہم جزوکوں سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے (التحجُّع عَرْفَةً بھی اسی طرح ہے)
- ۴) دین صرف فتحی معاملہ نہیں۔ ذاتی نیکی پر ہی قناعت کر لینا کافی نہیں۔ پورا معاشرہ ایک دوسرے کے لئے خلوص و خیر خواہی کے جذبات پیدا کرے۔
- ۵) اقوال کی طرح افعال کے لئے بھی دین کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔
- ۶) اگر کسی حکم کی تفصیل معلوم نہ ہو تو اس کے بارے میں دریافت کر لینا چاہیے تاکہ اجمال کی

تفصیل معلوم ہو۔

۷) جو عمل اخلاق کے بغیر کیا جائے وہ دین سے خارج ہے (وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتا)۔

۸) جو شخص اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے رسول اور مسلمانوں سے مخلص نہ ہو اس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

۹) جن کی خیر خواہی کا حکم دیا گیا ہے ان سے حتی الامکان خیر خواہی کرنا ضروری ہے۔ خیر خواہی کرنا انبیاء علیہم السلام اور نبیک لوگوں کا طریقہ ہے۔

۱۰) کسی چیز کی اہمیت کے پیش نظر حسب ضرورت اسے کئی بار بھی کہا جاسکتا ہے۔

۱۱) سیاسی و انتظامی امور دین سے جدا نہیں ہیں۔

حدیث: ۸

شرعی احکام ظاہر کے مطابق لاگو ہوتے ہیں

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَمِرْتُ أَنْ أَقْاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهُدُوا أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَيَقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيَرْتَبُوا الزَّكُوَةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ.

(بخاری، الایمان، فان تابوا واقموا الصلوة واتوا الزکوة فخلوا سالمین، ح: ۲۵، سلم، الایمان، الامر بقتل الناس حتی يقولوا لا الله الا الله.....، ح: ۲۲:)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قاتل (جہاد) کرتا رہوں تا آنکہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبد نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، تو جب وہ ایسا کام کریں گے تو وہ مجھ سے اپنے خون (جانیں) اور اموال حفوظ کر لیں گے۔ سو اے حق اسلام کے اور ان (کے باطن) کا حساب اللہ کے ذمے ہوگا۔

شرح الحدیث

کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لئے اسلام میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے، ظلم و تعدی اور فتنہ و فساد کے خاتمے کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَقْتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونُ الدِّينُ بِلِلَّهِ (۱۹۳: البقرۃ) "تم ان (کفار و مشرکین) سے اس وقت تک قاتل کرو کہ فتنہ و فساد ختم ہو جائے اور دین سارا کا سارا اللہ کے لئے ہو جائے"۔ یعنی فتنہ و فساد کے خاتمے اور غلبہ دین تک جہاد کرتے رہو۔

دورانی جگہ میں اگر مجاہدین اسلام کی دعوت سے غیر مسلم اسلام قبول کر لیں تو ان کے بھی وہی حقوق و فرائض ہوں گے جو دیگر مسلمانوں کے ہیں (یعنی مسلم، فضائل الصحابة، ح: ۲۳۰۵) ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكُوَةَ فَخَلُوَا سَيِّلَهُمْ (۵: التوبۃ) "تو اگر وہ (کفار و مشرکین) توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا۔

کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔“

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کافرمان ہے: فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكُوْةَ فَإِخْرَجْنَاكُمْ فِي الدِّينِ (۹/التوبۃ: ۱۱) ”اگر وہ (کفر سے) توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگ جائیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔“

نبی اکرم ﷺ جب کسی قوم کے لئے خلاف جہاد کے لئے نکلتے تو صبح تک اس قوم پر حملہ آور رہتے۔ اگر وہاں اذان کی آواز سنتے تو پھر اس اختیال پر کہہ یہ لوگ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں ان پر حملہ نہ کرتے بصورت دیگران کے خلاف کارروائی سے نہ رکتے (مسلم، الصلوٰۃ، ح: ۳۸۲) اگر کوئی کافر کلمہ پڑھ لے تو اس کے خلاف جنگ کرنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ دلوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہا نے ایک معركے میں کلمہ پکارتے والے شخص کو قتل کر دیا تو نبی اکرم ﷺ نے اس فعل کی نہ مرت کی (دیکھیے بخاری، المغازی ح: ۳۲۶۹، نیز دیکھیے بخاری: ۳۲۵۱، مسلم، الایمان، تحریم قتل اکافر بعد قولہ: لا اله الا اللہ ح: ۹۷، ۹۵)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں کلمہ پڑھ لینے والے کو قتل کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی مسلمان کو قتل کرنا (دیکھیے ایضاً)

حدیث زیر بحث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کچھ لوگ نماز پڑھنے یا زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیں تو ان کے خلاف جہاد کرنا جائز ہے جیسا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مکریں زکوٰۃ کے خلاف اعلان جہاد کیا تھا۔

یہ بھی واضح رہے کہ جو کفار اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے تھے انہیں جبرا مسلمان نہیں کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: لَا إِنْكَارَةٌ فِي الدِّينِ (۲/البقرۃ: ۲۵۶) سے عیا ہے (نیز دیکھیے الغاہیہ: ۲۱-۲۲) تاہم ایسے لوگ اپنی جان و مال کی حفاظت کے عوض میں اسلامی حکومت کو جزیہ ادا کرتے تھے۔ بلا و اسلامیہ میں بننے والے کفار کو جبرا مسلمان نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق کا وجود نہ ہوتا۔ اور نہ کبھی آپ کفار و مشرکین وغیرہ سے صلح کرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام تواریخ سے نہیں بلکہ اپنی حقانیت اور صداقت کی بنابر پھیلا ہے۔

جو شخص ظاہری طور پر بھی اسلام قبول کر لے اسے مسلمان قرار دیا جاتا ہے اگرچہ فی علم اللہ وہ مسلمان نہ ہو۔ اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ ارشاد نبوی ہے: جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے (بخاری، اصلوۃ، فصل استقبال القبلۃ، ح ۳۹۱)

الا بحق الاسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول اسلام کے بعد اگر کسی نے ایسا جرم کیا جس پر قصاص یا حد لا گو ہوتی ہو تو وہ لا گو کی جائے، مثلاً قاتل سے قصاص لینا، شادی شدہ زانی کو رجم کرنا اور مرتد کو قتل کرنا وغیرہ (مزید تفصیل حدیث نمبر ۱۲ میں ملاحظہ کریں)۔ اگر کوئی منافق ہو یا دنیوی سزا سے بچ جائے تو اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ وہ ان کے بارے میں روزی قیامت نیصلہ کرے گا۔

فقہ الحدیث

- ۱) نبیؐ بھی شرعی احکام پر عمل پیرا ہونے کا پابند ہوتا ہے، جب تغیر امرُّت فرمائیں تو اس سے مراد امر اللہ (اللہ کا حکم) ہوتا ہے۔
- ۲) اسلام میں داخل ہونے کے لئے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دی جاتی ہے۔
- ۳) شرعی احکام ظاہر کے مطابق لا گو ہوتے ہیں۔ دلوں کے حالات اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔
- ۴) بعض مسلمانوں کو قتل کی سزا تو دی جاتی ہے مگر ان کی تکفیر جائز نہیں۔
- ۵) توحید کا اقرار اور احکام شریعت کی پابندی کرنے والے اہل بدعت کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے۔
- ۶) اسلام میں صرف دفاعی جہاد ہی نہیں بلکہ جو ہی جہاد کا نظریہ بھی موجود ہے۔
- ۷) جنت سے جہاد کرنا منقول نہیں اگرچہ آپ ﷺ ان کے لئے بھی رسول بنا کر بھیج گئے تھے اور ان میں سے بعض مسلمان بھی ہو گئے تھے۔
- ۸) مسلمان کی جان اور مال کی حفاظت کرنی چاہیے۔
- ۹) فَإِذَا فَعَلْتُمْ ذَلِكَ سے معلوم ہوتا ہے کہ قول پُفضل کا اطلاق بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ قول زبان کا فعل ہوتا ہے۔
- ۱۰) جس شخص کو حدیا قصاص میں قتل کر دیا گیا ہو اس کی مغفرت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔

حدیث: ۹

حتی الامکان اطاعت رسول ﷺ

عَنْ أُبْيِ هُرَيْرَةَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ صَحْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا نَهِيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَبِيْوْهُ، وَمَا أَمْرَتُكُمْ بِهِ فَاتَّبُوْهُ مِنْهُ مَا أَسْتَطَعْتُمْ، فَإِنَّمَا أَهْلُكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثْرَةً مَسَائِلَهُمْ وَأَخْتِلَافُهُمْ عَلَى أَنْبِيَاءِهِمْ.

(بخاری، الاعتصام بالكتاب والسنّة، الاقتداء بمن رسول اللہ ﷺ، ح: ۲۸۸، ۷)

مسلم، الفھائل، توقیرہ ﷺ وترك اشارسوالہ عمالا ضرورۃ الیہ ح: ۱۳۳)

ابو ہریرہ عبد الرحمن بن صخر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سن: میں تمہیں جس کام سے منع کروں اس سے اجتناب کرو اور جس کام کا حکم دوں اسے مقدور بھر بجالا و تم سے پہلے لوگوں کو ان کے کثرت سوالات اور اپنے انبیاء سے اختلاف نے ہلاک کر دا۔

راوی الحدیث

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا راجح نام عبد الرحمن بن صخر ہے۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام عبد الشمس تھا۔ بی کے بچے کی دیکھ بھال کی وجہ سے ابو ہریرہ (بی کے بچے والا) کینیت سے مشہور ہوئے۔ دوس قبیلے سے ہونے کی وجہ سے دوست کھلاتے ہیں۔ دوس قبیلے کی ہدایت کے لئے نبی اکرم ﷺ نے دعا کی تو یہ قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ آپ کی والدہ کا نام سیمونہ ہے۔ جس نے نبی اکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے اسلام قبول کیا۔ دعا کی درخواست ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ آپ چھ بھری میں مسلمان ہوئے۔ آپ علم سیکھنے کے بہت حریص تھے۔ اس صفت کی شہادت انہیں ناطق وحی ﷺ کی زبان مبارک سے بھی مل گئی۔ انہیں کئی موقع پر نبی اکرم ﷺ کی دعا لینے کا شرف حاصل ہوا۔ نبی اکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے آپ رضی اللہ عنہ کا حافظہ مثالی ہو گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شیر الروایتی صحابی ہیں۔ سب سے زیادہ احادیث آپ سے ہی مردی ہیں۔ آپ سے مردی احادیث کی تعداد ۵۳۶۳ ہے، ان میں سے ۳۲۲ متفق علیہ ہیں، ۹۳ صرف صحیح بخاری میں اور ۹۸ صرف صحیح مسلم میں ہیں۔

رائج قول کے مطابق آپ کی وفات ۷۵ھ میں ہوئی۔ آپ ۸۷ سال کی عمر میں مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے۔ نماز جنازہ ولید بن عقبہ نے پڑھائی اور بقیع میں سپردخاک ہوئے۔

شرح الحدیث

اس حدیث مبارکہ میں مندرجہ ذیل دو امور ذکر کیے گئے ہیں:

(۱) اطاعت رسول ﷺ (۲) کثرت سوالات

قرآن مجید کی بہت سی آیات کریمہ میں نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز اطاعت رسول ﷺ کی برکات بیان کی گئی ہیں۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے فرمان کی مخالفت کرنے کا انعام بھی بیان کیا گیا ہے۔

اس حدیث مبارکہ کا ابتدائی حصہ دراصل اس فرمان اللہ کی تفسیر ہے: **وَمَا أَنْهَكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا** (۵۹/الحضر:۷) اور رسول تمہیں جو کچھ دین لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔

حدیث مبارکہ میں اطاعت کو استطاعت سے مشروط کیا گیا ہے۔ جو شخص دین کے جتنے حصے پر عمل کر سکتا ہو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ مثلاً جو شخص غسل یاوضو کے لئے کچھ اعضاء کو وہ حوصلہ ہو تو وہ حوصلہ۔ ویگرا اعضاء کو پانی نہ ملنے یا بعض اعضاء میں مرض پائے جانے کی وجہ سے دھویا نہ جا سکتا ہو تو باقی اعضاء کے لئے تمیم کر لے۔ جو شخص کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو وہ بیٹھ کر نماز ادا کر لے اور اگر بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکتا ہو تو یہ کر پڑھ لے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: **صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبِكَ** (بخاری، تفسیر المصلوہ، ح: ۷، ۱۱۱)

اسی طرح اگر کوئی فطرانہ پورا ادا نہ کر سکتا ہو تو جتنا ادا کرنے کی سخت رکھتا ہو وہ ضرور ادا کرے۔ البتہ بعض امور مثلاً روزے وغیرہ میں اس اصول کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بعض اعمال کو استطاعت سے مقید کیا گیا ہے مثلاً حج صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِلَهٌ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنْ أَسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا** (۳/آل عمران: ۹۷)۔ بلکہ اکثر امور کو استطاعت سے مشروط قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا أَسْتَطَعْتُمْ** (۶۲/التغابن: ۱۶) ”بقدر استطاعت اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔“ (نیز دیکھیے ارواء الغلیل، ح، ۳۲۲، ابو داؤد، المصلوہ ح: ۱۰۹۶، مسند احمد، ح: ۱۷۱۸۲)

۲۔ اس حدیث مبارکہ میں کثرت سوالات اور انہیاء علیہم السلام سے اختلاف کرنے کو پہلے لوگوں کی ہلاکت کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل اپنے انہیاء سے عجیب و غریب اور لا یعنی سوالات کرتے تھے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا۔ من و سلوانی کے نزول کے باوجود انہوں نے پیاز، ہنس وغیرہ ملنے کی درخواست کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ مگر انہوں نے گائے کی عمر، رنگ وغیرہ سے متعلق سوالات شروع کر دیئے جس کی وجہ سے انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

عیسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے مائدۃ (تیار کھانا) کا سوال کیا۔ ان کے سوال کرنے کے انداز سے لگتا ہے کہ جیسا انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین نہیں تھا۔ وہ پوچھتے ہیں: هَلْ يَسْتَطِعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ (۵/المائدۃ: ۱۱۲) ”آپ کا رب آسمان سے ہم پر مائدہ نازل کر سکتا ہے؟“ اسی طرح کفار و مشرکین نے بھی نبی کریم ﷺ سے طرح طرح کے مطالبات کیے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زیادہ سوالات کرنے بالخصوص غیر ضروری سوالات سے منع کر دیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تُسْتَأْلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُنِّلَ مُؤْسَنِي مِنْ قَبْلُ (۲/البقرۃ: ۱۰۸) ”کیا تم اپنے رسول سے اسی طرح سوال کرنا چاہتے ہو جس طرح (تم سے پہلے موسیٰ سے سوالات کیے گئے تھے؟“ زیادہ سوال کرنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے (بخاری، الرقاۃ، ح: ۲۲۷۳، مسلم، الاقصیۃ، لہجی عن کثرة المسائل من غير حاجة ح: ۱۷۱۵)۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے فرماتے ہیں: يَأَيُّهَا الَّذِينَ أَمْسَأَلُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءِ إِنْ تُبَدِّلُكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبَدِّلُكُمْ عَفًا اللَّهُ عَنْهُمَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيلٌ ۝ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كُفَّارِيْنَ ۝ (۵/المائدۃ: ۱۰۱-۱۰۲) ”مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر (ان کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر قرآن کے نازل ہونے کے لایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر بھی کردی جائیں گی (اب تو) اللہ نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) پر درگزر کیا ہے اور اللہ بہت بخشش والا ہے اور بدباء ہے۔ اس طرح کی باتیں تم سے پہلے لوگوں نے بھی پوچھی تھیں (جب بتائیں گیں تو) ان سے منکر ہو گئے۔“

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "مسلمانوں میں سے وہ شخص بہت بڑا جرم ہے جس نے کسی حلال چیز کے بارے میں سوال کیا تو اس کے دریافت کرنے کی وجہ سے اسے حرام قرار دے دیا گیا۔ (ازلی احکام کی حرمت کا سبب بھی ازل میں لکھا ہوتا ہے الہذا سائل موروا لازم ہوگا۔)

ایک دن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم پر حج فرض کیا گیا ہے۔ ایک آدمی کہتا ہے: ہر سال؟ اس پر آپ شدید غضناک ہوئے اور فرمایا: "اگر میں ہاں کہہ دیتا تو یہ ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم اس پر عمل نہ کر سکتے" (مسلم، الحج فرض الحج مرقة فی الحرج، ح: ۱۳۲)۔

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: ذَرُونِي مَا تَرْكَتُكُمْ (ابن ماجہ، المقدمة، اتباع سنت رسول ﷺ، ح: ۲): "میں تمہیں جس امر میں جہاں چھوڑوں مجھے وہیں رہنے دو۔"

ایک شخص (عوییر رضی اللہ عنہ) نے نبی اکرم ﷺ سے لعان کے بارے میں سوالات کئے تو آپ نے ان سوالات کو ناپسند کیا اور معیوب قرار دیا، سائل حکم لعان نازل ہونے سے پہلے ہی اپنی بیوی کے سلسلے میں اس مسئلے میں گرفتار ہو گیا (بخاری، التفسیر، تفسیر سورۃ النور، ح: ۲۷۴۵، مسلم، اللعan، ح: ۱۳۹۲)۔

نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی نے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: فلاں (حدافہ) اس پر یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَسْتَأْلُوا عَنْ أَشْيَاءِ (۵/المائدۃ: ۱۰۱) (بخاری، التفسیر، ح: ۲۲۱، مسلم، الفھائل، ح: ۲۳۵۹)۔

لوگوں کے لئے سیدھے سوالات کرنے سے نبی اکرم ﷺ غضناک ہو گئے اور فرمایا آج جو ہمیں تم پوچھو گے میں اس کی حقیقت کھول دوں گا (بخاری، الاعتصام، ح: ۲۹۲، مسلم، ایضاً) کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ سے بطور استہزا سوال کرتے، کوئی کہتا: میرا باپ کون ہے؟ ایک آدمی کی اذنی گم ہو گئی تو اس نے پوچھا: میری اونٹی کہاں ہے؟ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: يَأَيُّهَا الْأَدِيْنَ امْنُوا لَا تَسْتَأْلُوا عَنْ أَشْيَاءِ (۵/المائدۃ: ۱۰۱) (بخاری، التفسیر، ح: ۲۶۲۲)۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے مجرماً سود کو بوسہ دینے کے بارے میں پوچھا: آپ نے جواب میں بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اسے بوسہ دیتے تھے۔ اس آدمی نے کہا کہ اگر ہجوم ہو جائے اور میں ایسا نہ کر سکوں تو؟ آپ نے فرمایا: اس اگر مگر کوئی نہیں میں

لے جاؤ۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ اسے بوسہ دیتے تھے (بخاری، الحج، تقبیل الحجر، ح: ۱۶۱)۔ مطلب یہ تھا کہ حتی الامکان ایسا کرنے کی کوشش کرو، تم نے پہلے ہی فرض سوالات کرنے شروع کر دیئے ہیں۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہفتی تفریح اور دماغی عیاشی کی خاطر خواہ مخواہ اور پنائگ سوالات کرتے رہتے ہیں، یا دوسروں کو پریشان اور لا جواب کرنے کی غرض سے سوال پوچھتے ہیں حالانکہ یہ ناپسندیدھل ہے۔ اس سے کچھ بھی اور کٹ جھی جنم لتی ہے، عمل کی پرسنٹ ختم ہو جاتی ہے اور آدمی الدل اخمام (حخت جھگڑا الو) بن جاتا ہے۔ تاہم اگر پیش آمدہ شرعی ضرورت اور علم پر عمل کی خاطر سوال کیا جائے تو ایسا سوال نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ پسندیدہ ہے۔ ایسے سوالات کی نبی اکرم ﷺ ترغیب دلاتے اور تحسین فرماتے۔ مثلاً ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے شفاعت نبوی کی سعادت حاصل کرنے والے شخص سے متعلق نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ابو ہریرہ کی تعریف بھی کی اور جواب بھی بتایا، بلکہ با اوقات تعلیم کی غرض سے نبی اکرم ﷺ خود سوال اٹھاتے، جیسا کہ اتسدی، اتدرون ما الغيبة، اخبر و نی بشجرة وغیره الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں یَسْأَلُونَکَ اور يَسْتَفْتُونَکَ کے الفاظ سے ایسے سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں (مثلاً دیکھیے: البقرۃ: ۱۸۹، ۲۱۹، ۲۱۷، النساء: ۱۷۶)

دوفو اور اعراب کو سوالات پوچھنے کی عام اجازت تھی بعض اوقات صحابہ اس انتظار میں رہتے کہ کوئی اعرابی آ کر نبی اکرم ﷺ سے سوالات دریافت کرے تا کہ ہمیں بھی علم ہو جائے۔ سنن ابو داؤد کی روایت کے مطابق نبی ﷺ سے، اگرچہ قامیتِ صلواۃ بھی کہی جا چکی ہوتی، نمازوک کران کے سوالات کے جوابات دیتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی نے، جو دین کا عالم نہیں رکھتا تھا، دین کے بارے میں سوال کیا۔ نبی اکرم ﷺ خطبہ چھوڑ کر کری پر تشریف فرمائے اور اسے دین سکھانے لگے، باقی خطبہ آپ ﷺ نے اس کے بعد مکمل کیا۔

واضح رہے کہ کثرۃ السوال کی ممانعت میں یہ بھی ہے کہ لوگوں سے بھیک نہ مانگو، انہائی ناگزیر صورت حال کے علاوہ کسی سے کوئی چیز نہ مانگی جائے۔ اس سے مستول کی ایذا ارسانی کے ساتھ ساتھ انسان کی عزت نفس بھی مجرور ہوتی ہے۔ بعض اوقات مخلوق سے مانگنا شرک کے

زمرے میں آتا ہے۔ فوت شدگان سے مائلنا تو عین شرک ہے۔ العیاذ بالله!

فقہ الحدیث

- ۱) کوئی بھی زمانہ ہونبی اکرم ﷺ کی نافرمانی سے باز رہنا چاہیے۔
- ۲) بعض اوقات اطاعت کرنے کی وجہ سے نافرمانی سے پچھاڑیا دہ مشکل ہوتا ہے لہذا یہاں (ایک قول کے مطابق) ما نهیتکم عنہ کو ما امرتکم به سے مقدم رکھا گیا۔
- ۳) حدیث قرآن کی تفسیر بھی ہے۔ نبی اکرم ﷺ آیت کی تعمیم، تخصیص اور تقيید فرماتے تھے۔
- ۴) انہائی امکانی حد تک نبی اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔
- ۵) انسان بقدر استطاعت ہی شرعی احکام کا پابند ہے لہذا شرعی حکم کی تعمیل میں پوری طاقت صرف کروئی چاہیے۔
- ۶) دین سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم پر عمل کرنا چاہیے۔
- ۷) غیر ضروری، بے جا اور فرضی سوالات کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔
- ۸) جائز سوالات کی کثرت بھی پسندیدہ نہیں۔
- ۹) دینی و شرعی ضرورت کے پیش نظر سوالات کے جاسکتے ہیں۔
- ۱۰) پہلے لوگوں کے نہ سے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور ان اعمال سے پچنا چاہیے جن کی وجہ سے ان کی ہلاکت ہوئی۔
- ۱۱) پہلے لوگ اپنے انہیاء کی مخالفت کرنے کی وجہ سے تباہ ہوئے۔
- ۱۲) اسباب زوال سے کنارہ کشی کرنی چاہیے۔
- ۱۳) سابقہ شرائع کے (غیر منسوخ) احکام و مسائل ہمارے لئے بھی جلت ہیں۔

حدیث: ۱۰

رزق حلال کی اہمیت

عَنْ أُبَيِّ بْنِ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبِلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: (يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ كُلُّوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحَاتٍ إِلَيْيْهَا تَعْمَلُونَ عَلَيْهِمْ)، وَقَالَ: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّنَ أَمْتَنُوا كُلُّوْا مِنْ طَيِّبَتِ مَا رَزَقْنَكُمْ)، ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُعْطَيْنِ السَّفَرَ، أَشْبَعَتْ، أَغْبَرَ، يَمْدُدُ يَدِيهِ إِلَى السَّمَاءِ؛ يَا رَبَّ إِيَّا رَبَّ اَوْمَاطْعَمْهُ حَرَامٌ، وَمَشْرِبْهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسْهُ حَرَامٌ، وَغَلَدَيْهِ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ . (مسلم، الزکاة، قبول الصدقة من الكتب الطيبة وتربيتها، ح: ۱۰۱۵)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ پاک ہے، وہ پاک چیز ہی قبول کرتا ہے اور اللہ نے مومنوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا، اللہ نے فرمایا: ”رسولوں پا کیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ جو تم عمل کرتے ہو میں انہیں خوب جانے والا ہوں“ (المومنون: ۵۱/ ۲۳) اور انس نے (مومنوں سے) فرمایا: ”مومنا، ہم نے جو پا کیزہ چیزوں تھیں وہی ہیں ان میں سے کھاؤ (۲/ البقرۃ: ۱۷۲)۔ اس کے بعد آپ نے اس شخص کا تذکرہ کیا جو طویل سفر کرتا ہے۔ اس کے بال پر اگنہ اور وہ غبار آ لو دھوں۔ وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے (اور کہے) میرے رب! میرے رب! مگر اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور غذا بھی حرام دی گئی تو اس کی دعا کیسے قبول ہو؟

شرح الحدیث

اس حدیث میں رزق حلال کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔ اول تو إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ فرمایا، پھر یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم رسولوں کو دیا وہی حکم اہل ایمان کو دیا۔ رسولوں سے كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ جب کہ اہل ایمان سے كُلُّوْا مِنْ طَيِّبَتِ فرمایا۔

نیپ مطالعہ حدیث میں یہ بھی بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ طیب (پاکیزہ) چیزیں ہی قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی اعمال اور اقوال قبول ہوتے ہیں جو پاکیزہ ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّمَا يُنْهَا مُكَبِّرُهُمْ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يُرَفَّعُ
(۳۵/ قاطر: ۱۰) ”تمام پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک اعمال کو وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) انخالیتات ہے۔“

کسب حلال اور اکلی حلال اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے جس کی قرآن و حدیث میں بہت تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد رب العزت ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُّوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالٌ
طَهِيْتَا (۲/ البقرة: ۱۶۸) ”لَوْ كُوْزَ مِنْ كُلِّ حَلَالٍ پَاكِيْزَهْ حَرَبَوْ میں سے کھاؤ!“

حدیث مبارکہ میں اکلی حلال کے ساتھ ساتھ عمل صالح کا بھی حکم دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے رزق حلال کی بنا پر نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ نیزان اعمال کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ اس کے عکس حرام مال سے کیا گیا صدقہ قبول نہیں ہوتا، ارشاد نبوی ہے: ”بِغَيْرِ طَهَارَةِ
(وضو) إِذَا كَانَتِ نَمَاءً أَوْ غَلُولًا (مال خیانت) سَدِيْعَ صَدَقَةَ اللَّهِ قَبْوُلَ نَهَىْ كَرِيْتَ“۔ (مسلم)
الظہارۃ، وجوب الطہارۃ للصلوۃ، ح: ۲۲۲)

ایک اور حدیث میں ہے: ”جُو شخص مالی حرام کئے اور پھر اس میں سے صدقہ کرے، اسے اس پر کوئی اجر نہیں ملتا بلکہ اس کا دبال اس پر پڑے گا۔“ (ابن حبان (الاحسان) ح: ۳۲۵۶)
ای طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مَنْ شَرَبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ صَلَوةً
آرْبَعِينَ يَوْمًا (ترمذی، الاضریب، ح: ۱۸۴۲، نیز دیکھیے صحیح الجامع، ح: ۲۳۱۲) جس شخص نے
شراب پی، اللہ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں کرے گا۔“

لحوظ: قبول شہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عمل پر خوش نہیں ہوتا اور نہ اسے اجر ملتا ہے تاہم اس کا فرض ساقط ہو جائے گا۔ واللہ اعلم (تفصیل کے لئے دیکھیے: جامع العلوم والحكم فی شریح حسین حدیث من جو امعن الکلم للام ابن رجب حنبیل ص: ۱۳۲، ط: ۱، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، الکویت)

رزق حرام کی شاعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عاجزی و انکساری سے ہاتھ اٹھا کر یارب کہہ کر دعا کرنے والے کی دعا اس لئے مسترد کر دی جاتی ہے کہ اس کی آمدنی حرام کی تھی۔ اس کا کھانا، پینا اور لباس حرام کا تھا اور حرام غذا سے ہی اس کا جسم پروان چڑھا تھا۔

فقہ الحدیث

- ۱) اللہ تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔
- ۲) اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ اور حلال اشیاء قبول فرماتا ہے۔
- ۳) مرد و عورت اور آزاد و غلام تمام اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے رزق حلال کھانے کا حکم دیا۔
- ۴) حدیث قرآن کی تفسیر ہے۔
- ۵) رسولوں کو اپنے اپنے زمانے میں رزق حلال کھانے کا حکم دیا گیا کیونکہ ان کے ادوار مختلف تھے۔
- ۶) اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ انبیاء و رسول علیہم السلام جیسے اعمال اپنائیں۔
- ۷) اعمال رزق حلال کے ساتھ قبول ہوتے ہیں۔
- ۸) نیک اعمال کرنے میں حلال روزی کو بڑا خل ہے۔
- ۹) حرام خوری سے عمل میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے جس سے عمل درجہ قبولیت پر نہیں پہنچتا۔
- ۱۰) حلال و حرام مakoلات و مشروبات اور ملبوسات بھی دین کا ایک حصہ ہے۔ ان میں بھی اسلامی احکام و آداب کو لحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔
- ۱۱) اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لینا درست نہیں (المائدۃ: ۸۷)
- ۱۲) شرعی مقاصد کے لئے کیے جانے والے سفر میں دعا قبول ہوتی ہے (دیکھیے ابو الداؤد: ۱۵۳۶)
- ۱۳) اللہ کی راہ، سفر حج، جہاد یا اصلہ رحمی وغیرہ کی غرض سے سفر کرنے والے کے جسم پر گرد و غبار پڑ جائے یا بال پر اگنہہ ہو جائیں تو اس پر اسے اجر ملتا ہے اور اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔
- ۱۴) اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنی اور صفات کے ویلے سے دعائیں لگانا درست ہے۔
- ۱۵) دعا کرتے وقت اسمائے حسنی کو تکرار کے ساتھ زبان پر لانا چاہیے۔
- ۱۶) یا رَبِّ اور رَبِّنَا وغیرہ کلمات سے دعا کرنا اپنیدہ ہے (اکثر قرآنی دعائیں انہی الفاظ سے شروع ہوتی ہیں)
- ۱۷) ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا افضل ہے۔
- ۱۸) کسی شرعی حکم کے تمام آداب کا ایک ہی حدیث میں بیان ہونا ضروری نہیں۔ ترک ذکر عدم شیخ کو سلزام نہیں (دعا میں اگر اللہ تعالیٰ کی حمد و شایان نہ کی جائے اور نہ نبی اکرم علیہ السلام پر درود پڑھا جائے تو دعا قبول نہیں ہوتی۔)

حدیث: ۱۱

شبہات ہے اجتناب کی ترغیب

عَنْ أَبِي مُحَمَّدِ الْحَسَنِ بْنِ عَلَىٰ بْنِ أَبِي طَالِبٍ - سَيِّطَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأَيْخَانَتِهِ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُدْعَ مَا يَرِيْكَ إِلَىٰ هَالَا يَرِيْكَ.

(ترمذی، صفة القیامۃ، اعتقلاها و توکل، ح: ۲۵۱۸، نسائی، الاشربة، الحث على ترك الشبهات، ح: ۱۳۷، مندرجہ احمد/۲۰۰، ح: ۱۴۲۹، متدرک حاکم ۱۳/۲)

اللہ کے رسول ﷺ کے نواسے اور آپ کی خوشبو ابو محمد حسن بن علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ (فرمان) یاد رکھا ہے: جو بات تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر اسے اختیار کرو تجھے شک میں بتلانہ کرے۔“

اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

راوی الحدیث

آپ سیدنا علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کے بڑے بیٹے ہیں۔ آپ کی ولادت رمضان ۳۰ھ کو ہوئی۔ بڑے بیٹے کے نام پر آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ (کنیت بڑے بیٹے کے نام پر رکھنی چاہیے) آپ شکل و صورت میں اپنے نانا محمد رسول اللہ ﷺ سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ حسین رضی اللہ عنہما کو احادیث میں جوانانِ جنت کے سردار اور نبی ﷺ کی خوشبو کہا گیا ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کر دیں گے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت (۲۰ھ) کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ رمضان ۳۰ھ میں مند آرائے خلافت ہوئے، قیس بن سعد الانصاری رضی اللہ عنہ نے بیعت کی ابتداء کی تو تمام عراقیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس سے پیشتر شام، مصر وغیرہ علاقوں میں کاتب و حی سیدنا معاذی رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہو چکی تھی۔

سات ماہ گیارہ دن کی منحصرہ مدت خلافت کے آخری ایام میں مسلمانوں میں فتنہ و فساد کے خدشہ اور باہمی کشت و خون کو ناپسند کرتے ہوئے شرائط صلح منوا کر آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے (اس طرح نبی اکرم ﷺ کی پیش گوئی پوری ہو گئی) جس سال شام و عراق کے مابین مصالحت ہوئی اسے (یعنی ۲۹ھ کو) عام الجمعة یا سنۃ الجمعة (اتحاد و اتفاق کا سال) کہا جاتا ہے۔

خلافت سے دستبردار ہو کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ واپس آگئے۔ اس دستبرداری کے تقریباً ۳۰ھ سال بعد ۲۹ھ میں مدینہ میں زہر خواری سے آپ کی شہادت ہوئی (اگر کسی کو زہر دے کر قتل کیا گیا ہوتا وہ شہید کہلاتا ہے۔)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، محمد الحفیہ اور عباس (ابن علی رضی اللہ عنہ) نے آپ کو عسل دیا۔ نماز جنازہ حاکم مدینہ سعید بن العاص نے پڑھائی۔ آپ کو اپنی والدہ محترمہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تربت کے پاس سپرد خاک کیا گیا۔

شرح الحديث

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حفظ (میں نے حفظ کیا) اس لئے کہا تاکہ کسی کو یہ اشکال نہ ہو کہ شاید وہ صفرتی کی وجہ سے بات یاد نہ رکھ سکے ہوں۔

یَرِيْئِكَ میں علامت مصادر کو پیش اور زبر کے ساتھ دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے تاہم زبر کے ساتھ پڑھنا زیادہ مشہور اور زیادہ صحیح ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں ذُعْمَا يَرِيْئِكَ إِلَى مَا لَا يَرِيْئِكَ کے بعد فَإِنَّ الصَّدْقَ طَمَانِيَةٌ وَالْكَذْبُ رَيْبَةٌ کے الفاظ ہیں۔ جس کا معنی ہے کہج اطمینان (کا باعث) جب کچھ وہ شک اور بے چینی (کا سبب) ہے۔

رَيْبَ کا بنیادی معنی قلق و اضطراب یعنی بے چینی اور بے قراری ہے۔ جو کہ اطمینان کے بر عکس ہے۔

حدیث کا مفہوم یہ ہو گا کہ قلق و اضطراب کو ترک کر کے وہ عمل اختیار کیا جائے جس میں اس کیفیت کے بجائے اطمینان پایا جاتا ہو۔ بھی بے چینی اور بے قراری شک کا موجب بن جاتی ہے۔

عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے ایک لڑکی سے شادی کی تو ایک عورت ان زوجین سے کہتی ہے کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے (تم دونوں رضائی بھائی ہو) اس سلسلے میں جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: كَيْفَ وَقَدْ قَيْلَ؟ "یہ کاچ کیونکر

قام رہ سکتا ہے جب کہ یہ بات کہی گئی ہے۔ اس لئے سے جب عقبہ نے علیحدگی اختیار کر لی تو اس نے کسی اور شخص سے نکاح کر لیا (بخاری، العلم، الرحلۃ فی المسألۃ النازلة، ح: ۸۹)۔

ولادت، استہلاں، رضاعت اور عورتوں کے پردے کے امور وغیرہ میں اکیلی عورت کی شہادت بھی تعلیم کی جاتی ہے۔ اس نکاح کی حلت چونکہ مشکوک ہو گئی تھی لہذا زوجین میں تفریق کروادی گئی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ کیا حرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ چند دن کی ہی توبات ہے لہذا جو چیز شک میں بتا کرے اسے چھوڑ دو۔ حرم نے جب شکار خود نہ کیا ہو تو اس میں لوگوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا تھا کہ وہ شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟

نمایا کو نماز کی رکعتوں میں اگر شک کا ازالہ ہو، نیز آخر میں ہو کے دو بحمدے بھی کرے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ شبہات سے رکنے میں باریک بنی اس شخص کے لئے ہے جس کے معاملات درست ہوں اور اس کے اعمال عموماً پر ہیز گاری پرمنی ہوں، جو شخص کھلے عام حرمتات کا مرٹک ہوتا ہوا سے مشتبہ چیزوں سے کیا غرض، جیسا کہ ایک عراقی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص (احرام کی حالت میں) کھی مار دے تو اسے کیا کفارہ دینا پڑے گا؟ اس پر آپ نے فرمایا: اہل عراق کمھی کے بارے میں سوال کرتے ہیں جب کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو قتل کر چکے ہیں، جن کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا تھا: هُمَّا زِيَّحَاتَى فِي الدُّنْيَا "یہ دونوں (حسن و حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں؟" (بخاری، فضائل اصحاب النبي ﷺ، مناقب الحسن و الحسین رضی اللہ عنہما، ح: ۳۷۵۳)

اگر شک کا ازالہ کسی عمل سے ہو سکتا ہو تو درست ہے، مثلاً یہ شک کہ معلوم نہیں قصاب نے ذبح کرتے وقت بکیر پڑھی یا نہیں! ایسا گوشت بسم اللہ پڑھ کر کھالیتا چاہیے (ابوداؤد: ۲۸۲۲، ابن ماجہ: ۳۱۷۴)

ذَعْ مَا يَرِيْتُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيْتُكَ کے حوالے سے یہ بات بھی مدد نظر رکھنی چاہیے کہ ازالہ شک کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے جو شرعی ہدایات کے خلاف ہو۔ مثلاً ایک آدمی کو خصو کرنے کا تو یقین ہے مگر خصوٹوں نے کاشک ہے۔ اس صورت میں یقین کا لحاظ کریں۔

بالخصوص اگر ایسا شک نماز پڑھتے ہوئے جنم لے تو نماز منقطع کر کے وضو کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے نبی کریم ﷺ نے متع کیا ہے۔ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا ہے خیال ہوتا ہے کہ اسے کوئی چیز (خروج رتع) دوران نماز میں محسوس ہوتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نماز نہ توڑے تا آنکھ وہ آواز سنے یا بوپائے (بخاری، الوضوء، لا توضأ من الشك حتی يتقين، ح: ۲۷۳، مسلم، الحضن، ح: ۳۶۱)

محض شک کی بنابر حدو دبھی قائم نہیں کی جاتیں، ایک عورت گفتگو، چال ڈھال اور اس کے ملاقا تیوں کی وجہ سے مخلکوں نظر آتی تھی لیکن چونکہ اس کے خلاف شہادت و سیاست نہیں تھی اس لئے نبی کریم ﷺ نے اسے رجم نہ کیا (ابوداؤد: ۲۵۵۹)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث (زیر بحث) سے ایک برا کلی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی یقینی کام شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوگا۔ مثلاً ہر فرش یا ہر جگہ یا ہر کپڑا جو پاک صاف ہو، اس کی پاکی میں اگر کوئی شک کرے تو وہ شک غلط ہوگا۔

ایمانیات میں شک کرنا جائز نہیں، جیسا کہ ائمما المؤمنون اَذْيَنْ اَمْنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا (الحجرات: ۱۵) سے ظاہر ہے۔ (شک کی مزید وضاحت اور مثالوں کے لئے حدیث نمبر ۲۰ کا مطالعہ کیجئے)

فقہ الحدیث

۱) بچہ اگر شعور کی عمر کو پہنچ پکا ہو اور وہ نبی اکرم ﷺ سے حدیث بیان کرے تو محدثین اس کی روایت کو قبول کرتے ہیں۔

۲) جس کام سے دل مطمئن نہ ہو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۳) شک کی بنابر بعض اوقات علماء کے اختلاف سے لکھنا افضل ہوتا ہے۔

۴) ریب اور شک میں قدرے فرق ہے۔

۵) محض شک کی وجہ سے یقین کو چھوڑنا جائز نہیں۔

۶) بعض معاملات میں شک پیدا ہو جانا میوب نہیں۔

۷) ایمانیات میں شک کا کوئی عمل و خل نہیں۔

۸) تمام معاملات حتیٰ کہ ازالہ شک کے لئے بھی شریعت سے رہنمائی لینا ضروری ہے۔

حدیث: ۱۲

غیر متعلق سے اجتناب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمُرْءَ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْتِبُهُ (حدیث حسن رواه الترمذی وغیره هکذا). (ترمذی، الزہد، من حسن اسلام المرء تركه ما لا يعتبه، ح: ۲۳۱، ابن ماجہ، النتن، کف اللسان فی الغتیۃ، ح: ۳۹۷۶)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "انسان کے اسلام کی یہ خوبی ہے کہ جس معاملے سے اس کا تعلق نہیں اسے چھوڑ دے۔" یہ حدیث حسن ہے۔ اسے ترمذی اور دیگر نے اسی طرح روایت کیا ہے۔

شرح الحدیث

حسن اسلام المرء سے مراد یہ ہے کہ آدمی کے دل میں ایمان اتر پڑ کا ہو اور وہ ایمان اس کے دل کی زینت ہو، نیز اس کے ظاہری اعمال بھی اسلام کے مطابق ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں نفاق کا شائستہ نہ ہو، جو شخص لا یعنی امور (غیر متعلق اعمال و اقوال) کو چھوڑ کر مفید اور با مقصد امور کو اختیار کرے وہ اپنا اسلام کمل کر لیتا ہے، ایسا شخص اپنے اسلام کو سن کا سر قع بنالیتا ہے۔

حسن اسلام المرء کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی تمام محرومات، مشتبہات، مکروہات حتیٰ کہ بالضرورت مباح امور کو بھی ترک کر دے۔ دریں صورت اس کا ایمان و اسلام کمل ہوتا ہے اور وہ درجہ احسان پر فائز ہو جاتا ہے (احسان یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے یا کم از کم یہ کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ احسان کی مزید وضاحت کے لئے حدیث نمبر ۲ کا مطالعہ کیجئے)۔ ایسا شخص لا یعنی امور میں نہیں پڑتا کیونکہ ان سے کوئی دینی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، نیز وہ اللہ تعالیٰ سے شرعاً تباہ ہے۔ وہ کرما کا تباہ سے بھی حیا کرتا ہے کہ انہیں لا یعنی امور میں مصروف کرے۔

حسن اسلام کے درجہ پر فائز ہونے والے مسلمان کو بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، ارشاد نبوی ہے: جب تم میں سے جب کسی شخص کا اسلام عمدہ ہو جائے تو وہ جو نیکی بھی کرتا ہے اس

کے بد لے اس کے لئے دس نیکیوں سے لے کر سات سو گناہ تک لکھی جاتی ہیں (مسلم، الایمان، ح: ۱۲۹، نسائی، الایمان و شرائعہ، ح: ۳۶۲۵)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! جو اعمال (گناہ) ہم نے زمانہ جاہلیت میں کئے تھے کیا ان پر ہمارا مowaخذہ ہو گا؟ آپ نے فرمایا: مَنْ أَخْسَنَ فِي إِلَّا سَلَامٌ لَمْ يُؤْخَذْ بِمَا عَمِلَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَمَنْ أَسَاءَ فِي إِلَّا سَلَامٌ أُخِذَ بِالْأُولَى وَالآخِرَ (بخاری، استتابۃ المرتدین، باب: ا، ح: ۲۹۲۱) "جو شخص اسلام کی حالت میں نیک اعمال کرتا ہا اس سے جاہلیت کے گناہوں کا مowaخذہ نہ ہو گا۔ اور جو شخص مسلمان ہو کر بھی برے کام کرتا ہا اس سے دونوں زمانوں کے گناہوں کا مowaخذہ ہو گا"۔

حسن اسلام کے مقام پر چھپنے والے کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا جاتا ہے، یعنی دل و جان سے اسلام قبول کرنے والے کو یہ انعام دیا جاتا ہے جیسا کہ فرمان اللہ یسی اللہ سیاتہم حسنیت (۲۵/الفرقان: ۷۰) سے واضح ہوتا ہے۔

بے کار اقوال و افعال کو چھوڑنے والا حکمت و دانائی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ بلاغات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ حضرت لقمان سے پوچھا گیا کہ آپ اس بلند رتبہ پر کس بنا پر فائز ہوئے؟ تو حضرت لقمان نے فرمایا: صدقُ الْحَدِيثِ وَ أَذَاءُ الْأَمَانَةِ وَ تَرْكُ مَالًا يَعْنِيُ (موطا، الكلام، ماجاء فی الصدق والکذب، ۳۷۸/۲، جمعیۃ احیاء التراث) "یعنی، امانت ادا کرنے اور جس چیز کا مجھ سے تعلق نہیں اسے چھوڑ دینے کی وجہ سے"۔

زبان کو بیہودہ باتوں، بے معنید کلام اور کثرت کلام سے روکنا بھی ترک مala یعنی کے زمرے میں آتا ہے۔ عباد الرحمن یعنی سچے مومن اس قسم کے کلام سے احتراز کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ الْلُّغُو مُغَرِّضُونَ (۲۳/المونون: ۳) "اور جو غلو کاموں سے اعراض کرتے ہیں" دوسرا مقصود مقصود ہے: وَإِذَا سَمِعُوا الْلُّغُو أَغْرَضُوا (القصص: ۵۵) "اور جب بیہودہ بات سننے ہیں تو اس سے من پھیر لیتے ہیں"۔

ایک اور مقام پر ارشادِ اللہ ہے: وَإِذَا مَرُوا بِاللُّغُو مَرُوا كِرَاماً (۲۵/الفرقان: ۷۲) "اور جب وہ بے ہودہ چیزوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو شریفانہ انداز سے گزرتے ہیں"۔

ارشاد بیوی ہے: الْحَيَاءُ وَالْعَيْشُ شُعْبَتَانِ مِنَ الْأَيْمَانِ، وَالْبُذَاءُ وَالْبَيَانُ مِنْ

النّفّاق (ترمذی، البر والصلة، ماجاء فی الحج، ح: ۲۰۲۷) ”حیا اور قلت کلام ایمان کی جب کہ نیہودہ گوئی اور کثرت کلام نفاق کی دو شاخیں ہیں۔“

امام ترمذی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: عینی کا معنی قلت کلام ہے، بذاء فیش گوئی اور بیان کثرت کلام جیسے کہ خطباء خطبه پڑھتے ہیں اور بہت باتیں بناتے ہیں اور لوگوں کی تعریف کرتے ہیں کہ جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں یعنی فساق کی مدح و شاکر تے ہیں۔ (ترمذی ۱/۱۰۱)

(اسلامی کتب خانہ، اردو بازار لاہور)

فقہ الحدیث

- ۱) مومن کو چاہیے کہ وہ اپنا ایمان مکمل کرے۔
- ۲) غیر متعلق امور کو چھوڑنا اور ان میں دخل اندازی نہ کرنا باعث فضیلت و عظمت ہے۔
- ۳) بے مقصد اقوال و اعمال سے گریز کرنا چاہیے۔
- ۴) بچا مومن مقصدیت پر نظر رکھتا ہے۔
- ۵) عمل سے پہلے اس میں تامل کر لیتا چاہیے تاکہ مقصدیت کا دامن نہ چھوٹے۔
- ۶) غیر متعلقہ امور میں بے جامد اخالت سے غلط انتہائی پیدا ہوتے ہیں۔
- ۷) امر بالمعروف اور نبی عن المکر بے جامد اخالت میں داخل نہیں ہے (نیز دیکھیے النساء: ۱۱۳)
- ۸) کافر و مشرک جب مسلمان ہو کر درجہ حسن اسلام پر فائز ہوتا ہے تو اس کے حالت کفر و شرک میں کئے ہوئے گناہ تکیوں میں تبدیل کر دیے جاتے ہیں۔
- ۹) منافقت حسن اسلام کے منافی ہے۔
- ۱۰) تکمیل و تحسین ایمان کے لئے ایجادی اعمال کے علاوہ سلبی اعمال بھی ضروری ہیں۔

حدیث: ۱۳

اخوتِ اسلامی کا تقاضا

عَنْ أَبِي حُمَزَةَ أَنَسَ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - خَادِمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

(بخاری، الایمان، من الایمان ان يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ح: ۱۳، مسلم، الایمان، الدليل على ان من خصال الایمان يحب لأخيه ما يحب لنفسه من الخير، ح: ۲۵)

الله کے رسول ﷺ کے خادم ابو حمزة انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا تا آنکہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔
راوی الحدیث

سیدنا انس بن مالک خزر جی النصاری رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا خادم ہونے کا شرف حاصل ہے۔ نبی اکرم ﷺ جب بھارت کر کے مدینہ پہنچے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلمہ بنت ملکان رضی اللہ عنہا نے انہیں آپ ﷺ کی خدمت میں دے دیا۔ اس وقت ان کی عمر سو سال تھی، نبی اکرم ﷺ نے ان کے لئے یہ دعا مانگی: اللہ! اسے مال واولاد کی کثرت عطا فرمادور جو کچھ تو نے اسے دے رکھا ہے اس میں برکت ڈال دے۔

آپ کثیر الروایتی صحابی ہیں۔ آپ سے مردوں سیکڑوں احادیث میں سے ۱۹۸ صرف صحیح بخاری اور ۱۷ صرف صحیح مسلم میں ہیں۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بعض حکومتی امور کا ذمہ دار بنا کر بھریں بھیجا تھا، آخر میں انہوں نے بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، پھر وہیں حاج بن یوسف کے زمانے میں ۹۳ھ میں ۱۰۳ سال وفات پائی۔ بصرہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی آپ رضی اللہ عنہ ہیں۔

شرح الحدیث

مومکن جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے کئی احادیث میں اس کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے: جو یہ پسند کرے کہ اسے جہنم سے نجات مل جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو پھر اسے اس حالت میں موت آئی چاہیے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر کامل ایمان رکھتا ہو، وَلِيَاتُ إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُوتَى إِلَيْهِ۔ لوگوں سے وہی سلوک روا رکھے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (مسلم، الامارة، وجوب الوقاية بعدة الأخليات الاول فالاول: ۱۸۲۳)

یزید بن اسد سے نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا: تمہیں جنت پسند ہے؟ انہوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: فَأَحِبُّ لَا يُخِيكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ (مسند احمد ۷۰/۲) ”تو پھر اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لئے کرتے ہو۔“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر پالج باتیں سکھائیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی: وَأَحِبُّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَعْنِي مُسْلِمًا (ترمذی، البرہد، من اتقى المارم فهو عبد الناس، ح: ۵۰۲۳) ”اور لوگوں کے لئے بھی وہی چیز پسند کرو جو تم اپنے لئے کرتے ہو تو تم مسلمان ہو گے۔“

ایک حدیث میں مسلمان کے بجائے مؤمنا کا لفظ ہے (دیکھیے ابن ماجہ، البرہد، الورع والتقوی، ح: ۲۷۲) (۲۷۲)

حدیث زیر بحث میں لا یؤمن سے مراد یہ ہے ایسے شخص کا ایمان کمل نہیں جو اپنے مسلمان بھائی کے لئے ویسی چیز پسند نہیں کرتا بھی اپنے لئے کرتا ہے۔ جس چیز کو اپنے لئے پسند کرتا ہے اسی چیز کو دوسرے مسلمان کے لئے بھی پسند کرے، جس چیز کو وہ اپنے لئے ناپسند کرتا ہے اپنے بھائی کے لئے بھی اسے ناپسند کرے، ایسا اسی وقت ممکن ہے جب وہ کہتے، بغرض اور حسد سے آپ کو محفوظ رکھے۔ حسد یہ کبھی نہیں چاہے گا کہ کوئی شخص بھلائی اور حصول فوائد میں اس سے فویقیت لے جائے بلکہ وہ تو یہ بھی نہیں چاہے گا کہ کوئی شخص اس کے برابر بھی ہو جائے کیونکہ وہ فضل و کمال کی بنا پر دوسرے لوگوں سے ممتاز اور منفرد ہونے کو پسند کرتا ہے، جب کہ ایمان کا تقاضا اس کے بر عکس ہے، وہ یہ ہے کہ جو خیر اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے اس میں اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں

کو بھی شامل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جو دوسروں پر برتری نہیں چاہتے اور نہ کوئی خرابی کا ارادہ رکھتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: تَلَكَ الدَّارُ الْأَخِرَةَ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ غُلُواً فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (۲۸/اقصص: ۸۳) ”یہ آخری گھر ہم اسے ان لوگوں کے لئے تھرا تے ہیں جو نہ زمین میں کسی طرح اونچا ہونے کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ کسی فساد کا، اور اچھا الجامِ تمقی لوگوں کے لئے ہے۔“

معلوم ہوا کہ مقی لوگ عاجزی اختیار کرتے ہیں اور تکبر سے بچتے ہیں، وہ حق بات کو قبول کرتے ہیں اور فتنہ و فساد نہیں چاہتے۔

اگر کوئی شخص احساں برتری کا شکار نہ ہو، لوگوں کو حیرانہ جانے اور نہ ان سے حد رکھے البتہ وہ عمده لباس اور خواراک وغیرہ استعمال کرے تو یہ متنوع نہیں۔ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتا ہے کہ مجھے حسن و جمال سے حظ و افراد ملا ہے، میں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص دوسروں بلکہ ان سے بھی کسی چھوٹی چیز میں مجھ سے بڑھ کر ہو تو کیا یہ تکبر ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ تکبر نہیں، تکبر تو یہ ہے وہ حق کو تھرا دے اور لوگوں کو تحقیر جانے (مندرجہ ۳۲۲۲: ۲۰۲، مسند رک حاکم)

حدیث مبارکہ میں آنے والے الفاظ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ کی تشریع میں بعض شارحین حدیث نے یہ لکھا ہے اس سے اس جیسی چیز مراد ہے نہ کہ وہی، کیونکہ بعض اوقات ایک چیز کا دوجہ کیا شخص کے پاس ہونا محال ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کی خواہش یہ ہو کہ اس کے بھائی کو وہی ہی عمده نعمت مل جائے جیسی اسے ملی ہے۔

یہاں یہ بات بھی مد نظر رکھنی چاہیے کہ بعض اوقات ایک مسلمان اپنے لئے وہ چیز پسند کرتا ہے جو اس کے لئے مفید ہوتی ہے مگر وہی چیز کسی دوسرے مسلمان کے لئے مناسب نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔ دریں صورت مسلمان اپنے لئے وہ چیز پسند کرے جو مناسب سمجھتا ہو اور دوسرے کے لئے وہ چیز پسند کرے جو اس کے لئے مناسب ہو۔

اسلامی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ سے بڑھ کر مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنے اوپر ترجیح دے اور اس کے لئے ایثار و قربانی کا جذبہ رکھے جیسا کہ اس فرمانِ الٰہی سے معلوم ہوتا ہے: وَيُؤثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةً (۵۹/الحضر: ۹) ”اور وہ (مومن) اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود بُنگَد دتی میں بتلا کیوں نہ ہوں۔“

سیرت صحابہ بالخصوص مواخات مدینہ میں اس ایشارکی روشن مثالیں موجود ہیں۔
مومن کا نصب الحین اس قدر اعلیٰ ہوتا ہے کہ وہ اس کے مقابلے میں دنیوی مال و متاع کو
یقین سمجھتا ہے لہذا وہ اپنا حق مسلمان بھائی کو دینے میں صرف محسوس کرتا ہے۔ یہی وہ جذبہ
ہے جس کی بنابر طبع، خود غرضی، احساس برتری، دوسروں کی حق تلفی اور ظلم واستیصال کو دبایا جاسکتا
ہے۔ جس کے نتیجے میں معاشرہ امن کا گھوارہ بن سکتا ہے۔

فقہ الحدیث

- ۱) مومن کو اپنا ایمان مکمل کرنے کی فکر ہونی چاہیے۔
- ۲) اس حدیث میں لَأَيُؤْمِنُ كَانَ طَهُورًا مَعْنَى مراد نہیں۔
- ۳) الْإِيمَانُ يَزِيدُ وَيَنْقُصُ (ایمان زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی)
- ۴) ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کے لئے خیر خواہی اور ایشارکے جذبات رکھے جائیں۔
- ۵) مومن مومن کا بھائی ہے۔
- ۶) ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے حقوق رکھے گئے ہیں۔
- ۷) ایک مسلمان جو نعمت اپنے لئے پسند کرتا ہے اگر وہی چیز دوسرے مسلمان کو دینا ممکن نہ ہو
تو یہ تمباکی جائے کہ اسے بھی اسی نوعیت کی نعمت مل جائے۔
- ۸) مومن اپنا بھلا سوچتا ہے تو دوسروں کا بھی بھلا ہی سوچے۔
- ۹) مومن اپنی تحقیر و تذلیل پسند نہیں کرتا لہذا اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔
- ۱۰) مسلمان کی نیکی، خیر اور بھلی چیزوں کی طرف رہنمائی کرنی چاہیے اور ظلم و زیادتی اور رُری
عادات سے روکنا چاہیے۔
- ۱۱) انسانیت سے گریز کرنا چاہیے۔
- ۱۲) ایشارکا مقام مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ سے بھی بڑھ کر ہے۔

حدیث: ۱۳

قتل مسلم کی حرمت اور جواز و ضرورتِ قتل کی بعض صورتیں

عَنْ أَبْنِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ ذَمْ أُمُرِّءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثَةِ الشَّيْءَ الرَّازِيَ، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالْتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ.

(بخاری، الدیات، قول الله النفس بالنفس والعين بالعين: ح: ۲۸۷۸، مسلم، القسامۃ والخواریین، ما بناج بد مسلم، ح: ۱۶۷۶)

ابن مسعود رضي الله عنه سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول الله ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں مگر ان تین وجہات میں سے کسی ایک کی بنا پر، شادی شدہ زانی، جان کے بد لے جان اور اپنے دین (اسلام) کو چھوڑنے والا یعنی جماعت (ملت اسلامیہ) سے کٹنے والا۔

شرح الحدیث

اس حدیث میں مسلمان جان کی حرمت کا تذکرہ کیا گیا ہے، کسی مومن کو معداً حق قتل کرنا بہت براجم ہے۔ اللہ تعالیٰ کافرمان ہے: وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَ آنَهُ جَهَنَّمُ خَلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعْنَهُ وَأَعْذَلَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (التساء: ۹۳/۳) ”جو کوئی مومن کو قصد قتل کردا تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہو گی اور اللہ نے اس کے لئے برا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کافرمان ہے: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَانَمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَخْيَاهَا فَكَانَمَا أَخْيَى النَّاسَ جَمِيعًا (۵/المائدۃ: ۳۲) ”جو شخص کسی کو قتل کرے گا بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے، اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو

گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا باعث ہوا۔“
جو کسی کا نا حق خون کرنے کے در پے ہو وہ تین مبغوض ترین لوگوں میں سے ہے۔
(بخاری، الدیات، ح: ۸۲۶۸)

ارشادِ نبوی ہے: لَرَوْاْلُ الدُّنْيَا اَهُوْنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ قُتْلٍ مُّؤْمِنٌ بِغَيْرِ حَقٍّ (ابن ماجہ، الدیات، التغییظ فی قتل مسلم ظلم، ح: ۲۶۱۹) ”اللہ کی نظر میں کسی مومن کا نا حق قتل کرنے سے پوری دنیا کا تباہ ہو جانا بھی کم اہمیت رکھتا ہے۔“

قیامت کے دن لوگوں میں سب سے پہلے خون کے مقدمات کے فیصلے ہوں گے (بخاری، ارقاق، القصاص، ح: ۶۵۳۳، مسلم، القيمة، الجازاة بالدماء، ح: ۱۶۷۸) بعض اوقات مومن کو قتل کی سزا دینا نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ ناگزیر ہو جاتا ہے تاکہ دوسروں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کی جاسکے۔ مومن کو قتل کرنے کی کئی صورتیں ہیں جن میں سے بعض جائز اور بعض ضروری ہیں۔ قتل مومن کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

- ۱) شادی شدہ زانی مرد و عورت
- ۲) قاتل جو عمدائی کسی مومن کو قتل کر دے۔
- ۳) مرتد (جو اسلام ترک کر دے)۔
- ۴) شرعی خلافت قائم ہو جانے کے بعد جو شخص یہ کہہ کر خلیفہ کی بیعت توڑ کر مجھے خلیفہ تشییم کر لو۔ (مسلم، الامارة، ح: ۱۸۵۲-۱۸۵۳)
- ۵) با غیب گروہ (ال مجرمات: ۹)
- ۶) مسلمانوں کے درمیان خوب و ہراس پھیلانے والے، انہیں دہشت زدہ کرنے والے اور فتنہ و فساد پھیلانے والے (المائدۃ: ۳۳، ابو داؤد، ۳۳۶۲، ۳۳۵۳، ۳۳۶۸، بخاری: ۲۲۳)
- ۷) شامان رسول ﷺ (انبیاء و رسالت علیہم السلام کو سب و شتم کرنے والے) (ابوداؤد: ۳۳۶۳، ۳۳۶۱، نسائی: ۳۰۸۲، ۳۰۷۵)
- ۸) جادوگر (مسند احمد: ۱۹۰، تیہنی: ۸/۱۳۶)
- ۹) محمد عورت سے نکاح یا بذکاری کرنے والا (ابوداؤد: ۳۳۵۷-۳۳۵۶، نسائی: ۳۳۳۲)

ترمذی: ۱۳۶۲، ابن ماجہ: ۷۰۷، حاکم: ۲۷۰، حاکم: ۱۹۱/۲)

(۱۰) اغلام باز (ابوداؤد: ۳۳۶۲-۳۳۶۳، ترمذی: ۱۳۵۶، ابن ماجہ: ۲۵۶۱)- حضرت لوط

علیہ السلام کی قوم کے تباہ ہونے کا ایک سبب بھی تھا۔

(۱۱) چوپائے سے فعلی کرنے والا (ابوداؤد: ۳۳۶۳)

ان میں سے بہت سی صورتیں پہلی تین کے تحت ہی مندرج ہو سکتی ہیں۔ حدیث زیر مطابع میں قتل مسلم کی ابتدائی تین صورتوں کا بیان ہے۔ ان کی کچھ تفصیل درج کی جاتی ہے:

۱) شادی شدہ مرد و عورت اگر زنا کے متکب ہوں اور ان کا جرم ضابط شریعت کے مطابق ثابت ہو جائے تو ان کی سزا جرم حتی الموت ہے۔ (جب کہ زانی کنوارے مرد و عورت کی سزا سوکوڑے ہے۔ النور: ۲)۔ یہ حکم زوجین کے حقوق، خاندان اور نسب کے تحفظ کے لئے دیا گیا ہے۔ رجم کے بارے میں متواتر احادیث موجود ہیں سادا حادیث رجم ۳۳ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مردی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ایسے مرد و عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا (نسائی: ۳۰۲۲، بخاری، ۶۳۳۳) اور ماعز اور غامدیہ نامی دو مسلمان مرد و عورت کو خود رجم بھی کیا (مسلم: ۱۴۹۶، ۱۴۹۵، ابوداؤد: ۳۲۲۰، ۳۲۲۳، ۳۲۲۵)

شادی شدہ زانی مرد و عورت کو متکب سے مار دینے پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رجم کے سلطے میں اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے تھے: يَأْهُلُ الْكِتَبِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يَبِينُ لَكُمْ كَثِيرًا إِمَّا كُنْتُمْ تُحَفَّظُونَ مِنَ الْكِتَبِ وَيَقُولُونَ عَنْ كَثِيرٍ (۱۵/الماکدہ) ”اہل کتاب اپنے تمہارے پاس ہمارے رسول (محمد) آگے ہیں وہ تمہارے لئے ایسے احکام کی وضاحت کرتے ہیں جو تم اپنی کتاب سے چھپاتے رہے ہو اور بہت سی چیزوں سے درگز رکتے ہیں۔“

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: جس نے رجم کا انکار کیا اس نے گویا بغیر جانے بوجھے قرآن کا انکار کیا، پھر انہوں نے یہ (ذکورہ بالا) آیت دلائل کی اور فرمایا: رجم ان احکام میں سے تھا، جنہیں انہوں نے چھپایا تھا (متدرک حاکم: ۲/۳۰۰، صحیح وافقۃ الذہبی، نسائی (الکبری) تکہۃ الشراف: ۵/۱۷۸)

اہل کتاب کی شریعت کے مطابق نبی ﷺ نے یہودی مرد و عورت کو رجم کیا تھا۔
 (بخاری، الحدود، احکام اہل الذمۃ و احسانہم اذا زنا..... ح: ۲۸۳۱، مسلم، الحدود، رجم اليهودیین، ح: ۲۲۲۶، ترمذی، الحدود، ماجانی
 رجم اہل الکتب، ح: ۱۳۳۷)

موجودہ باہل میں حضرت مولیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کتاب استثناء میں رجم کا حکم
 موجود ہے (باب: ۲۲، فقرہ ۲۲-۲۳)

قدیم زمانوں میں یہودیوں نے رجم کو ماننے سے انکار کیا تھا، انہوں نے اس مسئلے کو چھپا
 لیا تھا۔ اس مسئلے میں یہودی کی ہموائی کرنے والے مکرین حدیث وغیرہ صحیح، صریح اور متواتر احادیث
 کا انکار کر رہے ہیں۔ نیز اجماع صحابة اور اجماع امت کو بھی پس پشت ڈال رہے ہیں۔

۲) جو شخص کسی مسلمان کو قصد آنحضرت قتل کر دے اور مقتول کے ورثاء دیت لینے اور معاف
 کرنے پر رضامند نہ ہوں تو اسلامی حکومت قاتل کو قصاص میں قتل کر دیت ہے: ارشاد باری تعالیٰ
 ہے: يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصاصُ فِي الْفَتْلِي (۲/البقرة: ۱۷۸) "مُونوا
 مقتولین کا قصاص لینا تم پر فرض کیا گیا ہے۔" قصاص کا مقصد عبرت دلانا ہے تاکہ لوگوں کی جانیں
 محفوظ ہو سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ لَكُمْ فِي الْقِصاصِ خِلْوَةٌ يَا وَلِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ
 تَشْفُؤُنَ (۲/البقرة: ۱۷۹) "عَلَيْنَا! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم فکر سکو۔" اہل
 کتاب میں بھی قصاص فرض تھا جیسا کہ وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النُّفُسَ بِالنَّفُسِ (۵/المائدۃ:
 ۲۵) سے معلوم ہوتا ہے۔

بعض احادیث میں ہے کہ اگر قتل عمد ہو تو اس پر قصاص ہوتا ہے (ابوداؤد، الدیات،
 من قتل فی عما بین قوم، ح: ۲۵۳۹، سنائی، تحریم الدم، ح: ۳۷۸۱)۔ جو شخص قصاص لینے میں
 رکا دش بنے وہ اللہ کی لعنت اور غضب کا مستحق ہے اس کا نہ کوئی قتل قبول ہوتا ہے اور نہ فرض (ابو
 داؤد، الدیات، من قتل فی عما بین قوم ح: ۲۵۳۹، سنائی، القسامۃ، من قتل بجز اوسوط، ح: ۲۷۹۳،
 ابن ماجہ: ۲۶۲۵)۔ پھر سے اگر کسی کا سر کچل دیا گیا ہو تو یہ بھی قتل عمد میں آتا ہے۔ نیز قصاص
 میں قاتل کو ہی قتل کیا جاتا ہے خواہ وہ مرد کا قاتل ہو یا عورت کا (بخاری، الدیات، سوال القاتل
 حتیٰ یاق و الاقرار فی الحدود، ح: ۱، ۶۸۷۶، اذا قتل بجز او بحصاء، ح: ۷، ۶۸۷۷، مسلم، القسامۃ، ثبوت

القصاص فی القتل بالمحجر، ح: ۱۶۲، ابو داود، الديات، بیقاد من القاتل، ح: ۳۵۲۹۔
قاتل سے قصاص اسی طرح لیا جاتا ہے جیسے اس نے قتل کیا ہو (ایضاً)۔ صرف تواریخ سے
قصاص لینے کی روایت ضعیف ہے (دیکھیے ابن ماجہ: ۲۶۶۷-۲۶۶۸)

حدیث مبارکہ لا یُقْتَلُ الْوَالِدُ بْلَوْلَدٍ کی بنا پر باپ سے قصاص نہیں لیا جاتا (ابن ماجہ،
الديات، لا یُقْتَلُ الْوَالِدُ بْلَوْلَدٍ، ح: ۲۶۶۲، مسند احمد: ۱۶)

تاہم اس سے دیت وصول کی جاتی ہے (ابن ماجہ، الديات، القاتل لا یُریث، ح: ۲۶۳۶)
اسی طرح فرمان نبوی ولا یُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِالْكَافِرِ کی وجہ سے مسلمان کو کافر کے
بدے قتل نہیں کیا جاتا (بخاری، الحُجَّةُ إِلَيْهِ الْحُجَّةُ، ح: ۱۱۱، ابو داود، الديات، بیقاد لِمُسْلِمٍ مِنَ الْكَافِرِ،
ح: ۳۵۳۰، نسائی: ۲۶۳۸)

(۳) اگر کوئی عاقل، بالغ مسلمان (مرد و عورت) بغیر کسی جبر و اکراه کے اسلام سے
مخرف ہو جائے اور سمجھنے کے باوجود دوبارہ اسلام کا اقرار نہ کرے تو اس کی سزا قتل ہے۔
ارشاد نبوی ہے: مَنْ بَدَأَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ (بخاری)، استتابة المرتدین والمعاندين و
قتالهم، حکم المرتد والمرتدۃ، ح: ۲۹۲۲، ابو داود، الحدود، الحکم نہیں ارتدا، ح: ۳۳۵۱) ”جو شخص اپنا
دین بدل لے اسے قتل کر دو۔“

بَدَأَ دِينَهُ اور التَّارِكُ لِدِينِهِ سے مراد اسلام سے انحراف ہے۔ (یہودی کا نصرانی،
نصرانی کا یہودی، ہندو کا سکھ اور سکھ کا ہندو ہونا وغیرہ مراد نہیں) کیونکہ حدیث کے شروع میں
آنے والے الفاظ دُمْ أَمْرِي مُسْلِمٍ سے ہی استثناء ہے جب کہ بعض احادیث میں اُوْ رَجُلُ
إِرْتَدَ بَعْدَ إِسْلَامِهِ، وَإِرْتَدَادِ بَعْدَ إِسْلَامٍ، كُفَّرْ بَعْدَ إِسْلَامٍ کے صریح الدلالۃ الفاظ موجود
ہیں۔ نیز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جب بالغ قتل کرنا چاہتے تھے تو آپ نے ولا ارتدادث مُنذُ
آسِلَمْتُ اور مُنذُ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ الْبَلَى کے الفاظ کہے۔ (ابو داود، الديات، الامام بـا
مر بالحقوقی الدم، ح: ۲۵۰۲، ترمذی، الفتن، ماجاء بالتحل دم امری، مسلم الابا بحدی ثلث، ح: ۲۵۸:
ابن ماجہ، الحدود، لا تحل دم امری مسلم الابا ثلث، ح: ۲۵۳۳)

بعض لوگ اسلام کو بدنام کرنے اور نو مسلموں کو اسلام سے برکشنا کرنے کے لئے بد نیتی
کی بنا پر دھوکہ دی کے لئے وقتی طور پر اسلام قبول کر لیتے تھے جیسا کہ یہود کا وطیرہ تھا۔

اسلام ایک ضابطہ حیات اور قانون بھی ہے لہذا اس کے باعث کو بغاوت کی سزا جو کہ قتل ہے، وی جاتی ہے، ہر مذہب و ملت اور قانون میں بغاوت کی سزا قتل ہے۔ اسلام کے باعث کو دراصل دھوکہ دہی اور تو ہیں اسلام کی سزا دی جاتی ہے۔ مسلمان ہونے والے کے لئے واپسی کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے تاہم اسلام قبول کرنے سے پہلے اسے اختیار تھا کہ وہ چاہتا تو اسلام قبول نہ کرتا کیونکہ کسی کو مسلمان بنانے کے لئے اسلام جنمیں کرتا جیسا کہ لا اکر راء فی الدین (آل بقرۃ: ۲۵۶) سے عیاں ہے۔

حدیث میں آنے والے المفارق للجماعۃ دراصل التارک لدینہ کی ہی وضاحت ہے۔ یہاں جماعت سے ملت اسلامیہ مراد ہے، مسلمانوں کا کوئی خاص گردہ یا تنظیم مراد نہیں۔ کوئی شخص ان تنظیموں میں شامل ہو یا نہ ہو وہ مسلمان ہی شمار ہوتا ہے۔

فقہ الحدیث

- ۱) مسلمان کو ناجتن قتل کرنا حرام ہے۔
- ۲) قرآن و حدیث کے حکم اور اجازت سے بعض مسلمانوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔
- ۳) حدود و تحریرات اور قصاص کے احکام مردوں کی طرح عورتوں پر بھی لاگو ہوتے ہیں۔
- ۴) حال و حرام کا اختیار اللہ اور اس کے رسول کے پاس ہے۔
- ۵) خون بہانات قتل سے کنایہ ہے۔ خون بہائے بغیر بھی مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے۔
- ۶) مسلمان کو قتل کرنے کے اسباب تین میں مختصر نہیں ہیں۔
- ۷) قواعد و ضوابط میں استثناء کو تسلیم کرنا چاہیے۔
- ۸) شادی شدہ زانی اور غیر شادی شدہ زانی کی سزا میں فرق ہے۔
- ۹) شادی شدہ زانی مردوں عورت کی سزا رجم ہے۔
- ۱۰) بیٹے کے قصاص میں باپ کو قتل نہیں کیا جاتا۔
- ۱۱) مومن کو کافر کے قصاص میں قتل کرنا جائز نہیں۔
- ۱۲) اظہار رائے کی آزادی حدود و قیود کے بغیر نہیں ہوتی۔
- ۱۳) مرتد اگر توبہ نہ کرے تو اس کی سزا قتل ہے۔
- ۱۴) مسلمانوں کو ارتداد سے جہاں تک ممکن ہو روکنا چاہیے۔

- ۱۵) اسلام سے سخرف ہونے والے کو بھی اسلامی قوانین کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔
- ۱۶) مسلمان ملت واحدہ ہیں جس کی انہیں پاسداری کرنی چاہیے۔
- ۱۷) اسلام میں جان، خاندان، ازدواجی حقوق، نسب، عزت اور دین کے تحفظ کے معقول انتظامات کئے گئے ہیں۔

حدیث: ۱۵

مومن سے ایمان کے تین مطالبات

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَيَقُولْ خَيْرًا أَوْ لَيَضْمُنْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَيُكْرِمْ ضَيْفَهُ . وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَيُكْرِمْ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَيُكْرِمْ ضَيْفَهُ . (بخاری، الادب، من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلا یوز جاره، ح: ۲۰۱۸، مسلم، الایمان،

الحدث على اکرام الجار والضیوف وزرور المصنف الاعن انحر..... ح: ۲۷)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوا سے چاہیے کہ وہ خیر کی بات کرے یا پھر خاموش رہے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے اور جو شخص اللہ اور آخری دن پر ایمان لاتا ہو وہ اپنے نمہمان کی عزت کرے۔

شرح الحدیث

یہ حدیث کسی طرق سے مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ بعض میں فَلَيُكْرِمْ جَارَةَ کے بجائے فَلَا يُؤْذِنَ جَارَةً اور فَلَيُكْرِمْ ضَيْفَهُ کے بجائے فَلَيُخْسِنْ قِرْبَى ضَيْفَهُ کے الفاظ ہیں۔ جب کہ بعض میں ہمسائے کے تذکرے کے بجائے فَلَيَصْبِلْ رَحْمَةً کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لاتا ہوا سے چاہیے کہ وہ صدر حجی کرے۔ والدین اور دیگر اعزہ و اقرباء کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اچھے لوگ صدر حجی جب کہ برے لوگ قطع حجی کرتے ہیں۔

حدیث میں بیان کردہ تین معاشرتی آداب کو اپنانے کا حکم اسے دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر کامل یقین رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا اور یوم آخرت کو جوابدی کا عقیدہ رکھنے والا ان معاشرتی آداب کی خلاف درزی سے گریز کرتا ہے۔

حدیث میں بیان کردہ تین معاشرتی آداب یہ ہیں:

۱۔ پہلی چیز جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اچھی بات کی جائے

اور اگر اچھی بات نہ کہنا ہو تو خاموشی اختیار کر لئی چاہیے۔ انسان کو ہر بات سوچ سمجھ کر کہنی چاہیے کیونکہ اس کی باتیں تحریر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدِيْهِ رَقِبٌ عَيْنِدٌ** (۵۰/ق:۱۸) ”وہ (انسان) جو کچھ بولتا ہے (اس کو لکھنے کے لئے) اس کے پاس ایک گران تیار ہوتا ہے۔“

الہذا مومن کو سوچ سمجھ کر لفظ کرنی چاہیے۔ زبان کو اللہ کے ذکر، توبہ و استغفار اور کلمہ خیر میں مشغول رکھنا چاہیے۔ اسے فضول باتوں اور کلمہ شر سے پاک رکھنا چاہیے۔ ارشاد بیوی ہے: بہت سے لوگوں کو ان کی زبانوں کی کاث (لفظ) منہ کے بل جہنم میں گرانے گی۔ (ترمذی، الایمان، ماجاء فی حرمة الصلاة، ح: ۲۶۱۶)

زبان بحروم (جسامت) کے لحاظ سے چھوٹی مگر اس کے جرم بڑے بڑے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ توارکے زخم تو مندل ہو جاتے ہیں مگر زبان کے زخم مندل نہیں ہوتے۔

حدیث بیوی میں ہے کہ آدمی (بعض اوقات) بات کرتا ہے، اسے اس بات کی علیین کا اندازہ نہیں ہوتا مگر وہ اسی بات کی وجہ سے مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ جہنم کی گہرائی میں جا گرتا ہے (بخاری، الرقاۃ، حفظ اللسان، ح: ۷۷، مسلم، الزہد، حفظ اللسان، ح: ۲۵۹؛ ترمذی، بعض احادیث میں ہے کہ ایسا شخص جہنم میں ستر سال تک گرتا چلا جائے گا۔ (مسند احمد، ح: ۶۱۷-۶۱۸، ترمذی، الزہد، ح: ۲۳۱۲)

کلمہ کفر و شرک، افتراء پردازی، استہزا، شہادت زور (جموٹی گواہی)، جھوٹ، جادو، بہتان، طعن و تشنیع، سب و شتم، غیبت اور چغلی وغیرہ ایسے گناہ ہیں جو زبان سے ہی سرزد ہوتے ہیں، معاشرے میں بڑے بڑے فتنے، خاندانوں کی باہمی لڑائیاں، محلے داروں کی چپکش اور پیشتر خون خرابوں کے پس منظر میں زبان کے نشتر ہی بتاہی و بر بادی پھیلارہ ہے ہوتے ہیں۔

کلمہ حق امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دیگر اچھی باتوں سے خاموشی اختیار کرنا درست نہیں، ایک شخص نے چپ رہنے کی نذر مانی تھی، آپ نے اس سے فرمایا کہ وہ بات کرے (بخاری، ح: ۶۰۳-۶۰۷)۔ اس کے برعکس جو شخص اس بات کی گرفتی دے کر وہ زبان اور شرمگاہ کو غلط استعمال نہیں کرے گا اسے رسول اللہ ﷺ نے جنت کی حضانت دی ہے (بخاری، الرقاۃ، حفظ اللسان، ح: ۲۲۷)۔ ایک اور حدیث میں ہے: **مَنْ صَمَّتْ نَجَّا** (ترمذی، الصحیح: ۵۳۶) ”جو خاموش رہا

نجات پا گیا۔“

تا مرد خن نا گفتہ باشد

عیب و ہر ش نہفتہ باشد (سعدی)

۲) قرآن و حدیث میں ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی بڑی تاکید کی گئی ہے، ارشاد پاری تعالیٰ ہے: وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسْكِينَ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ (۳۶: النساء) ”اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراو، والدین کے ساتھ احسان کرو، اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار (قریبی) پڑوی اور جنپی (یادوں کے) پڑوی اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ بھی (حسن سلوک کرو)۔“

ارشاد بڑی ہے: اللہ کے نزدیک بہترین پڑوی وہ ہے جو اپنے پڑوسیوں کے حق میں بہتر

ہو (ترمذی، البر والصلة، ماجاء حق الجوار، ح: ۱۹۲۲)

ایک اور حدیث میں ہے: مجھے جریل ہمسائے کے ہارے میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے خیال ہوا کہ اسے وراثت کا بھی حقدار ٹھہرایا جائے گا (ایضاً: ۱۹۲۲، بخاری، الادب، الوصیة بالجار، ح: ۲۰۱۳، ۲۰۱۵، مسلم، البر والصلة، الوصیة بالجار والاحسان الیہ، ح: ۲۲۲۷-۲۲۲۵)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حسب استطاعت کھانے پینے اور دیگر اشیاء پیش کر کے ہمسایہ کی خبر گیری کی جائے، نیز پڑوی کے بدیے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ (بخاری، البہبة، ح: ۲۵۶۶، مسلم، الزکوة، الحث على الصدقۃ ولو بالقليل ح: ۱۰۳۰، البر والصلة، ح: ۲۲۲۵)

اگر سب ہمسایوں کو بدیہی سمجھنے کی استطاعت نہ ہو تو اسے بدیہی بھیجا جائے جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو (بخاری، الشفعة، ای الجوار اقرب، ح: ۲۲۵۹)

۔ اک شجر محبت کا ایسا لگایا جائے

جس کا ہمسائے کے آنکن میں بھی سایہ جائے

ہمسایوں کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کا معاملہ کرنا چاہیے، جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزہ

آخرت پر یقین رکھتا ہوا سے چاہیے کہ ہمسایہ کو اذیت نہ دے۔ نبی اکرم ﷺ نے تین ذفعت فرمایا: اللہ کی قسم! وہ (کامل) مومن نہیں۔ لوگوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! کون؟ آپ نے فرمایا: جس کا ہمسایہ اس کی ایذا رسانیوں اور شرارتؤں سے محفوظ نہ ہو۔ جب کہ ایک اور روایت میں ہے کہ ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا (بخاری، الادب، اثم من لم یامن جارہ بوا لئے، ح: ۲۰۱۶؛ مسلم، الایمان، تحریک ایذا اعلیٰ الجار، ح: ۳۶)

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ زنا کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: یہ حرام ہے، اسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور وہ تا قیامت حرام ہے، تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمسایہ عورت سے بدکاری کرنا دیگر دس عورتوں کے ساتھ بدکاری کرنے سے بھی بڑھ کر تگھین جرم ہے۔ پھر آپ نے لوگوں سے پوچھا: چوری کے بارے میں تمہارا کیا موقف ہے؟ انہوں نے کہا کہ چوری حرام ہے، اسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔ لہذا یہ قیامت تک حرام ہے۔ آپ نے فرمایا: دس گھروں میں چوری کرنا اس سے کتر (گناہ) ہے کہ آدمی ہمسائے کے گھر میں چوری کرے (مندادہ، ح: ۲۲۸۳۳) ہمسائیگی کے حقوق کی بنیار جرم کی شناخت بڑھ جاتی ہے۔ ہمسائے کو تھک کرنے والے اور اسے پریشان کرنے والے پر اللہ اور لوگوں کی لعنت برستی ہے (مستدرک حاکم، ۸۳/۲، ابو داؤد، الادب، حق الجوار، ح: ۵۱۵۳)

پڑوی کو اذیت دینے والی عورت جہنم میں جائے گی اگرچہ وہ عبادت کرنے والی، تہجد گزار اور روزے رکھنے والی ہو (مندادہ، ح: ۲۲۰/۲)۔ رُزے ہمسائے سے نبی اکرم ﷺ نے اللہ کی پناہ مانگتے تھے: أَغُوْذُ بِكَ مِنْ جَازِ السُّوءِ فِي ذَارِ الْأَقْامَةِ "میں برے پڑوی سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔ (الکبیر للطبری اتنی، صحیح الباجع، ح: ۱۲۹۹)

۳) اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے والوں سے تیرا مطالبہ یہ کیا گیا ہے کہ مہماںوں کی تکریم کریں۔

تکریم ضیف کا مطلب یہ ہے کہ خندہ پیشانی اور شرح صدر کے ساتھ اس کا استقبال کیا جائے۔ خوش دلی کے ساتھ حسب استطاعت اس کی ضیافت کی جائے۔ نیز اس کے راحت و آرام کا حتی المقدور خیال رکھا جائے۔ ارشاد نبوی ہے: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اسے

مہمان کی عزت کرتے ہوئے اس کا جائزہ (حق) ادا کرنا چاہیے۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اس کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک دن اور رات (حسب استطاعت بہتر کھانا تیار کرے) اور مہمان نوازی تین دن ہے۔ اس کے بعد (مہمان کی خدمت و تواضع) اس پر صدقہ ہے۔ (بخاری، الادب، اکرام الصفیف، وخدمۃ ایامہ نفس، ح: ۲۱۳۵؛ مسلم، المقطۃ، الفیاقۃ، ح: ۳۸)

یعنی مہمان نوازی کے تین دنوں میں سے پہلے دن عمدہ کھانے کا اہتمام کیا جائے جب کہ باقی دو دن حسب معمول ضیافت کی جاسکتی ہے۔ تین دن کے بعد بھی اگر مہمان غیرے تو اس کی مہمان نوازی صدقہ شمار ہوگی یعنی مہمان نوازی کے ثواب کے بعد میزبان کو صدقہ کرنے کا اجر دیا جائے گا۔

مہمان نوازی انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کا طریقہ ہے۔ قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے (مہمانوں سے پوچھے بغیر) ایک پلا ہوا چھڑا بھون کر انہیں پیش کیا (الذاریات: ۲۲-۲۳)

ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے مہمان کو اپنا مہمان بنایا، کھانا چونکہ کم تھا اس لئے انہوں نے پہیت بھر کر کھانا کھلادیا اور خود نہیں کھایا اور مہمان کو پہیت بھی نہیں چلنے دیا۔ اللہ ان سے بہت خوش ہوا، اور یہ آیت نازل کی: وَيُؤثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصْاصَةً (۵۹/ الحشر: ۹) یعنی وہ اپنی ضرورت پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں (مسلم، الاضریۃ، اکرام الصفیف وفضل ایثارہ، ح: ۲۰۵۲)

اگر کوئی شخص مہمان کی ضیافت کر سکتا ہو تو دسرے لوگوں کو چاہیے کہ وہ مہمان نوازی کریں۔ قرآن مجید سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ محدثوں لوگ مہمانوں کے سامنے میزبان کی عزت اور بھرم کا خیال رکھتے ہیں۔ جب کہ نادان لوگ میزبان کو مہمان کے سامنے بے آبرو کر دیتے ہیں۔ مہمانوں کو ایذہ اپنچانا میزبان کی توہین ہے۔ حضرت ابو طلحہ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: وَلَا تُخْرُوْنَ فِي ضَيْفِي الْبَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ (ہود: ۷۸) اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوانہ کر دو، کیا تم میں سے کوئی بھی محدث ادا نہیں ہے؟

جو لوگ استطاعت ہونے کے باوجود مہمان کی ضیافت سے انحراف کرتے ہیں وہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ میں آنے والے الفاظ فَأَبْوَا أَنْ

يُصَيْقُوْهُمَا (۱۸/الکھف:۷۷) میں اس کا اشارہ ملتا ہے۔

تاہم مہمان کو بھی چاہیے کہ میربان کی عزت کا لحاظ رکھے اور بلا ضرورت زیادہ دریکھ تھہر کر میربان کو بھی اور پریشانی میں بدلانہ کرے۔ ارشاد نبوی ہے: کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی (مسلمان) کے پاس اتنی دریکھرے کے لئے گناہ گار کر دے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ امہمان اسے گناہ گار کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا: وہ اس کے پاس یہاں تک تھہرا رہے کہ اس کے پاس مہمان نوازی کے لئے کچھ نہ رہے (مسلم، المحتله، الفضیلۃ ح: ۲۸)

فقہ الحدیث

- ۱) شریعت اسلامیہ میں معاشرتی زندگی سے متعلق بھی ہدایات دی گئی ہیں۔
- ۲) ایمان کے مطالبات تسلیم کرنے سے معاشرتی معاملات بھی بہتر ہو سکتے ہیں۔
- ۳) اعمال ایمان میں داخل ہیں۔
- ۴) اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لانے کے نتیجے میں اللہ کے سامنے جواب دی کا تصور اجاگر کرنا چاہیے۔
- ۵) چپ رہنے کے بجائے اچھی بات کرنا بہتر ہے۔
- ۶) اچھی بات نہ کرنا ہو تو چپ رہنا چاہیے۔
- ۷) تمام اقسام کے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔
- ۸) ہمسایوں سے حسن سلوک صدر حمی کا ہی ایک پہلو ہے۔
- ۹) پڑوسی کو ایذا پہنچانا عام لوگوں کو اذیت دینے سے دس گناہ برا جرم ہے۔
- ۱۰) مہمان کا حق تین دن تک ہے۔ تین دن کے بعد اس پر کئے جانے والے اخراجات صدقہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔
- ۱۱) مہمان نوازی انبیاء و رسول علیہم السلام کی سنت اور ان کی تعلیمات کا حصہ ہے۔
- ۱۲) حقوق کے ساتھ ساتھ فرائض کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔
- ۱۳) اسلام ایسے امور کی تغییب دیتا ہے جن سے مسلمانوں میں ایک دوسرے کی معاونت اور محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

حدیث: ۱۶

طیش کی ممانعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُوْصِيْتُ، قَالَ: لَا تَغْضِبْ، فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ: لَا تَغْضِبْ.
(بخاری، الادب، الخدر من الغضب، ح: ۲۱۶)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپ مجھے وصیت فرمائیں! آپ نے فرمایا: غصہ نہ کیا کرو، اس نے سوال بار بار دہرایا تو آپ نے (ہر بار) یہی جواب دیا کہ غصہ نہ کیا کرو۔

شرح الحدیث

نبی اکرم ﷺ سے مختلف اوقات میں کئی لوگوں نے جب آپ سے نصیحت طلب کی تو آپ نے انہیں لَا تَغْضِبْ فرمایا۔ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آ کر عرض کرتا ہے یا رسول اللہ ﷺ مجھے کچھ سکھا دیں مگر بہت زیادہ بتانا نہ کریں یاد رکھ سکوں۔ آپ نے فرمایا: لَا تَغْضِبْ غصہ نہ کیا کرو؟ اس کے بار بار پوچھنے کے باوجود آپ نے یہی جواب دیا (ترمذی، البر والصلة، ح: ۲۰۲۰، مسند احمد، ح: ۱۵۳۹۸)

طریقی میں ہے کہ ایک آدمی عرض کرتا ہے یا رسول اللہ ﷺ! ایک ایسا عمل بتا دیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے مگر زیادہ اعمال نہ بتانا (کہ کہیں یہ نہ ہو کہ میں یاد ہی نہ رکھ سکوں) آپ نے فرمایا: لَا تَغْضِبْ وَلَكَ الْجَنَّةُ ”غضہ نہ کیا کریں تمہارے لئے جنت ہے“۔ اس کے بار بار سوال کرنے پر آپ نے یہی جواب دیا۔ (صحیح الباجع، ح: ۷۳۴۲)

ایک آدمی نے نبی ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے اسے غصہ کرنے سے منع کیا۔ وہ آدمی کہتا ہے کہ جو آپ نے فرمایا تھا میں نے اس میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ **الغَضَبُ يَخْمَعُ الشَّرُّ كُلُّهُ** ”غضہ ساری شر کا مجموعہ ہے۔“ (مسند احمد، ح: ۲۲۰۸۸)

جن لوگوں کو آپ نے غصہ سے منع کیا، زیر مطالعہ حدیث کی شرح میں فتح الباری میں ان کے نام جاریہ بن قدامة، سفیان بن عبد اللہ الثقیفی، ابو درداء اور عبد اللہ بن عمر ذکر کئے گئے ہیں۔ غصے

کی حالت میں اکثر لوگوں سے چونکہ اعتدال کا دامن چھوٹ جاتا ہے اس لئے کئی لوگوں کو تکرار کے ساتھ لا تغضب ”غضنه کر“ فرمایا۔

غضنه سے پہلے لا تغضب سے مقصود یہ ہے کہ آدمی کوشش کرے کہ اسے غصہ آئے۔ تا آنکہ غصہ نہ کرنا اس کی عادت کا حصہ بن جائے۔ وہ ایسے اسباب اپنائے جن کی بنا پر اسے غصہ نہ آئے۔ عاجزی و انکساری، حلم و بردباری، غفو و درگز را اور خندہ پیشانی سے مانادیغیرہ غصے کو روکتا ہے۔

جب غصہ آجائے تو اس وقت لا تغضب کا مطلب ہو گا کہ غصے کے کہنے پر عمل نہ کیا جائے۔ جب انسان مغلوب الغصب ہو تو اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ غصہ گویا کہ اسے برائی اور معصیت پر اکسا رہا ہوتا ہے اور نیکی سے رکنے کا حکم دے رہا ہوتا ہے۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَصْبُ (۱۵۲: ۷/الاعراف)** ”جب موی کا غصہ خاموش (فرو) ہوا۔“

جب انسان غصہ کی بات نہیں مانتا تو اس کا شر بھی رک جاتا ہے۔ گویا کہ وہ غصے میں آیا ہی نہیں تھا۔ قرآن پاک میں اس مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: **وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُنَّ يَغْفِرُونَ (۳۲/الشوری: ۳۷)** ”جب وہ (مومن) غصہ میں آتے ہیں تو معاف کردیتے ہیں۔“ ایک اور آیت میں متفقین کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْغَافِينَ عَنِ النَّاسِ (۱۱/آل عمران: ۱۳۲)** ”اور وہ غصے کو پی جانے اور لوگوں سے درگز کرنے والے ہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف کسی شخص نے بات کی مگر انہوں نے اسے حکم قرآن کی بنا پر معاف کر دیا (بخاری: ۵۶۳۳)

عام حالات میں کسی کی غلطی سے درگز رکنا آسان گر غصے کی خالت میں بہت دشوار ہوتا ہے۔ جو مومن اس حالت میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: انسان جو پکھ پیتا ہے، اس میں اللہ کے نزد یک ذیادہ اجر والا دھوکہ ہے جو اس نے اللہ کی رضا کی خاطر پیا (ابن ماجہ، الزہد، الحلم، ح: ۳۱۸۹)

ایک اور حدیث میں ہے: **مَنْ كَفَ عَصْبَهُ سَتَرَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ كَظَمَ غَيْظَهُ وَلَوْ شَاءَ أَنْ يُمْضِيَهُ أَمْضَاهُ مَلَأَ اللَّهُ قَلْبَهُ رَجَاءً يَوْمَ الْقِيَامَةِ** ”جو شخص اپنے غصے کو روکے اللہ

اس کے عیوب پر پردہ ڈالے گا اور جو شخص اپنے غصے کو ایسی حالت میں پی جائے کہ اگر وہ غصہ پورا کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا تو اللہ اسے قیامت کے دن امید سے بھردے گا۔ (ابن القاسم الادب للطبرانی، ح: ۲۰۳، مسلم صحیح: ۹۰۶، نیز دیکھیے تقریباً اسی معنی کی روایت کنز العمال: ۱۶۳)

بعض دیگر احادیث میں بھی اس شخص کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو غصہ پورا کرنا چاہے تو کر سکتا ہو مگر وہ پی جائے (ابوداؤد، الادب، من کنظم غیظاً، ح: ۷۷۷، ترمذی: ۴۰۲۱، ابن ماجہ: ۳۸۲) ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پہلوان اور طاقتور تو وہ شخص ہے جو غصے کی حالت میں اپنے آپ پر قابو رکھے (بخاری، الادب، المخدر من الغضب، ح: ۲۱۱۳، مسلم، البرفضل من يملک نفسه عند الغضب، ح: ۲۶۰۹، ابوداؤد: ۷۷۹)

غضے کو کافور کرنے کے لئے مندرجہ ذیل شرعی تجویز اور ہدایات پر عمل کیا جائے:

۱) أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھا جائے (بخاری: ۲۱۱۳، مسلم: ۲۶۰۹) یا یہ

پڑھے: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (ابوداؤد: ۳۷۸۰)

۲) جب غصہ آئے تو آدمی خاموش ہو جائے (مندادحمد: ۲۰۲۹)

۳) اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے (ابوداؤد: ۳۷۸۲)

۴) اگر پھر بھی غصہ ختم نہ ہو تو لیٹ جائے (ایضاً) (ہیئت تبدیل کرنے سے بھی مزاج کی کیفیت بدلتی ہے)

۵) غصے کی آگ کو دھوکر کے ٹھنڈا کیا جائے (ابوداؤد: ۳۷۸۳)

غضے کی استثنائی صورت

اللہ تعالیٰ کی حرمتوں، شعائر اور احکام کی پامالی پر اللہ کی خاطر غضبناک ہونا ایمان کا حصہ اور سنت نبوی ہے۔ نبی اکرم ﷺ خلاف شریعت عمل دیکھتے تو آپ کے چہرے مبارک کارنگ متغیر ہو جاتا، آپ شدید غصے میں آتے اور بختی کرتے بلکہ حرمات اللہ کی پامالی پر لوجه اللہ انتقام بھی لیتے۔ کسی کو سرزنش کرنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ بھی کرتے۔ صحیح بخاری کتاب الادب میں اس قسم کی کئی روایات موجود ہیں۔ ان احادیث پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تجویب مندرجہ ذیل ہے: باب ما یکوز من الغضب والبغضاء لامر اللہ عزوجل و قال اللہ تعالیٰ: جَاهِدُ الْكُفَّارَ وَالْمُنَفِّقِينَ وَأَغْلُظُ عَلَيْهِمْ (۹/ التوبۃ: ۲۶، ۷۳ / الحرمی: ۹)

- ☆ پردازے پر تصاویر دیکھ کر آپ ملائیشیم نا راض ہوئے (بخاری ایضا)
 - ☆ ایک امام کے بہت زیادہ بُنی نماز پڑھانے پر آپ نے لوگوں کو فتحت کے درمان میں شدید غصہ کیا (ایضا)
 - ☆ آپ ملائیشیم نے مسجد میں قبلہ جانب تھوک دیکھا تو صاف کر دیا اور لوگوں کے ایسا کرنے پر آپ غصے ہوئے (ایضا)

- ☆ ایک آدمی کے بے مقصد سوال کرنے پر آپ غصے ہوئے (ایضا)
- ☆ غنائم کی محمدی تقسیم پر مخالفوں نے اعتراض کیا تو آپ بہت غصے ہوئے (بخاری: ۳۱۵۰، مسلم: ۱۰۶۲)

نبی ﷺ کو کفار و مشرکین پر بھتی کرنے کا حکم دیا گیا تھا جیسا کہ وَأَغْلُظُ عَلَيْهِمْ سے طاہر ہے، تاہم غصے کی حالت میں بھی آپ ﷺ حق اور حق ہی کہتے، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں لگاتے تھے: أَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الْفَضْبِ وَالرَّضَا (مسند احمد: ۶۰۵۷، نسائی، المسنون، ج: ۱۲۲۷-۱۲۳۸) ”(اے اللہ) میں تمھے سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے غصے اور خوشی میں فلکہ حق کہنے کی توفیق عطا فرماء۔“

کفار کے خلاف نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کی ولی کیفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَاتِلُوهُمْ يَعْذِبُهُمُ اللَّهُ بِإِيمَانِكُمْ وَيُخْزِهُمْ وَيُنْصَرِّكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِعُ
عَدُوُّكُمْ قَوْمٌ مُؤْمِنُونَ ۝ وَيُلْهِبُ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ (۹/التوبۃ: ۱۳-۱۵) ”ان (کفار و
مشرکین) سے لڑو۔ اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب میں ڈالے گا، انہیں رساوا کرے گا اور
تمہیں ان پر غلبہ دے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا بخشے گا اور ان کے دلوں سے غصہ دور
کرے گا.....“

فقہ الحدیث

- ۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ سے نصیحت طلب کرتے تھے۔
 - ۲) نبی اکرم ﷺ لوگوں کی ضرورت کے مطابق انہیں ہدایات دیتے، جسے جس نصیحت کی زیادہ ضرورت ہوتی اسے وہی نصیحت فرماتے۔
 - ۳) بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زیادہ مسائل پوچھنے کی بجائے جامی امور دریافت کرتے

- تاکہ انہیں یاد رکھنا آسان ہو اور ان پر عمل بھی کیا جاسکے۔
- (۳) اعلیٰ اخلاق اپنا نادرادی سے بچنا اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے۔
- (۴) برے اخلاق سے روکنے سمت نبوی ہے۔
- (۵) شریعت اسلامیہ میں غصہ روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز لوگوں کو بھی غیظ و غضب سے روکنا چاہیے (کیونکہ اس کے متاثر بہت نقصان دہ ہوتے ہیں)
- (۶) اگر کوئی غصہ روکنا چاہتا ہو تو روک بھی سکتا ہے۔
- (۷) غصہ نہ کرنا جنت میں جانے کا ایک سبب ہے۔
- (۸) کسی تاکیدی حکم کو اگر ایک سے زیادہ مرتبہ دہرانے کی ضرورت ہو تو اسے دہرا لیا جائے۔
- (۹) صبر و تحمل اور سنجیدگی اچھی صفات ہیں۔
- (۱۰) احکام شریعت کی پامال پر غصبناک ہونا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔
- (۱۱) حدود الہیہ کو پامال کئے جانے پر غصے میں آتا اور سختی کرنا ان بیانات علیہم السلام کی سنت ہے۔

حدیث: ۷۱

ہر کام میں احسن طریقہ

عَنْ أَبِي يَعْلَمِ شَدَادِ بْنِ أُوْسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأُحْسِنُوا الْقِتَلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأُحْسِنُوا الذِبْحَةَ، وَلَيُجَدِّدَ أَخْذُكُمْ شَفَرَتَهُ وَلَيُرِخَ ذَبِيْحَتَهُ۔
(مسلم، الصید والذبح، الامر باحسان الذبح والقتل وتحريم الذبح، ج: ۱۹۵۵)

ابو یعلیٰ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے ہر کام کو اچھے طریقے سے کرنا ضروری قرار دیا ہے، جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، تمہارے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی چھری تیز کر لے اور اپنے ذیجمہ کو آرام پہنچائے۔

راوی الحدیث

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو یعلیٰ ہے، بعض نے ابو عبد الرحمن بھی بیان کی ہے۔ آپ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سنتیجے ہیں۔ آپ کاشمار عباد الصحابة (شب بیداری اور دیگر نفل عبادات کرنے والے صحابہ) میں ہوتا ہے۔ آپ فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔ آپ سے مردی احادیث کی تعداد پچاس ہے۔ صحیحین میں سے صرف صحیح مسلم میں بھی ایک روایت آپ سے مردی ہے۔ آپ کی وفات ۵۸ھ میں بیت المقدس میں ہوئی۔

شرح الحدیث

اس حدیث میں ہر کام کو اچھے طریقے اور خوبصورتی سے کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَ مُحْسِنٌ فَأُحْسِنُوا إِذَا قُتِلَ أَخْذُكُمْ فَلَيُحْسِنُ مَقْتُولَهُ وَإِذَا ذَبَحَ فَلَيُجَدِّدَ شَفَرَتَهُ وَلَيُرِخَ ذَبِيْحَتَهُ (ابن ابی عاصم، الدیات، ج: ۵۶، الکامل لابن عزیزی ۲/۳۲۸، صحیح الجامع: ۱۸۲۳)

”اللہ عز وجل احسان کرنے والا ہے، تم بھی احسان کرو، جب تم میں سے کوئی شخص قتل کرے تو مقتول سے احسان کرے اور جب ذبح کرے تو چھری کی دھار تیز کر لے اور اپنے ذیجمہ کو آرام

پہنچائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی طبرانی کی ایک روایت میں ہے: اِذَا حَكَمْتُمْ فَاغْدِلُوا وَإِذَا قَتَلْتُمْ فَاحْسِنُوا فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (صحیح البخاری: ۳۹۲) ”جب تم فیصلہ کرو تو عدل کرو اور جب قتل کرو۔ تو احسان کرو یعنی اللہ احسان کرنے والا ہے اور احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

حدیث زیر بحث میں آئے والے الفاظ کَتَبَ اللَّهُ الْخَيْرَ سے مراد ہے کہ احسان کو فرض اور حقیقی قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں کَتَبَ اس معنی و مفہوم کو ادا کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے جیسا کہ ان آیات کریمہ میں ہے: إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كَتَبَهُ اللَّهُ مُؤْقَطْعًا (آلہ النساء: ۱۰۳)، كَتَبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامَ (آلہ البقرۃ: ۱۸۳)، كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (آلہ البقرۃ: ۲۱)، كَتَبَ اللَّهُ لِأَغْلِبِنَا أَنَا وَرَسُولِي (آلہ الجاذۃ: ۵۸)، وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الرِّبْوَرِ مِنْ بَعْدِ الدَّخْرِ إِنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِي الصَّلِيمُونَ (آلہ الانیاء: ۱۰۵)، أُولَئِنَّكُمْ كَتَبْ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ (آلہ الجاذۃ: ۵۸)

نمایز تراویح کے لئے خَشِيتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ (بخاری: ۹۲۳) اور مساوک سے متعلق حدیث میں خَشِيتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيَّ (مسند احمد: ۱۵۳۳) کے الفاظ آئے ہیں۔ تاہم بہت سے اعمال میں احسان کا ایک حصہ توازن ہوتا ہے جب کہ دوسرا حصہ مستحبات کی قبیل سے ہوتا ہے۔ اس لئے ہر چیز میں احسان اس کے حسب حال ہوتا ہے۔ (احسان کی مزید تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۲ کا مطالعہ کیجیے)

(i) قتل میں احسان: قتل سے مراد کسی موذی جانور (مثل چپکلی)، قصاص میں قاتل اور بیدان جنگ میں دشمن کو قتل کرنا ہے یا کسی بھی واجب انتقال شخص کو قتل کرنا ہے، خواہ اسے کسی حد کے نفاذ کے لئے قتل کیا جائے، ان تمام صورتوں میں مقتول کو سلیقہ اور عمدگی سے قتل کیا جائے تو یہ احسان کہلاتا ہے۔ القتلة قتل کی بہت وکیفت کو کہتے ہیں۔

آدمی کے قتل میں احسان یہ ہے کہ گردن پر تیز تکوار مار کر سر قلم کر دیا جائے۔ کفار کی گردن زدنی کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے (آل الفاتح: ۱۲، محمد: ۲)

جاہلیت میں عربوں کے ہاں قتل کے بھی ایک اور وحشیان طریقے رانج تھے، دشمن پر قابو پا

لیتے تو سگدی سے اس کا ایک ایک عضو کاٹ کر اسے ڈپاتے، اس کی شکل منح کر دیتے، کان، ناک، دل اور جگر کاٹ ڈالتے۔ مگر اسلام نے یہ حکم دیا کہ کسی شرعی حکم کی تعمیل میں با مر جبوري اگر کسی کی جان بھی تلف کرنی پڑے تو اس میں سلیقہ شعاری ہوئی چاہیے تاکہ مقتول کو کم سے کم تکلیف ہو۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے مثلہ کرنے سے منع کر دیا (مسلم، الجہاد، ح: ۳۱، ابو داؤد: ۲۶۶، مسند احمد، ح: ۱۹۰۳)۔ بدر کے سہیل نامی قیدی کا مثلہ بھی اسی لئے نہیں کیا گیا تھا (بخاری، المظالم، ح: ۲۲۸۲)۔

ایک دفعہ کفار قریش کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے جو بھی پکڑا جائے اسے صرف قتل کیا جائے جلایا جائے (بخاری، الجہاد، لا یعذب بعد اب اللہ، ح: ۳۰۱۲) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: زنده چھٹلی کو (بھی) آگ میں بھوننا جائز نہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے (سبائیہ) مرتدین کو جلا دیا تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب اطلاع ملی تو فرمائے گے: اگر میں ہوتا تو انہیں نہ جلاتا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے عذاب (آگ) کی سزا نہ دو، البتہ میں انہیں قتل ضرور کرتا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص (مسلمان) اپنادین تبدیل کر لے (مرتد ہو جائے) تو اسے قتل کر دو (بخاری، استتابۃ المرتدین، حکم المرتد والمرتدۃ، ح: ۲۹۲۲)

البیتہ شادی شدہ زانی کو جرم ثابت ہونے پر سنگار کر کے مار دیا جاتا ہے، اس کے علاوہ محاربہ (ڈاکہ زنی) کے مجرم کی سزا پھاٹکی ہے۔ ان حدود کا حکم چونکہ شریعت نے دیا ہے اس لئے جائز بلکہ ضروری ہیں۔

اگر کسی مقتول کا مثلہ کیا گیا ہو تو اس کے قصاص میں قاتل کا بھی مثلہ کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ قبیلہ عکل و عرینہ کے ساتھ کیا گیا تھا، اسی طرح قصاص میں یہودی کا سر پھروں سے کچلا گیا تھا۔ (بخاری: ۲۳۳، ۲۷۷، ۶۸۷، مسلم، القسامۃ ح: ۱، ۱۶۷، ۲۷۲، ابو داؤد: ۳۵۲۹، ترمذی: ۲، ۷، نسائی: ۳۷۵۷-۳۷۶۷) (مزید وضاحت کے لئے حدیث نمبر ۱۲ کا مطالعہ کیجئے)

(ii) ذنبح میں احسان: اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں سے یہ بھی ہے کہ جانوروں پر بھی رحم و کرم اور ترس کیا جائے۔ اسی لئے جانوروں کو باندھ کر مارنے، ان پر نیزہ بازی وغیرہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (بخاری: ۵۵۱۳، ۵۵۱۵، مسلم: ۱۹۵۸-۱۹۵۶)

ایک آدمی رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتا ہے کہ مجھے بکری ذنبح کرتے وقت اس پر ترس

آتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم اس پر حرم کرو گے تو اللہ تم پر حرم کرے گا (مند احمد: ۱۵۰۳۹)۔ تاہم آپ نے اسے یہ نہیں فرمایا کہ ذبح ہی نہ کرو۔ جانور کے اس بچے کو بھی ذبح نہیں کرنا چاہیے جس کے ذبح کرنے سے اس کی ماں کو نقصان یا تکلیف پہنچے (ابوداؤد: ۲۸۲۲)

اگر بوقت ضرورت کسی جانور کو ذبح کرنا پڑے تو بھی کوشش یہ ہوئی چاہیے کہ اسے کم سے کم تکلیف پہنچ۔ کیونکہ ولیٰ رحیم ذبیحۃ اللہ کا حکم ہے، اس کی چند صورتیں یہ ہیں:

- (۱) چھری تیز کر لی جائے (مسلم: ۱۹۵۵، مند احمد: ۵۵۹۲) کند چھری سے جانور کو زیادہ تکلیف پہنچتی ہے۔

(۲) چھری کو جانور کے سامنے تیز نہ کیا جائے (معجم الکبیر: ح: ۱۱۹۱۶) تاکہ وہ پریشان نہ ہو۔

(۳) چھری کو جانور سے چھپا کر رکھا جائے (مند احمد: ۵۵۹۲)، ایک جانور کو دوسراے جانور کے سامنے ذبح نہ کیا جائے۔

(۴) ذبح کرتے وقت زیادہ دیرینہ لگائی جائے (مند احمد: ۵۵۹۲)

(۵) کسی جانور کو ذبح کرنے کے لئے اگر اس کی گردان پر پیر کھٹے (یا بامرنھے) کی ضرورت ہو تو یہ اس وقت کیا جائے جب آپ ذبح کرنے کے لئے تیار ہوں (معجم الکبیر: ح: ۱۱۹۱۶)

(۶) جانور ذبح ہونے کے بعد جب تک اس رہا ہواس کی کھال نہ اتاریں کیونکہ ابھی تک اس میں زندگی کے آثار موجود ہیں، جب کہ زندہ جانور کا کوئی عضو یا اس میں سے کوئی چیز کا نہ جائز نہیں (دیکھیے ابن ماجہ: ۳۲۱۶، حاکم: ۱۲۲/۲)

نوٹ: واضح رہے کہ بر قی روکے جھنکوں سے ذبح کرنا جائز نہیں کیونکہ اس طرح ذبح کرنے سے خون نہیں بہتا جب کہ ذبح ایسی دھار و ای چیز سے کیا جا سکتا ہے جس سے جانور کا خون بہہ جاتا ہو (سوائے ہڈی اور دانت کے) (ابوداؤد: ۲۸۲۳، نسائی: ۳۲۰۵، ابن ماجہ: ۳۱۷۸-۳۱۷۶)

اس کے علاوہ مشینی ذیجے میں تکمیر بھی نہیں پڑھی جاتی لہذا ایسا ذبح حلال نہیں۔

فقہ الحدیث

- (۱) اسلام دینِ رحمت و شفقت ہے حتیٰ کہ حیوانات بھی اس رحمت سے متعین ہوتے ہیں۔

- (۲) اسلام کے بہت سے احکام غرض کا درج رکھتے ہیں۔

- (۳) اسلام صرف عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ معاشرتی زندگی سے اس کا گہرا ربط ہے۔

- ۳) بعض جانوروں اور بعض انسانوں کو قتل کرنا جائز ہے۔
- ۴) زندہ یا مرنہ شخص کا مشکل کرنا منوع ہے۔
- ۵) عمومی حکم کی بنابر عورت بھی جانور ذبح کر سکتی ہے (حدیث تقریری اور صحابیات سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے)
- ۶) قتل اور ذبح میں بھی عمدگی کو لحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔
- ۷) حلال جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے (تاہم اونٹ کو خر کرنا افضل ہے)
- ۸) کسی تیز دھار والے آلے سے (ہڈی اور دانت کے سوا) جانور ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہوتا ہے۔
- ۹) تمام امور کو حسن و خوبصورتی اور عمدہ طریقے سے انجام دینا چاہیے۔
- ۱۰) جانوروں کی راحت کا خیال رکھنا چاہیے (انسانوں کے آرام و راحت کی فکر کرنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہے)

حدیث: ۱۸

تقویٰ، گناہ کا کفارہ اور اخلاق حسنہ

عَنْ جُنَدِبِ بْنِ جُنَادَةَ، وَمَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَقِ اللَّهُ خَيْرًا مَا كُنْتَ، وَاتَّبِعْ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحِهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقِ حَسَنٍ.

(ترمذی، البر والصلة، ماجاء في معاشرة الناس، ج: ۲۷، ح: ۱۹۸)

ابوذر جندب بن جنادة اور ابو عبد الرحمن معاذ بن جبل رضي اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو، گناہ کے ہو جانے کے بعد نیکی کرو، نیکی گناہ کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا: حدیث حسن ہے اور بعض نحوں میں 'حسن صحیح' لکھا ہوا ہے)

راوی الحدیث

یہ حدیث دو صحابہ ابوذر غفاری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے مردی ہے۔

ابوذر جندب بن جنادة رضی اللہ عنہ کنادہ کے ایک قبیلہ غفار سے تعلق رکھنے کی وجہ سے غفاری کہلاتے ہیں۔ آپ کی والدہ رملہ رضی اللہ عنہا اور بھائی ائمہ رضی اللہ عنہ دونوں صحابی ہیں۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کی مکرمہ کے ابتدائی مسلمانوں میں سے ہیں۔ آپ طویل القامت تھے۔ آپ نے زادہ زندگی بسر کی، وہ ضرورت سے زیادہ ذخیرہ کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ ان سے مردی احادیث کی تعداد ۲۸۱ ہے۔ ۲۶۳ متفق علیہ، ۲۶۴ صرف بخاری اور ۱۹۶ اصرف مسلم میں ہیں۔

آپ نے مدینہ سے تین دن کی مسافت پر واقع مقام رہنڈہ پر ۲۳ میں وفات پائی۔ آپ کی نماز جنازہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور انہیں سپردخاک کیا، پھر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ واپس آگئے اور وہ دس دن بعد وفات پا گئے۔

حدیث کے دوسرے راوی ابو عبد الرحمن معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس الانصاری المخرجی ہیں جو ۱۸۱ میں مسلمان ہوئے۔ آپ دوسری بیعت عقبہ میں ستر انصار کے ساتھ حاضر ہوئے تھے۔ آپ نے تمام معروکوں میں شرکت کی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے اور عبد اللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات قائم کی۔ آپ حلال و حرام کا بہت زیادہ علم رکھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں نعم الرجل (اچھا آدمی) قرار دیا۔ انہیں نبی اکرم ﷺ نے یمن کا قاضی بن کر بھیجا تھا۔ آپ کی سرویات کی تعداد ۱۵۱ ہے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رملہ اور بیت المقدس کے درمیان واقع شام کے ایک شہر عمواس میں طاعون عمواس (۱۸ھ) میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۳۳ سال تھی۔

شرح الحدیث

نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت کی، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھی آپ نے یہ نصیحت فرمائی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم پوشیدہ اور علاجیہ دونوں حالتوں میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ جب تم برائی کے مرتكب ہو جاؤ تو نیکی کرو۔ کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا تمہارا ذرہ (کوڑا) بھی گر جائے تو کسی سے سوال نہ کرنا۔ اپنے پاس امانت نہ رکھنا اور نہ دو شخصوں کے درمیان فصلہ کرنا (مسند احمد: ۲۰۵۹۲، صحیح البخاری: ۲۵۲۲) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے سفر کا ارادہ کیا تو عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ! مجھے نصیحت فرمائیں! آپ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ مجھے مزید نصیحت فرمائیں: آپ نے فرمایا: استقامت اختیار کرو اور اپنے اخلاق عمدہ رکھو (متدرک حاکم ۱/۱۲۱، مجمع الزوائد ۲۶/۸)

نبی اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذ کو یمن بھیجا تو فرمایا: معاذ! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ اور جب کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کر لیا کرو۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَرْنَا ان حسَنَاتِي میں سے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ سب سے بڑی نیکیوں میں سے ہے (التمہید ۶/۵۵)

حدیث زیر بحث میں ابوذر غفاری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو تین باتوں کی نصیحت فرمائی۔ یہ عظیم نصیحت حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں پر مشتمل ہے۔

۱) تقویٰ اللہ: بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ کما حقہ اس کا تقویٰ اختیار کریں۔ پہلوں پچھلوں سب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی نصیحت فرمائی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے (دیکھیے

(النساء: ١٣١) تقویٰ ایک جامع لفظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت اور جلال و اکرام کو مد نظر رکھ کر اطاعت کرنا اور اس کی نافرمانی سے پچھا تقویٰ کہلاتا ہے۔

کامل تقویٰ فرائض و اجابت کی اوایلیگی اور محربات و مشتبہات سے پرہیز کرنے پر مشتمل ہے۔ کبھی اس میں مندوہات کا کرنا اور مکروہات سے پچھا بھی داخل ہوتا ہے۔ دنیا کی اس خاردار وادی سے دامن بچا کر گزرنا یعنی مقاطعہ زندگی بسر کرنا تقویٰ ہے۔ ان معجز فرماتے ہیں: ہر چھوٹے ہو گناہ کو چھوڑ دو یہی تقویٰ ہے اور زمین پر اس آدمی کی طرح چلو جو کائنے کو دیکھ کر اپنے دامن کو بچاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی برا سیوں کو بھی حقیر شہ جانو کر بے شک پہاڑ چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے وجود پاتے ہیں (قطرے قطرے سے دریا بن جاتا ہے)

قرآن مجید میں متین کی صفات اور ان کی جزا کا جا بجا تذکرہ کیا گیا ہے (مثلاً دیکھیے البقرة: ١-٥، ٧-٨، آل عمران: ١٣٢-١٣٣)

تقویٰ تمام مشکلات سے نکلنے کا راستہ ہے جیسا کہ آیت کریمہ وَمَنْ يُتَّقِيَ اللَّهُ يَجْعَلُ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَنْحَسِبُ (الطلاق: ٢-٤) سے معلوم ہوتا ہے۔

تقویٰ سے اللہ معاملات میں آسانی پیدا کر دیتا ہے (ایضاً: ٢٦)

تقویٰ سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اللہ عظیم اجر عطا فرماتا ہے (ایضاً)

تقویٰ اختیار کرنے والوں کا اللہ ساتھ دیتا ہے (الخل: ١٢٨)

زیادہ ترقی لوگ ہی اللہ کے ہاں زیادہ معزز ہیں (ال مجرمات: ١٣)

تقویٰ اپنائے والوں کو اللہ تعالیٰ حق و باطل میں تفریق کرنے کا ملکہ عطا فرماتا ہے (الأنفال: ٢٩)

تقویٰ ہر چیز (خیر) کی جز ہے (مسند احمد: ١١٣٣٩)

بہت سے ادعا و نواہی سے پہلے یا بعد میں تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے۔

تقویٰ کی اسی اہمیت و فضیلت کے پیش نظر جبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تقویٰ کی تلقین کرتے۔ آپ ﷺ کسی کو دواع کرتے اور اہتمام و عظا و نصیحت کے وقت تقویٰ کی خصوصی نصیحت کرتے۔ جیسا کہ آیات خطبہ اور احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے (ابوداؤد: ٢٦٠٣، ترمذی: ٢٦٢، ابن ماجہ: ٢٢، مسند احمد: ١١٣٣٩، ١٢٥١٩)

اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں تقویٰ عطا فرمائے۔ محمد رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے تھے: اللہُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالثُّقَى وَالغَفَافَ وَالغُنْيَ (مسلم، الذکر، فی الادعیۃ، ح: ۲۷۲۱)

”اللہی امیں تھے سے ہدایت، تقویٰ، پاکدا منی اور تو نگری کا سوال کرتا ہوں۔“

۲) گناہوں کا کفارہ: ظاہروں پر پوشیدہ تقویٰ اختیار کرنے والے شخص سے بھی بشری تقاضے سے کبھی بکھار گناہ کا صدور ہو سکتا ہے۔ شیطانی حملے سے ایسے لوگ چونکے ہو جاتے ہیں۔ ان سے غلطی ہوتی ہے مگر یہ گناہ پر مصروف ہیں رہتے بلکہ اپنے گناہوں کی اپنے رب سے فوراً معاف مانگتے ہیں۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ مقیٰ لوگوں کے محتاج ہونے کے باوجود ان سے نافرمانی سرزد ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفِرُوا لِذُنُوبِهِمْ (۳/آل عمران: ۱۲۵) سے ظاہر ہے۔

گناہوں پر اصرار کرنے والے قابلِ نعمت ہیں۔ ارشاد باری ہے: رحم کرو تم پر رحم کیا جائے گا، معاف کرو تمہیں معاف کیا جائے گا۔ جو بات سن کر عمل نہیں کرتے، ان کے لئے برپا دی ہے۔ ان اصرار کرنے والوں کے لئے بھی بتاہی ہے جو اپنی غلطی جانتے ہوئے بھی اصرار کرتے ہیں (مندرجہ احمد: ۲۴۵۵)

نیک اعمال انسان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ نیک اعمال صیرہ گناہوں کو کا لعدم کر دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُدْهَبُنَ الْسَّيِّئَاتِ (۱۱/ہود: ۱۱۳) ”یقیناً نیکیاں برا کیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔“ گناہوں کو مٹانے والے پیشتر اعمال صالح یہ ہیں:

- وضو، اذان، فرض نماز، نماز جمعہ، تہجد و تراویح، رمضان المبارک کے روزے، یوم عرفہ کا روزہ، عاشوراء کا روزہ، زکوٰۃ ادا کرنا، حج و عمرہ، جگر اسوسو کو چونا اور چھونا، جہاد فی سبیل اللہ، اللہ کی راہ میں شہید ہونا، درود، اذکار مسنونہ، سورۃ الملک کی حلاوت، کفارہ مجلس کی دعا، بازار میں داخل ہونے کی دعا، کھانا کھانے کے بعد کی دعا، نیا کپڑا اپننے کی دعا، استغفار و توبہ، تکلیف پر صبر، تقویٰ، اتباع رسول ﷺ، صدقہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ترس کھانا، راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا، حالت اسلام میں بال سفید ہونا، کبیزہ گناہوں سے اجتناب، مسلمان بھائی سے مصافی کرنا، میت کے عیوب کی پردہ پوشی کرنا، مجرم پر حد و تحریر کا اجراء وغیرہ (تفصیل کے لئے دیکھیے مولانا محمد ارشد

کمال کی کتاب ”گناہوں کو مٹانے والے اعمال“)

اتبیع السَّیِّدَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا کے سلسلے میں یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ نیکی کرنے سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (کبار کی بخشش کے لئے توبہ واستغفار ضروری ہے) ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تَنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفَّرُ عَنْكُمْ سَيِّاتُكُمْ وَنُذْخِلُكُمْ مُذْخَلًا شَرِّینًا (النساء: ٣١) ”اگر تم کبیرہ گناہوں، جن سے تمہیں منع کیا جاتا ہے، سے احتساب کرو تو ہم تمہاری برا بیاں معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت و احترام کے مقام میں جگد دیں گے۔“ امت سلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ توبہ فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ لَمْ يَتَبَّعْ فَاؤْتِنِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (الحجرات: ١١) ”اور جنہوں نے توبہ نہ کی وہی لوگ ظالم ہیں“۔ اور فرانض کی ادائیگی نیت و قصد کے بغیر نہیں ہوتی۔ اگر کبائر نماز، روزہ اور دیگر فرانض کی ادائیگی سے معاف ہوتے ہوں تو توبہ کی حاجت نہ رہے جو کہ درست نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ پانچ نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک گناہوں کا کفارہ ہیں (مگر اس کے لئے شرط یہ عائدگی گئی ہے کہ) ماجھیت الْكَبَائِرَ ”جب کبیرہ گناہوں سے پہنچ کیا جائے“ (مسلم، الطہارۃ، ح: ٢٣٣)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض نماز، اس کے لئے اچھا وضو اور خشوع و خضوع سابقہ گناہوں کا کفارہ ہیں۔ مَا لَمْ يُؤْتِ كَبِيرَةً ”جب تک اس نے کسی کبیرہ گناہ کا راتکاب نہ کیا ہو (ایضاً: ح: ٢٢٨)

توبہ کئے اور دنیوی سزا ملے بغیر کبیرہ گناہ معاف نہ ہونے کی ایک دلیل یہ حدیث ہے۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے تو آپ نے فرمایا: اس پر میری بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کوششیک نہیں کرو گے، نہ چوری کرو گے، نہ بدکاری کرو گے، آپ نے انہیں ایک آیت پڑھ کر سنائی۔ تم میں سے جو اس بیعت سے وفا کرے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ البتہ جو شخص ان میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوا اور اسے اس کی سزا مل گئی وہ اس کا کفارہ ہے۔ جو شخص ان میں سے کسی برائی کا مرتکب ہوا مگر اللہ نے اس کی پردہ پوشی کر دی (کسی کو علم ہی نہ ہوا) تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، وہ چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف کر دے (بخاری، الایمان، ح: ۱۸، مسلم، الحدود، ح: ۲۰۹)

بعض علماء کا کہنا ہے کہ وہ حدود و تغیرات گناہوں کا کفارہ ہیں جن کے اجراء سے پیشتر مجرم تو بے کر لےتا ہم تو بے سے حدود و معاف نہیں ہوتیں۔

رَبِّنَا فَاغْفِرْنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِرْنَا عَنْ سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْوَارِ (۱۹۳) / ال عمران: ۱۹۳)

۳) خلق حسن: احکام الہیہ کی اس قدر تعییل کروہ انسان کی پختہ عادت بن جائیں اور وہ انہیں سہولت ادا کرتا جائے حسن خلق کہلاتا ہے۔ حدیث "آپ کا اخلاق قرآن تھا" (مسلم: ۱۳۹) سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قرآن کے ادامر و نواعی اور احکام و آداب اس طرح اپنالئے تھے کہ وہ آپ کی طبعی عادت بن گئے تھے (حسن خلق کے معنی و مفہوم اور ماہیت کو بطور مثال کے البقرۃ: ۲۷، الفرقان: ۴۳-۴۷، التوبۃ: ۱۱۲، المؤمنون: ۱۱-۱۲، المعارج: ۲۳-۲۵ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے) حدیث میں تسلی (کی جملہ انواع و اقسام) کو عمدہ اخلاق کا نام دیا گیا ہے (مسلم، البر والصلة، تفسیر البر والاثم، ح: ۲۵۵۳)۔

اخلاق حسن کی فضیلت پر چند احادیث کا مفہوم ملاحظہ فرمائیں:

☆ سب سے زیادہ مکمل ایمان والا وہ موسن ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں (ابوداؤد: ۳۶۸۳)

☆ موسن کو جو سب سے افضل چیز ملی ہے وہ اچھا اخلاق ہے (مسند احمد: ۱۷۷۲۶)

☆ موسن اپنے عمدہ اخلاق کی بدولت روزہ دار اور تجدُّز اکار کا درجہ پا لیتا ہے (ایضاً: ۳۷۹۸)

☆ میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہیں (ایضاً: ۳۷۹۹)

☆ لوگوں کو جنت میں زیادہ داخل کرنے والا عمل اللہ کا تقویٰ اور عمدہ اخلاق ہے۔ (ترمذی: ۳۰۰۲، ابن ماجہ: ۲۲۲۶)

☆ حسن اخلاق اختیار کرنے والے شخص کو نبی ﷺ نے جنت کے اعلیٰ مقام میں ایک گھر کی ضمانت دی ہے (ابوداؤد: ۳۸۰۰)

☆ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور روز قیامت نبی ﷺ کے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جس کا اخلاق سب سے عمدہ ہو (ابن حبان: ۳۸۵)

☆ عمدہ اخلاق اختیار کرنا اخلاقی انبیاء سے مطابقت رکھتا ہے اس لئے ایسے لوگوں کو انبیاء و رسول علیہم السلام کے قریب جگہ ملے گی۔

☆ اخلاق نبوی کے بارے میں ارشاد الہی ہے: وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (۲۶/اقلم)

(۳) ”بے شک آپ عظیم اخلاق پر فائز ہیں“۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبouth کیا گیا ہے (مَوْطَأ، حُسْنُ الْخَلْقَ، ماجاء فی حُسْنِ الْخَلْقَ) اعلیٰ اخلاقی اقدار پر فائز ہونے کے باوجود نبی اکرم ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: ”اللَّهُمَّ كَمَا حَسِنْتَ خَلْقِي فَحَسِنْ خَلْقِي“ (منداہم ۲۰۳)

”اللَّهُمَّ إِنِّي مَبْرُورٌ بِصُورَتِ عَمَدَةِ بَنَائِي هُنَّ أَسْبَاطٌ مِّنْ أَنْفُسِ أَهْلِكَ“ اسی طرح میرے اخلاق بھی عمدہ بنادے۔ عمدہ اخلاق کے حصول اور برے اخلاق سے پناہ کے لئے افتتاح نماز کی ایک لمبی دعائیں آپ ﷺ یہ بھی پڑھتے: وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْخَلْقِ لَا يَهْدِنِي لَا حَسِنَهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرَفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرُفْ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ (مسلم، صلاۃ المسافرین صلوٰۃ النبی ﷺ و دعائے باللیل، ح: ۱۷، ابو داؤد: ۷۰)

”عمدہ اخلاق و عادات کی طرف میری رہنمائی فرماء۔ اچھے اخلاق کی توفیق تجھی سے مل سکتی ہے۔ برے اخلاق کو مجھ سے دور رکھ۔ برے عادات کو تو ہی پھیر سکتا ہے۔“

نبی اکرم ﷺ کی پیروی کرنے والے مومن اپنے آپ کو برے اخلاق سے بچاتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے: مومن طعنے دینے والا، لخت کرنے والا، لخشم گو اور بیہودہ بکنے والا قطعاً نہیں ہوتا (ترمذی: ۷۷، مسند رک حاکم ۱۲)

خَالِقُ النَّاسَ بِخُلُقِ حَسَنٍ پِرْ عَمَلٍ كَاهِيْ تَقَاضَاهُ۔

فقہ الحدیث

- ۱) اسلام حقوق اللہ اور حقوق العباد کا مجموعہ ہے۔
- ۲) حقوق العباد کی حیثیت دو ہری ہوتی ہے، وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا مرکب ہوتے ہیں۔
- ۳) خلوت و جلوت ہر دو حالت میں اللہ تعالیٰ کے رقب (نگہبان) ہونے کا عقیدہ نگاہ میں رکھنا چاہیے۔
- ۴) لوگوں کو تقویٰ کی تلقین کرنا سنت نبوی ہے۔
- ۵) مومن کا دل اللہ تعالیٰ کے رب و جلال سے ہبہ زدہ ہونا چاہیے۔
- ۶) تقویٰ بارگاہ اللہ میں جواب دہی کا تصور اجاگر کرتا ہے۔

- ۷) نیکی سے گناہ کو مٹانا اور لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آنا تقویٰ کے ہی مظاہر ہیں۔
- ۸) مومن کی شان یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو وہ اس کا ازالہ عمل صالح سے کرتا ہے۔
- ۹) گناہوں کا کفارہ نیک اعمال ہیں نہ کہ کسی کی شخصیت (نصرانیوں کا عقیدہ کفارہ کرنی وجہہ کی بنا پر غلط ہے)
- ۱۰) نبی اعلیٰ اخلاقی اقدار پر فائز ہوتا ہے اور اس کی تلقین کرتا ہے (بد اخلاق نبی نہیں ہو سکتا)
- ۱۱) مؤمنین کو ہدایت ہے کہ وہ لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آئیں۔
- ۱۲) اخلاقی تعلیمات اسلام کا حصہ ہیں۔

حدیث: ۱۹

اللہ کے در کے سوائی

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا، فَقَالَ: يَا غَلَامٌ! إِنِّي أَعْلَمُكَ كَلِمَاتٍ: احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظُكَ، احْفَظِ اللَّهَ تَجْدَهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعْنَتْ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوْ اجْتَمَعْتُ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ، لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ وَقَدْ كَتَبَ اللَّهُ لَكَ، وَإِنْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضْرُوكَ بِشَيْءٍ، لَمْ يَضْرُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكَ، رُفِعْتِ الْأَقْلَامُ، وَجَفَّتِ الصُّحْفُ.

(رواہ الترمذی) وَقَالَ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ). وَفِي رِوَايَةِ غَيْرِ التَّرمِذِيِّ:

احْفَظِ اللَّهَ تَجْدَهُ أَمَّا مَكَ، تَعْرَفُ إِلَى اللَّهِ فِي الرَّحَاءِ يَعْرِفُكَ فِي الشَّدَّةِ، وَاعْلَمْ أَنَّ مَا أَخْطَاكَ لَمْ يَكُنْ يُصِيبَكَ، وَمَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِنَكَ، وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّابِرِ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا.

(ترمذی، صفة القيمة، ح: ۲۵۱۶، منداحما / ۷، ح: ۲۵۳۷، متدرک حاکم حامی / ۲۲۲، ۲۲۲)

المجمع الكبير، ح: ۱۱۲۲۳)

ابو العباس عبد الله بن عباس رضي الله عنهما فرماتے ہیں: میں ایک دن نبی ﷺ کے پیچھے (بیٹھا ہوا) تھا تو آپ نے فرمایا: لڑکے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں: اللہ (کے احکام) کی حفاظت کر، اللہ تیری حفاظت کرے گا، اللہ (کے حقوق) کا خیال رکھ، تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب تو سوال کرے تو اللہ سے کر، جب تو مدد چاہے تو صرف اللہ سے مدد طلب کر، یاد رکھ ساری دنیا جمع ہو کر بھی تجھے فائدہ پہنچانا چاہے تو فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر سب لوگ تجھے نقصان پہنچانے کے لئے جمع ہو جائیں تو تجھے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، سوائے اس (نقصان) کے جو اللہ نے تیرے مقدار میں کر دیا ہے۔ قلم اٹھائے گئے اور صحیفے خٹک ہو چکے ہیں (اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ترمذی کے علاوہ ایک اور روایت میں ہے کہ) اللہ (کے حقوق) کی حفاظت کرو اسے

اپنے سامنے پائے گا، تو خوشحالی میں اللہ کی طرف رجوع کرو وہ تنگ دستی کے وقت تیری مدد فرمائے گا۔ یاد رکھ جو چیز تھے نہیں مل سکی وہ تمہیں مل ہی نہیں سکتی تھی، جو کچھ تجھے مل گیا اس سے تو محروم نہیں رہ سکتا تھا۔ جان لے کہ (اللہ کی) مدد صبر کے ساتھ ہے اور تکلیف کے بعد کشادگی آتی ہے اور تنگی کے بعد آسانی ہے۔

راوی الحدیث

رسول اللہ ﷺ کے پچھا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی ولادت بھرت سے تین سال قبل ہوئی۔ آپ کی والدہ کاتام امام الفضل ہے، جو ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۳ برس تھی۔ حدیث میں ان کے لئے لفظ غلام استعمال ہوا۔ عربی زبان میں عمر کے تیرے سال کے آغاز سے لے کر ۹ سال کے آخریک کے لڑکے کو غلام کہتے ہیں۔

بخاری العلوم حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں میں سے خط و افرماتا ہم کم سنی کی وجہ سے آپ کی بیشتر روایات کبار صحابہ سے مردی ہیں۔ روایات کی تعداد ۲۶ کے لگ بھگ ہے۔ آپ کی تفسیر روایات سے زیادہ احادیث روایت نہیں کر سکے۔ آپ کی روایات کی تعداد ۲۶ کے لگ بھگ ہے۔ آپ کی بیشتر روایات کبار صحابہ سے مردی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے آپ کو تفسیر القرآن میں نہیاں مقام حاصل ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بہت تکریم کرتے تھے۔ آپ عمر کے آخری حصے میں ناپینا ہو گئے تھے۔ آپ نے طائف میں ۴۸ ھجری عمر میں وفات پائی۔ نماز جنازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن الحفیہ نے پڑھائی۔ آپ طائف میں ہی سپردخاک کئے گئے۔

شرح الحدیث

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے چند ایسی صحیحتیں فرمائیں جن پر اہتمام کے ساتھ عمل کرنا چاہیے۔ ان کلمات کو نبی اکرم ﷺ نے اہتمام اور تکید کے ساتھ سکھایا۔ ان باتوں پر عمل کرنے سے انسان کی زندگی میں اطمینان و سکون پیدا ہو جاتا ہے۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کے پیچھے چل رہے تھے یا سواری پر آپ کے پیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ دوسرا مفہوم زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بعض روایات میں ردیف کا لفظ استعمال ہوا ہے، جو سواری میں پیچھے بیٹھنے والے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ

عنهما کو نبی اکرم ﷺ کے ارادف (ردیف کی جمع) میں شمار کیا جاتا ہے۔ ارادف رسول ﷺ کی تعداد میں سے کچھ زیادہ ہے۔

یہ صحیتیں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ امام ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں ایک کتاب بعنوان ”نور الاقتباس فی مشکاة وصیة النبی ﷺ لابن عباس“، لکھی ہے۔ اس حدیث میں مندرجہ ذیل صحیتیں کی گئی ہیں:

۱) پہلی صحیح اخْفَظُ اللَّهَ هُوَ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود، حقوق اور اوامر و نواہی کی حفاظت کی جائے۔ ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی اور ان کے لئے انعامات کا اعلان فرمایا ہے۔ جیسا کہ **هَذَا مَا تُوعِدُونَ لِكُلِّ أَوَابٍ حَفَيْظٌ** (۵۰/۴۲) کے لفاظ سے ظاہر ہے۔

شریعت اسلامیہ میں خصو، نماز، قسم، نگاہ، شرمنگاہ، زبان وغیرہ کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ **إِخْفَظُ اللَّهَ** کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کو نگاہ میں رکھنا اور اسے یاد رکھنے کا مفہوم بھی داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پاس اور دھیان رکھنے والے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس کی حفاظت کرے گا۔ جیسا عمل تھا ویسا ہی صلدیا گیا۔ آیات کریمہ و **أَوْفُوا بِعَهْدِي أَوْفِ بِعَهْدِكُمْ** (۲۰/البقرة: ۲۰)، **فَادْكُرُوهُنِّي أَذْكُرْكُمْ** (۱۵۲/البقرة: ۲)، **إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرُكُمْ** (۲۷/المجاد: ۷) وغیرہ آیات میں بھی العجزاء من جنس العمل کا تذکرہ ہے۔

اس صحیحت پر عمل کرنے والے کی دنیوی مصلحتوں جیسے جسم و جان، اہل و عیال اور اولاد کی اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ **لَهُ مُعَقِّبُتُ مَنْ يَنْدَهِ وَ مَنْ خَلَفَهُ يَخْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ** (۱۳/الرعد: ۱۱) ”اس کے آگے اور پیچے اللہ کے چوکیدار ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ بہترین حافظ و حفیظ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے دعا ترست کروہ آپ کی حفاظت فرمائے (ویکھیے بخاری: ۶۳۲۰، مسلم: ۲۱۲۰، ابو داؤد: ۵۰۷۲، مسند احمد: ۲۵۵۳) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ایسے طریقوں سے حفاظت فرماتا ہے کہ لوگوں کو ان کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا (مشلاً و یکھیے مسلم: ۱۹۳۵، ۲۵۵۰، ۳۰۰۵)

حفاظت کی اعلیٰ شکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دین و ایمان کی حفاظت فرماتا ہے

اور اسی طرح اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔
نبی اکرم ﷺ مسافر کو اس دعا کے ساتھ الوداع کہتے: أَسْتَوْدُعُ اللَّهَ دِينَكَ
وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيمَ عَمَلِكَ (ابوداؤ: ۲۴۰۰، منhadīr: ۳۸) ”میں تیرے دین، تیری
امانت اور تیرے عمل کے اختتام کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔“

حدیث نبوی ہے کہ ”جب کسی چیز کو اللہ کے سپرد کر دیا جاتا ہے تو اللہ اس کی حفاظت کرتا
ہے۔“ (عمل الیوم والملیلۃ: ۷، ابن حبان: ۵۱، ۲۳۷)

حدیث نبوی میں آنے والے الفاظ تَجَدْهُ تَجَاهِكَ یا تَجَدْهُ أَمَانَكَ کا مطلب
ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود اور حقوق کی پاسداری کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو اس اعتبار سے
اپنے ساتھ اور سامنے پائے گا کہ وہ اس کی تکہیانی فرماتا ہے، اللہ کی مدد و نصرت اس کے شامل
حال ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے غار ثور میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ان دو
کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ جن کے ساتھ تیرا اللہ بھی ہے۔ لَا تَحْزُنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا
(التوبۃ: ۹۰) ”غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“ (بخاری: ۲۶۶۳، مسلم: ۲۳۸۱)

قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس معیت کا تذکرہ کیا گیا ہے (دیکھیے انجل: ۱۲۸، طہ:
۳۶، اشعراء: ۴۲)

۲) تَعْرِفُ إِلَى اللَّهِ فِي الرُّخَاءِ يَعْرِفُكَ فِي الشِّدَّةِ میں نبی اکرم ﷺ نے اس
عباس رضی اللہ عنہما کو یہ نصیحت فرمائی کہ نعمت و خوشی اور فراوانی میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ۔ اس کی جان
پچھاں رکھ۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ انسان خوشحالی اور نعمتوں کی فراوانی میں اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے
(دیکھیے یونس: ۱۲، الزمر: ۸، حم السجدہ: ۴۹-۵۰) کشاش کو وہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ماننے کے
بجائے اپنی محنت و صلاحیت کا شر قرار دیتا ہے۔ یہ قارون کی اور مشرکانہ سوچ ہے۔

انسان اگر مصیبت اور نگرانی میں اللہ کا محتاج ہوتا ہے تو آسانی اور فراخی میں بھی اسے
اسی کا دست گفر ہونا چاہیے۔ بہادر شاہ ظفر نے کیا خوب کہا ہے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جائیے گا
ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی
جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

ارشادِ نبوی ہے: جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ مصائب اور مشکلات میں اللہ کے ہاں اس کی دعا قبول ہو تو اسے چاہیے کہ فراغی کی حالت میں کثرت سے دعا کرے (ترمذی: ۳۲۸۲، الصحیح: ۵۹۳)
فرعون نے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیا تھا مگر جب اس پر کڑا وقت آیا تو اس نے ایمان لانے کا اعلان کر دیا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **الَّذِنَّ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ** (۱۰/۹۱)۔
جو لوگ سخت و عافیت اور آسودگی میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہیں جب ان پر مشکل وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی دشمنی فرماتا ہے۔ حضرت نوح، حضرت ایوب، حضرت یوسف، حضرت ابراهیم، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد ﷺ پر مشکلات آئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مد فرمائی۔

۳) ابن عباس رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے ایک نصیحت یہ فرمائی: **إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلْ**
اللہ: ”توجہ بھی سوال کرے تو اللہ سے کرو۔“
ایک اور حدیث میں ہے: جو شخص اللہ سے نہ مانگے تو وہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے
(ترمذی: ۳۲۷۳، ابن ماجہ: ۳۸۲۷)

ایک اور حدیث میں ہے: اللہ صاحب حیا و کرم ہے۔ جب آدمی اس کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اسے شرم آتی ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی واپس کر دے (ابوداؤد: ۳۸۸، ترمذی:
۳۵۵۶، ابن ماجہ: ۳۸۶۵)

اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے مانگو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
وَسَنَّلُوا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (۳۲: النساء) اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔

ایک حدیث قدیمی میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے: کوئی ہے مجھ پکارنے والا؟ میں اس کی پکار کا جواب دوں، ہے کوئی سائل؟ کہ میں اسے عطا کروں، کیا کوئی ہے بخشش مانگنے والا؟ میں اسے بخش

دوس (بخاری: ۱۱۲۵، مسلم: ۷۵۷)

سارے نبی اللہ کے در کے سوالی تھے جیسا کہ ان کی دعاؤں سے ظاہر ہے اور افضل الرسل محمد رسول اللہ ﷺ بھی آئندک (میں تجھ سے سوال کرتا ہوں) کی صدا لگاتے تھے۔ (منہج احمد/ ۳۲۹۱، ح: ۳۲۹۱)

لہذا مانگنا اس سے چاہیے جس کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں، جن میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ جو مانگنے سے ناراض نہیں بلکہ خوش ہوتا ہے۔

۲) نبی اکرم ﷺ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ایک فصیحت یہ کی: وَإِذَا
استَعْتَنْتُ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ "جب بھی تو مدماگے تو اللہ سے مانگ!"

صرف اللہ سے مدماگنے کا اقرار مسلمان ہر نماز میں کرتے ہیں: وَإِنَّكَ نَسْتَعِنُ
(الفاتحہ: ۵) "اور ہم تجھی سے مدماگنے ہیں"۔

وہی ہے جو ما فوق الاسباب لا چاروں اور بے بسوں کی پکارتا ہے اور مد فرماتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی مشکلات کو کشا کرنے والا نہیں (دیکھیے انہل: ۲۲، یونس: ۱۰۶-۱۰۷، الاعراف:
(۱۹۲-۱۹۱)

ارشاد نبوی ہے: تم اس چیز کے لئے کوشش کرو جو تمہیں فائدہ پہنچائے، اللہ سے مدماگو اور درماندہ ہو کر نہ بیٹھو (مسلم، القدر، ح: ۲۲۶۲)

جو شخص اللہ سے مدماگنا چھوڑ دیتا ہے اور غیر اللہ سے مدماگنا ہے تو اللہ سے اسی کے حوالے کر دیتا ہے جس سے اس نے مدماگی ہوتی ہے۔ نتیجاً وہ شخص ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے (جامع العلوم والحكم ص: ۲۵۷)

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ غیر اللہ سے مدمن مانگنا و رہنہ اللہ تجھے اسی کے حوالے کر دے گا (ایضاً)

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے ہی مدماگنے تھے مثلاً نوح علیہ السلام کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے: فَذَعَلَ رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَأَنْتَصِرُ (۵۲/القمر) "اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں عاجز آ گیا ہوں تو میری مدفرما"۔

۵) ایک فصیحت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو آپ ﷺ نے یہ کی کہ تمام خلق مل کر بھی

تمہارا نفع و نقصان نہیں کر سکتی، مگر اسی قدر جو تمہارے مقدر میں ہے۔ لکھی ہوئی تقدیر کو ایک عرصہ ہو چکا ہے، لکھنے والے قلم اٹھا لئے گئے ہیں، جن صحیفوں میں تقدیر لکھی گئی تھی وہ بھی خشک ہو چکے ہیں اور جو کچھ ملا ہے وہی ملتا تھا۔ جو نہیں ملا وہ ملنا ہی نہیں تھا، کوئی تمہارا کچھ بھی نہیں بجا سکتا۔

مطلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو کوئی بدل نہیں سکتا وہ اگر کسی کو کچھ دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ روک دے اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا مختار کل ہے۔ اسی کے حکم سے سب کچھ ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فُلْ لَئِنْ يُصِيبُنَا أَلَا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا (۹/التوبۃ: ۵۱)** کہہدوا! ہمیں وہی پہنچے گا جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے اور وہی ہمارا کار ساز ہے۔

فُلْ لَئِنْ كُنْتُمْ فِي بَيْوَنَكُمْ لَبِرَزَ الَّذِينَ كُنْتُبْ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ (۱۱/آل عمران: ۱۵۳) ”کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں قتل ہونا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گا ہوں کی طرف ضرور نکل آتے۔“

ما آصابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُبَرَّأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ لِكِيلَا تَأْسُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَخُوا بِمَا أَنْجُمْ (۵۷/الحدید: ۲۲-۲۳)“ کوئی مصیبت زمین پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر پیشتر اس کے کہم اسے پیدا کریں ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔ یہ (کام) اللہ کو آسان ہے، تاکہ جو چیز تم سے چھوٹ گئی ہے اس کا غم نہ کھایا کرو اور تمہیں اس نے دیا ہو اس پر اترایا کرو۔“

ارشاد بُوی ہے: ہر چیز کی ایک حقیقت ہے، بندہ ایمان کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ جان شد لے کر اسے جو کچھ میرا آیا ہے وہ اس سے چھوٹے والانہیں تھا اور جو کچھ چھوٹ گیا وہ اسے ملنے والا ہی نہ تھا (ابوداؤد: ۳۶۹۹، مسند احمد: ۲۶۲۱۸)

الہذا مومن کی شان یہ ہے کہ اللہ کے فیصلوں پر راضی رہے۔ مومن کے لئے اللہ کا ہر فیصلہ باعث خیر ہوتا ہے۔ اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اگر نعمت لنتی ہے تو شکر کرتا ہے (مسلم: ۲۹۹۶، ترمذی: ۲۳۹۶، نسائی: ۱۴۳۷)

نبی اکرم ﷺ اپنی دعائیں یہ الفاظ بھی پڑھتے تھے: **عَدْلٌ فِي قَضَاوْكَ** (مسند احمد: ۳۹۱/۱) ”اللہ! میرے بارے میں تیرافیصلہ سراسر عدل ہے۔“

(تقریر کی مزید وضاحت کے لئے حدیث نمبر ۲ اور ۳ کا مطالعہ کجئے)

۶) نبی اکرم ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ایک یہ بات یاد رکھنے کی تلقین فرمائی کہ النَّصْرُ مَعَ الصَّابِرِ یعنی اللہ کی مدد صبر کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِنُوا بِالصَّابِرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (۱۵۳/البقرة: ۲) ”ایمان والوا صبر اور نماز کے ذریعے اللہ سے مدد مانگو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

ارشاد ایسی ہے: قَالَ الَّذِينَ يَطُوفُونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا اللَّهَ كَمْ مِنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٌ غَلَبَتْ فِتْنَةً كَبِيرَةً يَأْذِنُ اللَّهُ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (۲۲۹/البقرة: ۲)

”جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ انہیں اللہ کے رو برو حاضر ہوتا ہے، وہ کہنے لگے کہ با اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ صبر و استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔“

ایک اور آیت کریمہ میں ہے: فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مَاةُ صَابِرَةٍ يُغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يُغْلِبُوا أَلْفَيْنِ يَأْذِنُ اللَّهُ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (۸/الانفال: ۲۶) ”اگر تم میں ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب رہیں گے اور اگر ایک ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کا مددگار ہے۔“ غزوہ بدرا میں صبر و ثبات کی مبارکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی اور وہ قلیل ہونے کے باوجود کچھ گروہ پر غالب آگئے۔

واضح رہے کہ صبر کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے صبر کی مندرجہ ذیل تین صورتیں بیان کی ہیں:

۱) معصیت اللہ سے صبر (گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے اپنے نفس پر قابو رکھنا یعنی نفس کے خلاف جہاد کرنا) (ترمذی: ۱۶۲۱)

۲) اطاعت اللہ پر دوام اور ثابت تدبی۔

۳) مصائب پر صبر، یعنی شکوہ و شکایت نہ کرنا۔

(تفصیل کے لئے دیکھیے طریق المحرر تین و باب السعاد تین لا بن قیم، ترجمہ تلمیحیں اور

تعلیقات از ذاکر حافظ محمد شہباز حسن، مکتبہ اسلامیہ، اربدوبازار لاہور)
۷) نبی اکرم ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ تعلیم بھی دی کہ یاد رکھو تکالیف و
مصابح کے بعد کشادگی اور فراخی آتی ہے۔

انبیاء و رسول علیہم السلام کے حالات و افعال سے بھی یہی درس ملتا ہے۔

الْفَرَاجُ مَعَ الْكُرُبِ کا اصول اس آیت کریمہ سے بھی معلوم ہوتا ہے: وَهُوَ الَّذِي
يَنْزِلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَطَّعُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ (۲۸/الشوری) ”اور وہی تو ہے جو لوگوں
کے نامید ہو جانے کے بعد بارش بر ساتا ہے اور اپنی رحمت (بارش) کو پھیلا دیتا ہے۔“

فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبَرُونَ ۝ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ
أَنْ يَنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قِبَلِهِ لَمُلْسِنُونَ (۳۰/الروم: ۲۹-۲۸) ”پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے
جن پر چاہتا ہے اسے برسادیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں جب کہ وہ بارش کے اتنے سے پہلے تو نا
امید ہو رہے تھے۔“

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَ الرَّسُولُ وَظَلَّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا
(۱۲/یوسف: ۱۰۰) ”یہاں تک تبیر جب (لوگوں کے ایمان لانے اور نصرت الہی کے نزول
سے) مایوس ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ (اپنی نصرت کے بارے میں جوابات انہوں نے کہی
تھی اس میں) وہ سچے نہ نکلے تو ان کے پاس ہماری مدد آپنی“۔

حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَنِّي نَصْرُ اللَّهِ الْأَكَبَرُ نَصْرُ اللَّهِ
قَرِيبٌ (۲/البقرۃ: ۲۱۲) ” حتیٰ کہ رسول اور مومن لوگ، جوان کے ساتھ تھے، سب پکارا ٹھکے کہ
کب اللہ کی مدد آئے گی؟ دیکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔“

لہذا تکالیف و شدائید میں صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اور نہ
رحمت الہی سے مایوس ہونا چاہیے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: يَسِّئَ
إِذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَآخِيهِ وَلَا تَأْتِسُوا مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْتِسُ مِنْ
رُوحِ اللَّهِ (۱۲/یوسف: ۸۷) ”بیٹو! (یوں کرو کہ ایک دفعہ پھر) جاؤ! یوسف اور اس کے بھائی
کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔“

۸) آخر میں نبی اکرم ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ بات یاد رکھنے کی تلقین کی

کہ تنگی کے بعد آسانی بھی ہے۔ یہ اصول قرآن مجید میں بھی بیان ہوا ہے۔ ارشاد اللہ تعالیٰ ہے:
سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا (۶۵/الطلاق:۷) ”عَنْرِيبَ اللَّهِ تَعَالَى كَعَدَ آسَانِي كَرَدَتَ
 گا۔“ ایک اور مقام پر تکرار اور تکید کے ساتھ ارشاد اللہ تعالیٰ ہے: **فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا** ۵۰ إِنَّ مَعَ
الْعُسْرِ يُسْرًا ۵۰ (۹۲/المشروع:۲-۵) ”بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک
 مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔“

نبی اکرم ﷺ پر تنگی کے بعد جو آسانی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی تھی یہاں اس کا تذکرہ کیا گیا
 ہے جیسا کہ **أَلْمَتْ شُرَحُ لَكَ صَدْرَكَ وَضَعَنَا عَنْكَ وَرَزَكَ ۵۰ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهَرَكَ**
 وَرَفَعَنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۵۰ (۹۲/المشروع:۱-۲) سے ظاہر ہے۔ اس سورت کے آخر میں تنگی سے نکلنے
 کا سنسنہ بھی بتایا گیا اور وہ عبادت میں محنت کرنا اور رب کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

فقہ الحدیث

- (۱) ایک سواری پر داؤ دیوں کا سوار ہونا آداب اسلامی کے منافی نہیں۔
- (۲) نبی اکرم ﷺ کے ساتھ برابر بیٹھنا بے ادبی شمار نہیں ہوتا تھا۔
- (۳) نبی اکرم ﷺ میں عاجزی و انگاری پائی جاتی تھی۔
- (۴) **عَنْقَلُوا مَقْصِدًا وَرَفِيدًا** ہوئی چاہیے۔
- (۵) بچوں کو اسلامی عقائد و اعمال بالخصوص عقیدہ توحید سے روشناس کرنا نست نبوی ہے۔
- (۶) اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اس کی معرفت کے بہت سے دنیوی اور آخری فوائد ہیں۔
- (۷) اسلامی عقائد و شرعی احکام و آداب کے دنیوی فوائد بیان کرنا خلاف شریعت نہیں۔
- (۸) جیسا عمل ہو ویاہی صد ملتا ہے۔
- (۹) جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف ذہیان رکھے اللہ تعالیٰ بھی اس کا خیال رکھتا ہے اور اس کی مدد فرماتا ہے۔
- (۱۰) اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔
- (۱۱) اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔
- (۱۲) اللہ نہ چاہے تو کوئی کسی کا لفظان نہیں کر سکتا۔
- (۱۳) کشاورگی اور فراغتی کی حالت میں یا داہمی کا اہتمام کرنا چاہیے۔

- (۱۳) نیک اعمال کا صلدو نیا میں بھی مل سکتا ہے۔
- (۱۴) تکلیف میں بنتا شخص کو یہ سوچنا چاہیے کہ کوئی بھی مصیبت مستقل نہیں رہتی۔
- (۱۵) مانوق الاسباب طریقے سے نہ کسی سے سوال کیا جائے اور نہ مدد مانگی جائے۔
- (۱۶) تقدیر بہت پہلے سے لکھی ہوئی ہے۔
- (۱۷) النافع، العمار، المعطی اور المانع صرف اللہ تعالیٰ ہے۔
- (۱۸) تمام حالات میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے اور صابر و شاکر رہنا چاہیے۔
- (۱۹) فرج و کرب اور عسر و یسر ہر دو حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا چاہیے۔
- (۲۰) اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔
- (۲۱) صبر و استقامت سے ہر مصیبت کا مقابلہ کرنا چاہیے۔
- (۲۲)

حدیث: ۲۰

شرم و حیا کی اہمیت و فضیلت

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ عَقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيِّ الْبَدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِمَّا أَذْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحِي فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ.

(بخاری، الادب، اذا لم تصح فاصنع ما شئت، ح: ۴۱۲۰، ابو داؤد، الادب، فی الحیاء، ح: ۳۲۹۷)

ابو مسعود عقبہ بن عمر و انصاری بدرا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: سابقہ نبوت کے کلام میں سے لوگوں نے جو باتیں پائی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب تو حیا نہ کرے تو توجیحی چاہے کر۔

راوی الحدیث

ابو مسعود عقبہ بن عمر و رضی اللہ عنہ انصاری اور بدرا مسیحی ہیں۔ مدینہ کے مسلمانوں کو نبی اکرم ﷺ نے انصار قبر اردیا جو اوس و خزر راج پر مشتمل تھے۔ انہوں نے مہاجرین کے لئے بہت قربانیاں دیں۔ نبی اکرم ﷺ نے انصار کی محبت کو ایمان کی نشانی جب کہ ان سے بعض کو نفاق کی علامت پھرایا۔

عقبہ بن عمر و رضی اللہ عنہ کو غزوہ بدرا میں شریک ہونے یا بعض علماء کے نزدیک بدرا کے کنوں کے پاس نزول کرنے کی وجہ سے بدرا کی کہا جاتا ہے۔ ان کی مرویات کی تعداد ۱۰۲۰ ہے۔ و متفق علیہ، ایک صرف بخاری (حدیث هذا) جب کے صرف صحیح مسلم میں ہیں۔

آپ نے کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ جنگ صفين میں شرکت کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ مشہور قول کے مطابق آپ نے ۴۰ھ میں وفات پائی۔

شرح الحدیث

اس حدیث مبارکہ میں بے حیائی کی نہ موت بیان کی گئی ہے۔ اس کے برعکس حیا کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ حیا سے مراد طبیعت کا کسی کام سے اس لئے رک جانا کہ اسے کرنے سے

ملامت، نذمت یا عیب لگنے کا خدشہ ہو۔ حیاد رآدمی کو اس بات کا خوف لاحق ہوتا ہے کہ کہیں برائی کی نسبت اس کی طرف نہ ہو جائے۔

یہ فطری جذبہ انسان کو بیکی کی طرف راغب کرتا ہے اور خلاف مروت امور کے خلاف نفرت پیدا کرتا ہے۔ با حیا آدمی فتنج کاموں سے بچتا ہے نیز وہ حقداروں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی پر آمادہ نہیں ہوتا۔ حیا ایک ایسا جذبہ ہے جو انسان اور حیوان میں تمیز پیدا کرتا ہے۔ حیا سے وقار اور سکینیت حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

الْحَيَاةُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ (بخاری، الادب، الحیاء، ح: ۲۱۱)

”حیا ہمیشہ خیر و برکت ہی لاتی ہے“ ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں: الْحَيَاةُ كُلُّهُ خَيْرٌ ”حیا سرخیر ہے“ (مسلم، الایمان، ح: ۳۷، ابو داؤد: ۲۷۹۲)

نبی ﷺ کا گزر ایک آدمی کے پاس سے ہوا جو اپنے بھائی پر حیا کرنے کی وجہ سے ناراض ہو رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تم بہت شرماتے ہو، گویا وہ کہہ رہا تھا کہ تم اس کی وجہ سے اپنا نقصان کر لیتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: دَعْهَةُ فَيَأْنَ الْحَيَاةَ مِنْ أَلَيْمَانِ ”اسے (ڈائٹ) چھوڑ دے کہ حیا تو ایمان سے ہے“ (بخاری، ح: ۲۱۱۸، الایمان، الحیاء من الایمان، ح: ۲۳، مسلم: ۳۶)

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں: وَالْحَيَاةُ شُبَّهَةٌ مِنْ أَلَيْمَانِ (بخاری، الایمان، امور الایمان، ح: ۹، مسلم: ۳۵)، ”حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔“

حیا اگرچہ فطری عمل ہے تاہم شرعی امور میں اس کے اظہار کے لئے قصد و ارادہ اور کسب اور علم کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اسے ایمان کا جزو و فرادریا گیا ہے۔

بعض احادیث میں ہے کہ بے ہو گی اور بے حیائی جس میں ہوا سے معیوب بنا دیتی ہے اور جس میں حیا آ جائے وہ اسے مزین کر دیتی ہے (ترمذی، البر والصلة، ماجاء فی الْجُنُشِ وَالْجُنُشُ، ح: ۹۷۴، ابن ماجہ، الزہد، الحیاء، ح: ۳۱۸۵)

حدیث میں ہے کہ حلم و حیا ایسی صفات ہیں جو اللہ کو پسند ہیں (نسائی، فضائل الصحابة، ح: ۲۱۰، مسند احمد، ح: ۱۷۱۶۰)

أَذْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأَوَّلِيِّ كَيْفَيَةً مَعْلُومٌ ہوتا ہے کہ (شریعت

محمد یہ کے علاوہ) شرم و حیا سے متعلق احکام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک موجود رہے ہیں۔ انہیں کسی نے منسوخ نہیں کیا۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں اس لڑکی کا تذکرہ ہوا ہے جو اپنے باپ کے کہنے پر انہیں بلا نے آئی تھی۔ قرآن اس کی چال کا نقشہ کھینچتا ہے:

فَجَاءَتْهُ أَخْدَاهُمَا تَمْشِيَ عَلَى اسْتِعْنَيَاءِ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْخُوكَ

لِيَخْرِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا (۲۸/القصص: ۲۵)

”(تھوڑی دیر بعد) ان دونوں میں سے ایک عورت، جو شرما تی اور بجا تی پلی آتی تھی، اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ آپ کو میرے والد بلاتے ہیں تاکہ تم نے جو ہمارے لئے پانی پالیا تھا اس کی خدمتیں اجرت دیں۔“

شریعت محمد یہ میں شرم و حیا کی بہت تلقین کی گئی ہے۔ جس ہستی نے شرم و حیا کی یہ تعلیمات پیش کیں ان کے بارے میں ایک روایت میں أَشَدُّ حَيَاءً مِنَ الْعَذَّابِ فِي خَدْرِهَا (بخاری: ۶۱۹) کے الفاظ ہیں۔ یعنی آپ ﷺ پرده میں رہنے والی کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیا والے تھے۔

قرآن مجید میں بھی نبی کریم ﷺ کی حیا کا تذکرہ فیسْتَخْبِي مِنْكُمْ (۳۳/الاذاب: ۵۳) کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ یعنی آپ ﷺ مسلمانوں سے شرما تے تھے۔ اس کے برعکس شرم و حیانہ کرنے والوں کے لئے بڑی وعدید ہے۔ فاصلَعَ مَا شَفَتْ میں شرم و حیا کی پاکیزہ عادت چھوڑنے والوں کے لئے بہت بڑی دھمکی ہے۔ جو شخص حیاء کے دامن کو تاریک کر دیتا ہے وہ کسی بھی براہی پر آمادہ ہو سکتا ہے۔

ڈاٹ کا یہ اسلوب قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ اللہ کی آیات کے سلسلے میں بھروسی اختیار کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: إِغْمَلُوا مَا شَفَتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (۲۰/حُمَّ المَسْجَدَة: ۲۰) ”تم جو چاہو کرو، جو کچھ تم کر رہے ہو یقیناً وہ اسے دیکھنے والا ہے۔“ اسی طرح کی وعدید کا انداز اس آیت میں بھی پایا جاتا ہے: فَاغْبُلُوا مَا شَفَتُمْ مِنْ ذُوْنِهِ (۱۵/الزمر: ۱۵) ”اس کے سواب جس کی قسم چاہو عبادات کر دو۔“ جن سے فَاغْبُلُوا مَا شَفَتُمْ کہا بعد میں ان کی سزا کا بھی تذکرہ کیا گیا۔

مطلوب یہ ہے کہ جب حیانہ کرو تو تمہارے پلے کیا رہا۔ بے حیا باش وہرچہ خواہی کن۔ جو جی میں آئے کرتے رہو، اس کی سزا تمہیں اللہ کی طرف سے مل جائے گی۔ بعض علماء نے فاصٹنے کو خبر کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی جو شخص حیانی میں کرتا ہو اس کا جو جی چاہتا ہے کہ گزرتا ہے۔ شخص کاموں میں ملوث ہونے میں بھی عار محسوس نہیں کرتا، اس میں مردود اور رسول کا لحاظ باقی نہیں رہتا۔

جس کو خدا کی شرم ہے وہ ہے بزرگ دین

دنیا کی جس کو شرم ہے، مرد شریف ہے

جس کو کسی کی شرم نہیں اس کو کیا کہوں

فطرت کا وہ رذیل ہے دل کا کثیف ہے (اکبرالہ آبادی)

نوٹ: واضح رہے کہ فرائض کی ادائیگی، احکام شریعت پر عمل اور شرعی مسائل دریافت کرنے میں شرمنا درست نہیں (مشلاً و مکھیے بخاری، الادب، مالا یستحیا من الحجۃ لتفہم الدین، ج: ۵۱۲۰، ۵۱۲۳-۲۱۲۴، ۱۳۰۶۱)

فقہ الحدیث

۱) حیا بنبیوں کی تعلیمات کا مشترکہ حصہ ہے۔

۲) بے حیائی تمام شریعتوں میں منوع ہے۔

۳) بے حیائی کے بہت سے نقصانات ہیں۔

۴) پہلی شریعتوں کے احکام و مسائل جو شریعت اسلامیہ نے منسوخ نہیں کیے، ہمارے لئے جمعت ہیں۔

۵) برے اعمال کے انجام سے لوگوں کو باخبر رکھنا چاہیے۔

۶) سابقہ شریعتوں کے بعض احکام کو شریعت اسلامیہ نے اجاگر کیا ہے۔

۷) بے حیائی سے نچنے والا بہت سے گناہوں سے نفع جاتا ہے۔

۸) ہر زمانے میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی بعض تعلیمات کو محفوظ رکھا ہے۔

حدیث: ۲۱

ایمان پر استقامت

عَنْ أَبِي عُمَرٍ وَقَيْلَ أَبِي عُمْرَةَ سُفِيَّانَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا غَيْرَكَ، قَالَ: قُلْ أَمْتَثُ بِاللَّهِ فَاسْتَقِمْ.

(مسلم، الایمان، جامع اوصاف الاسلام، ح: ۳۸)

ابو عمرہ - بعض کے نزدیک ابو عمرہ - سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں ایک بات فرمادیں کہ اس کے متعلق مجھے آپ کے علاوہ کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ نے فرمایا: کہہ کہ میں اللہ پر ایمان لا لیا اور پھر (اس پر) ثابت قدم رہ۔

راوی الحدیث

سفیان بن عبد اللہ بن ربيعة الشافعی الطائی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عمرہ ہے، بعض نے کہا ہے کہ آپ کی کنیت ابو عمرہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ کو طائف کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں آپ بحرین چلے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے آپ کے بیٹوں عبد اللہ، عروہ اور نافع نے احادیث روایت کی ہیں۔ صحیح بخاری میں ان سے کوئی روایت مروی نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں بھی ان سے صرف یہی ایک روایت مروی ہے۔

شرح الحدیث

سفیان بن عبد اللہ ثقیفی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے اسلام کے بارے میں ایک جامع اور واضح بات کا مطالبہ کیا تاکہ وہ اسے پلے باندھ لیں اور انہیں اس کے بارے میں کسی اور سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! مجھ سے ایک ایسی بات بیان کریں جسے میں مضبوطی سے تھام لوں۔ آپ نے فرمایا کہ کہو! ربِي اللہ ثمْ اشْتَقْمْ "میرا ربِ اللہ ہے پھر اس پر قائم رہو"۔ میں نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! کس چیز کا خطرہ ہونا چاہیے اور میرے بارے میں آپ کو کیا ذر ہے؟ آپ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: یہ

(خطرناک ہے) (ترمذی، الزہد، ماجاء فی حفظ اللسان، ح: ۲۳۰)

تمام اعضاء و جوارح کو سیدھا استقامت کہلاتا ہے۔ حدیث نبوی کے مطابق روزانہ انسان کے اعضاء زبان سے عاجزانہ درخواست کرتے ہیں کہ تو ہمارے بارے میں اللہ سے ذر کیونکہ ہم تیرے ساتھ ہیں۔ اگر تو سیدھی ہو گئی تو ہم سب سیدھے ہو جائیں گے اور اگر تو نیزھی ہو گئی تو ہم سب نیزھے ہو جائیں گے (ایضاً ح: ۲۳۰)

ایک اور حدیث میں ہے: کسی بندے کا ایمان اس وقت تک سیدھا نہیں ہوتا جب تک اس کا دل سیدھا نہ ہو، ول اس وقت تک سیدھا نہیں ہوتا جب تک اس کی زبان سیدھی نہ ہو (مسند احمد / ۱۹۸، ح: ۱۲۵۷۹)

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو استقامت کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:
 فَإِذَا لَكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُنْ وَقُلْ امْنَثْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتْبٍ (۱۵/ الشوری) ”اس (دین کی) طرف بلا ترہ ہو اور جیسا تجھے حکم ہوا ہے اسی پر قائم رہنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اور کہہ دو کہ جو کتاب اللہ نے نازل کی ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں۔“

ایک اور مقام پر ارشاد الٰہی ہے: فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَنْظُفُوا (۱۱/ حود) ”جیسا تمہیں حکم ہوتا ہے (اس پر) تم اور جو لوگ تمہارے ساتھ تاب ہوئے ہیں قائم رہو اور حد سے تجاوز نہ کرنا۔“

دعوت نبوی کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاسْتَغْفِرُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوا وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينْ (۲۱/ حم السجدة: ۶) ”اسی (معبدو واحد) کی طرف سیدھے ہو اور اسی سے مغفرت مانگو اور مشرکوں پر افسوس ہے۔“

اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ استقامت میں اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس کا ازالہ استغفار سے کیا جائے۔ ارشاد نبوی ہے: قَارِبُوا وَ سَيِّدُوا (مسلم، المناقبین، بن یحییٰ احمد البختی بہملہ، ح: ۲۸۱۶) اعتماد کی راہ اختیار کرو اور سیدھے سیدھے ہو، یعنی استقامت اور درستی اختیار کرو۔“

امْنَثْ بِاللَّهِ كہنے پر استقامت یہ ہے کہ اس ایمان کی خاطر جو کہی مشکلات آئیں نہیں

برداشت کیا جائے۔ ایمان باللہ اور عقیدہ توحید کے ساتھ آمیزش کو قبول نہ کیا جائے اور اس کی خاطر جو بھی قربانی دینا پڑے اس سے درجخ نہ کیا جائے۔

انبیاء و رسول علیہم السلام کو بھی ایمان کی خاطر بہت زیادہ پریشان کیا گیا، ان پر ظلم و تشدد کیا گیا اور بعض کو لوگوں نے شہید بھی کر دیا۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہم السلام اور دیگر انبیاء کو اذیتیں پہنچائی گئیں، کچھ غیروں کو ہولہاں کر دیا گیا مگر ان کے پایہ استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہ آئی۔

تاریخ میں ایسے مومن بھی ہوئے ہیں جنہیں گڑھا کھود کر اس میں ڈال دیا جاتا اور سر پر آری چلا دی جاتی، لوہے کی ٹکھیوں سے ان کے جسموں میں دھنسایا جاتا، ہڈیوں اور پھٹوں پر پھیرا جاتا مگر پھر بھی اپنے دین سے پھرتے نہیں تھے (بخاری، المناقب، ماتحت الْبَحْرِ الْمُكْرَبِ واصحاب من المشرکین بمکہ، ح: ۳۸۵۲، نیز دیکھیں بخاری: ۶۹۳۳)

مسلمان ہونے والے جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ جو تو نے کرنا ہے کرنے! ہم ایمان چھوڑنہیں سکتے (سورۃ الاعراف اور سورۃ طہ میں ان کا تفصیلی تذکرہ ہوا ہے۔)

قرآن میں صاحبِ لیس، اصحاب الاعدود کے مظالم برداشت کرنے والے مومنین (الخوص ایک نبی کا واقعہ بہت ایمان آفرور ہے، مسلم، الزہد، قصہ اصحاب الاعدود، ترمذی، الشفیر، سورۃ البروج) زوجہ فرعون اور آل فرعون کے مومن کی استقامت کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

ایمان کی خاطر بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے (یکیسے البقرۃ: ۲۱۲، العنكبوت: ۳-۲) صحابہ رضی اللہ عنہم پر کئے جانے والے مظالم کی داستان بھی بہت طویل ہے۔ حضرات بلاں، عمار، یاسر، خباب، سمیہ (تاریخ اسلام کی پہلی شہیدہ)، زینہ رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ و صحابیات نے بھرپور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت خبیث رضی اللہ عنہ کے تختہ دار پر لٹکائے جانے کا تفصیل واقعہ صحیح بخاری (ح: ۲۰۸۲) میں بھی موجود ہے۔ آیت کریمہ: إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌ بِإِيمَانٍ (النحل: ۱۰۶) کی تفسیر میں بھی بعض ایسے واقعات ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

(صحابیات پر ڈھانے جانے والے انواع و اقسام کے مظالم کی داستان جاننے کے لئے ڈاکٹر شہزاد حسن کی کتاب ”مظلوم صحابیات رضی اللہ عنہم“ کا مطالعہ کیجئے)

ایمان پر استقامت اختیار کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے کئی انعامات کا اعلان فرمایا

ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ أَسْتَقَامُوا تَنَزَّلَ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ إِلَّا تَخَافُوْا وَلَا
تَحْرَجُوْا وَابْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ ۝ تَحْنُ أُولَئِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشَهَّدُوْنَ ۝ الْفَسْكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِنْ عَفْوٍ
رَّحْمٌ ۝ (٣٢/ حم السجدة: ٣٠-٣٢) ”جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں) کشم مرت ڈرو اور نعم کھاؤ۔ اور تمہیں خوشخبری ہے اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیوی زندگی میں اور آخرت میں بھی، تمہارے لئے وہاں وہ کچھ ہے جس کو تمہارا بھی چاہے اور تمہارے لئے وہاں وہ کچھ ہے جو تم مانگو، مہمانی ہے بہت بخشنے والے اور بہت رحم کرنے والے کی طرف سے۔“

دوسرے مقام پر ارشادِ الہی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ أَسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَلِدِيْنَ فِيهَا جَزَاءٌ آءَ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الاحقاف:
(١٢-١٣)

”یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے، انہیں نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے، وہ لوگ ہیں جنت والے، اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ان کاموں کا بدل ہے جو وہ کرتے رہے۔“

فقہ الحدیث

۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مفید اور ضروری سوالات نبی ﷺ سے دریافت کرتے۔

۲) استقامت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

۳) نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جامع کلمات عطا کئے گئے۔

۴) اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۵) اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور پھر اس پر استقامت اختیار کرنے کی تلقین کرنا مسنون ہے۔

۶) امنُتْ بِاللَّهِ تَعَالَى ایمانیات کو مستلزم ہے۔

۷) جب پیغمبر ﷺ نے کسی مسئلہ کی وضاحت کر دی ہو تو کسی اور سے پوچھنے کی حاجت نہیں رہتی۔

- ۸) ایمان کا اقرار زبان سے کرنا بھی ضروری ہے۔
- ۹) سچا موسیٰ جو ایمان کی حقیقی لذت چکھ چکا ہوا سلام سے انحراف نہیں کرتا۔
- ۱۰) نبی اکرم ﷺ کی ہدایات کوتا حیات یاد رکھنا چاہیے۔
- ۱۱) ہر کام کو اس کے آداب کے مطابق کرنا چاہیے۔
- ۱۲) اپنے آپ کو اسلام پر قائم رکھنے کے لئے تمام اسباب و ذرائع بروئے کار لانے چاہیں۔

حصہ سوم

عقایدِ اسلام

توحید

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ”تو ان سے پوچھ کر بتاؤ تو سہی اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم پکارتے ہو انہوں نے زمین کا کوئی حصہ پیدا کیا ہے۔ تو مجھے دکھاؤ یا آسمانوں کے پیدا کرنے میں ان کی شرکت ہے۔ اس سے پہلے کی کوئی کتاب لا اؤ یا کوئی علمی دلیل پیش کرو، اگر تم پچھے ہو (تو ضرور ایسا کرو)“ سورۃ الاحقاف کی آیت نمبر ۳۲-۳۳ میں ارشاد ہوتا ہے:

”اور جو کوئی اللہ کے پکارنے والے کی نہ مانے گا وہ اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتا اور اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی والی وارث نہیں۔ ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں کیا یہ لوگ جانتے نہیں؟ کہ جس خدا نے آسمان اور زمین پیدا کئے اور ان کے پیدا کرنے سے اس کو کسی قسم کی تکان نہ ہو وہ اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے۔ ہاں بیٹک وہ ہر کام پر قادر ہے۔“

۱- ”توحید“ تین چیزوں کا نام ہے: اللہ کی ربوبیت کی پیچان، اس کی وحدانیت کا اقرار اور اس سے تمام شریکوں کی نفی کرنا۔

۲- توحید اکیلے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کرنے کا نام ہے۔

۳- شریعت میں توحید اس کو کہتے ہیں کہ ”اللہ کے حقوق صرف اللہ کو دیئے جائیں اور وہ تین ہیں: ملکیت کا حق، عبادت کا حق اور اسماء و صفات کا حق۔

ان تینوں تعریفات سے ”توحید“ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے اکیلے اللہ تعالیٰ کو کائنات کا خالق و مالک مانتا، تمام عبادات صرف اسی کے لئے بجالانا اور اس کے اسماء و صفات میں اسے یکتا تصور کرنا۔

کلمہ توحید

کلمہ ”توحید“ وہ کلمہ ہے جس کی طرف تمام انبیاء و رسول علیہم السلام دعوت دیتے رہے یعنی پہلے جزو میں تمام معبودان باطلہ کی نفی ہے اور دوسرے جزو میں صرف اللہ تعالیٰ کے معبود بر حق ہونے کا اثبات ہے۔ گویا اس کلملے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سواتم معبودان باطلہ کا انکار

کیا جائے اور صرف اللہ تعالیٰ کو تمام عبادات کا مستحق گردانا جائے۔ یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مأخوذه ہے:

وَاللَّهُمَّ إِلَهُ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ (البقرة: ۱۶۳)

”اور تم سب کا معبود ایک ہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا ہمراہ یا ان ہے۔“

ایک الہ کی عبادت ہی دراصل توحید ہے، جو عقیدہ توحید کا اقرار نہیں کرتا گویا اس نے اللہ کی عبادت ہی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت کے تمام اوصاف میں لکھا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اکیلا ہی عبادت کا مستحق ہے اور اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے بندوں کا انتہا درجے کا محبوب ہے اور یہی کہ جو مومن ہیں ان کی تمام امیدیں اس لا شریک ذات کے ساتھ وابستہ ہیں یہی مفہوم ﴿وَمَنْ يَكْفُرُ بِالظَّاغُوتِ وَيُرُونَ بِاللَّهِ﴾ کا ہے۔ اس لئے فرمایا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَعَذَّلُ مِنْ ذُوْنَ اللَّهِ أَنْذَادًا يُحْبُّونَهُمْ كَحْبَ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَ أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ﴾ (البقرة: ۲/۱۶۵)

”لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہی جو دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہرا لیتے ہیں، وہ ان سے اس طرح محبت رکھتے ہیں جیسے کہ اللہ سے محبت ہوئی چاہیے اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہوئے ہیں ان کی محبت اللہ سے ہی شدید ترین ہوتی ہے۔ اے کاش جو کچھ عذاب کو سامنے دیکھ کر انہیں سوچنے والا ہے وہ آج ہی ان ظالموں کو سوچھ جائے کہ ساری کی ساری قوت اللہ کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔“

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَمَا مفہوم

﴿أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ پس قوت، اختیار اور تصرف صرف اللہ کے پاس ہے۔

۱۔ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

۲۔ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے سوا کوئی محبت کے لائق نہیں ہے۔

۳۔ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے سوا کوئی بھی صاحب تصرف اور صاحب قوت نہیں ہے۔ سارا

اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔

-۴- لا إلہ الا اللہ کے سوا کوئی بھی الیس، حق نہیں جس سے کوئی امید، لائج یا طمع رکھی جائے۔

-۵- لا إلہ الا اللہ کے سوا کوئی اور ذات نہیں جس سے خوف یا ذر کھا جائے۔

وہ اول واحد ہے

یہ ہے کہ وہ اول ہے جس کی کوئی ابتدائیں، وہ بیشہ رہنے والی اور کبھی نہ شتم ہونے والی ذات ہے، وہ غنی ہے، کسی کا محتاج نہیں، وہ تہباہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ
”آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے
نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔“

اس کی ذات پاک پر زوال نہیں، اس کے لئے ساری سرداری شایان شان ہے، اسی کی ذات ساری کائنات کے لئے ملجم و ماوی ہے۔ جونہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا کیونکہ شجرہ نسب پر پیدائش کا ہونا صفات مخلوقات میں شمار ہوتا ہے۔

”اللہ کے سوا جو بیشہ رہنے والا اور سب مخلوق کو تھامنے والا ہے کوئی اور معبدو نہیں
نہ اس کو اونچھے آتی ہے اور نہ نیند۔ آسمان اور زمین کی سب چیزیں اسی کی ہیں، کوئی
نہیں جو بلا اجازت اس کے پاس کسی کی سفارش کرے وہ سب لوگوں کے آگے
اور پیچھے کی چیزیں جانتا ہے اور لوگ اس کی معلومات میں سے کچھ بھی نہیں جان
سکتے مگر اسی قدر جودہ سکھائے اس کی کرسی کی وسعت تمام آسمانوں اور زمینوں کو
گھیرے ہوئے ہے وہ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا اور نہ اکتا ہے اور وہی بلند
بروی عظمت والا ہے۔“ (ابقرۃ: ۲۵۳)

”کہہ دیجئے! اے اللہ تمام سلطنت کے مالک تو جس کو چاہے با دشائست دیتا ہے
اور جس سے چاہے چیزیں لیتا ہے اور جس کو چاہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہے
ذلیل کر دیتا ہے۔ بھلائی سب تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو سب کاموں
پر قادر ہے۔ تورات کو دون میں اور دون کورات میں داخل کرتا ہے تو زندوں کو
مردوں سے نکال لیتا اور مردوں کو زندوں سے الگ کر دیتا ہے اور تو جس کو چاہے

بے خاب رزق دیتا ہے” (آل عمران: ۲۶-۲۷)

”وَهُنَّاَنُوْاْوَرْ زَمِيْنُوْنَ كُوْپِيدَا كَرْنَے وَالاَسَ کَيْ اَوْلَادَ كَهْبَاهْ ہُوْسَكْتَيْ ہے۔
خَالَاتَکَهْ اَسَ کَيْ بَيْوَیْ بَھَجِيْ نَهِيْسَ اَسَيْ نَے هَرْ چِيزَ کَوْپِيدَا کَيْيَا اوْرَ هَرْ چِيزَ کَوْجَاتَتَا ہے۔ یَہ
مَعْبُودَ بِرْحَنَ تَهَارَ اَپَالَنَهَارَ ہے اَسَ کَسَ سَوَا كَوْئَیْ مَعْبُودَ بِرْحَنَ نَهِيْسَ هَرَا يَكَ چِيزَ کَا پِيدَا
کَرْنَے وَالاَپَسَ تَمَ اَسَيْ کَيْ عَبَادَتَ كَرْوَوَهْ هَرَا يَكَ چِيزَ پِرْ نَگَہَبَانَ ہے اَسَ کَوْآ نَکَھِيْسَ
نَهِيْسَ پَا سَكْتَيْسَ اوْرَوَهْ سَبَ آنَکَھُوْنَ کَوْپَا تَتَبَهَنَے اوْرَوَهْ بِرَاهِيْ بَارَا يَكَ بَيْنَ بَاخْرَهَ ہے۔“

(الانعام: ۱۰۳-۱۰۴)

توحید کی اہمیت

☆ ”توحید“ دین اسلام کی بنیاد ہے۔

☆ ”توحید“ سب سے پہلا فرض ہے جس کا اقرار کرنا اور اسے دل و جان سے قبول کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

☆ ”توحید“ وہ چیز ہے جس کے بغیر کوئی انسان وائزہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔

☆ ”توحید“ ہی وہ چیز ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں (انبیاء و رسول علیہم السلام) کو میوثق فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو غیر اللہ کی بندگی سے نکال کر ایک اللہ کی عبادت میں لگائیں۔

☆ ”توحید“ ہی وہ اساسی فریضہ دین ہے جو ایک مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرتا ہے۔

☆ ”توحید“ ہی وہ چیز ہے کہ اگر اسے کما حق قول کر لیا جائے، اور اسی طرح موت آئے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

انبیاء کی دعوت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدت کے عقیدہ کو بنیادی اہمیت عطا کی ہے۔ دنیا میں جب بھی کوئی رسول اپنی قوم کے لئے میوثق ہو تو اس نے سب سے پہلے اللہ کی توحید اپنی قوم کے لوگوں کو سکھائی۔

وَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوَحِّيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ

”اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ہم نے ان کی طرف یہی وہی بھیجی کہ

میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم صرف میری ہی عبادت کرو۔“

تمام انبیاء کرام اس نظریہ تو حید پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں یہ خبر دے کر کہ یہ ساری کائنات جو بنی آدم کے گرد و پیش پھیلی ہوئی ہے۔ اللہ ہی نے سب کو وجود بخشنا ہے، سرو سامان عطا کیا ہے، زندگی کی ضروریات بخشی ہیں، مادی وسائل و اسباب بھی دیئے ہیں، اور روحانی ہدایت و اخروی سعادت کا انتظام بھی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے یکتا اور تہبا ہے۔ اپنے کاموں میں وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہی سب کا پروردگار ہے اور متصرف و مختار ہے، زندگی وہی دینتا ہے اور موت بھی اسی کے حکم سے آتی ہے، نفع و نقصان کا اختیار اس کے سوا کسی کو نہیں۔ رزق کے خزانے اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ زندگی کے نشیب و فراز، انقلاب عالم اور حالات کا انتہار چڑھاؤ اسی کی مشیت کا مرہون منت ہے۔ یہ کائنات ایک منظم سلطنت ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی اس کا حاکم و فرمازدا ہے۔ تمام اختیارات کا شیع اسی کی ذات ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا خالق و مالک ہے وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ کریم اور غفور ارجیم ہے۔ اس کی رحمت اپنی مخلوق کے لئے اتنی وسیع ہے کہ اس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا لیکن وہ اپنی مخلوق کو جہنم کی آگ میں کیوں جلاتا ہے اس کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ کسی قسم کا ذرا بر ارشک بھی برداشت نہیں۔ تو حید تو یہ ہے کہ اللہ ”وَحْدَةً لَا شَرِيكَ“ ہے وہ اپنی ذات اور اپنی صفات میں کوئی شریک نہیں رکھتا۔ اس کی ذات بے مثال ہے وہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے وہ اکیلا معبود ہے، مشکل کشا ہے، حاجت رو ہے۔ اس اکیلے کی عبادت لازم ہے۔ وہ ملِک بَيْوَمِ الدِّينِ ہے۔ اسی کے لئے قیام و رکوع، بحمد، دعا، استغانت سب اسی اکیلے کے لئے ہے۔ وہ رزاق ہے سب اسی کے محتاج ہیں الہزار رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق اگر تمہارے جو تے کا تمہی بھی ثبوت جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: سب سے پہلی چیز اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں..... اخن۔ (متقدم علیہ)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم ﷺ کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

”معاذ بن جبل!“ میں نے کہا: ”اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔“

پھر کچھ دیر آپ چلتے رہے۔

پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا حق کیا ہے؟

میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول گو زیادہ علم ہے۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ نائیں۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”چند مسلمانوں کو جہنم میں (ان کے گناہوں کی) سزا دی جائے گی یہاں تک کہ وہ کوئے بن چکے ہوں گے، پھر رحمت الہی ان کو پالے گی، چنانچہ انہیں جہنم سے نکال کر جنت کے دروازوں پر پھینک دیا جائے گا۔ پھر اہل جنت ان پر پانی چھڑکیں گے جس سے وہ یوں الگیں گے جیسے سیلاپ کے لائے ہوئے کوڑا کرکٹ میں نباتات اگتے ہیں (یعنی ان کے بدن بہت جلد اپنی اصلی حالت میں لوٹ آئیں گے) پھر وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔“ (مسند احمد، ج ۳ ص ۲۹۱)

کلمہ توحید کی فضیلت میں دو عظیم احادیث

☆ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”قیامت کے دن تمام خلوقات کے سامنے میرتی امت کے ایک شخص کو پکارا جائے گا، پھر اس کے سامنے ۹۹ رجسٹر پھیلادیئے جائیں گے جن میں سے ہر رجسٹر حد تک لمبا ہو گا۔ پھر اس سے پوچھا جائے گا: کیا تم اپنے ان اعمال میں سے کسی عمل کا انکار کرتے ہو؟ وہ کہے گا: نہیں۔

میرے رب! پھر اسے کہا جائے گا: کیا تیرے پاس کوئی عذر یا کوئی نیکی ہے؟ تو وہ شخص ذر جائے گا اور کہے گا: نہیں۔ تو اسے کہا جائے گا: کیوں نہیں، خیری ایک نیکی ہمارے پاس محفوظ ہے اور آج تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پھر اس کے لئے ایک کارڈ نکالا جائے گا جس میں لکھا ہو گا:

(أَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ)

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبد و برحق نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

وہ کہے گا: اے میرے رب! یہ کارڈ اتنے رجسٹروں کے سامنے تو کچھ بھی نہیں!

اسے کہا جائے گا: آج تم پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ پھر تمام رجسٹروں کو ترازو کے ایک پڑے میں اور اس کارڈ کو دوسرے پڑے میں رکھ دیا جائے گا۔ چنانچہ رجسٹروں والا پڑا اور پر اٹھ جائے گا اور کارڈ والا پڑا اچھ جائے گا۔” (ترمذی: ۲۶۳۱، ابن ماجہ: ۲۳۰۰، مسند احمد: ۲۱۲)

☆ حضرت ابو سعید الحذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! مجھے کوئی ایسی چیز سکھائیں جس کے ساتھ میں آپ کا ذکر کروں اور اس کے ساتھ آپ سے دعا مانگوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے کہا: اے موسیٰ تم لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بِرَبِّهَا كرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! ای تو تیرے تمام بندے پڑھتے ہیں؟ تو اللہ نے فرمایا: اگر ساتوں آسمان اور میرے علاوہ ان میں رہنے والے تمام کے تمام اور اسی طرح ساتوں زمینوں کو ایک پڑے میں رکھ دیا جائے اور ”لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کو دوسرے پڑے میں رکھ دیا جائے تو ”لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا وزن زیادہ ہو گا۔ (ابن حبان: ۲۳۲۲)

توحید کی اقسام

☆ توحید الوہیت

اس سے مراد یہ ہے کہ عبادات میں اللہ تعالیٰ کو یکتا نا جائے، تمام عبادات صرف اسی کے لئے بجالائی جائیں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ تھہرایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید الوہیت کا اقرار کرنے سے یہ بات لازم آتی ہے کہ:

☆ اللہ تعالیٰ کو فتح و نقصان کا مالک سمجھے۔

☆ اللہ تعالیٰ سے دعائیں،

☆ اللہ تعالیٰ سے تمام امیدیں وابستہ رکھے،

☆ اس کے دل میں صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہو،

☆ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے، اور صرف اسی کی عبادات کرے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِيٌّ وَمَخْيَاتِي وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام: ۱۶۲) ”آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً میرے نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا یہ سب اللہ ہی کے لئے ہے جو کہ رب العالمین ہے۔“

اور فرمایا: وَمَا أَمْرُوا إِلَّا يَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ (البيت: ۵)
”انہیں محض اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے لئے دین کو خالص رکھیں۔“

☆ توحیدربویت

توحیدربویت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے تمام افعال میں یکتا و تنہا مانا جائے۔ یعنی وہی اکیلا پوری کائنات کا خالق و مالک ہے، وہی اکیلا تمام مخلوقات کا رازق ہے اور وہی پوری دنیا کے نظام کو چلا رہا ہے اور مدیر الامور ہے۔ اکیلا اللہ تعالیٰ ہی پوری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”آپ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہ کہیں گے کہ وہ اللہ ہی ہے۔ تو ان سے کہیں کہ پھر تم کیوں نہیں ذرتے؟“ (یوس: ۳۱)

☆ توحید الاسماء والصفات

توحید کی تیسری قسم ”توحید الاسماء والصفات“ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء و صفات میں بھی یکتا نہیں۔ یعنی جو اسماء و صفات اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ذکر ہیں یا اس کے رسول ﷺ نے اس کے لئے ذکر ہیں، ہم ان سب کو مخلوقات سے تشبیہ دیئے بغیر تسلیم کریں اور انہیں اس طرح مانیں جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہیں۔

فرمان اللّٰہ ہے: وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الاعراف: ۱۸۰)

”اور اچھے اچھے نام اللہ کے لئے ہی ہیں۔ لہذا تم ان ناموں سے ہی اللہ کو پکارو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ کرو جو اس کے اسماء میں کچھ روی کرتے ہیں، ان کے لئے کی ضرور سزا ملے گی۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الشوری: ۱۱)

”اس جیسی کوئی چیز نہیں، وہ خوب سنتے اور دیکھنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو مخلوقات کی صفات سے تشبیہ دینا قطعاً درست نہیں ہے۔ اس میں دو صفات (سمیع، بصیر) کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا اور سنتا ہے، لیکن اس کا دیکھنا اور سنتا اسی طرح ہے جیسا کہ اس کی بڑائی اور کبیریٰ کے لائق ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی باقی صفات پر بھی ہم ایمان لاتے ہیں۔ لیکن نہ تو تشبیہ اور تمثیل کو جائز تصور کرتے ہیں اور نہ ہی ان صفات کی کیفیت کو جانتے ہیں اور نہ ہی ان کی کیفیت بیان کرنے کو جائز تصور کرتے ہیں، کیونکہ کیفیت کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ امام بالک رحمۃ اللہ علیہ سے جب آللرُّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَیْ (اط: ۵) کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ”استواء کا معنی معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے، اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔“

☆ شرک سب سے بڑا ظلم ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّ الشَّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (قمر: ۱۲) ”شرک یعنی بہت بڑا ظلم ہے۔“

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑے ظلم سے مراد یہ ہے کہ یہ سب سے بڑا ظلم ہے، اس سے بڑا ظلم کوئی نہیں۔ (تفہیم ابن کثیر ۳/۱۷۰۸)

شرک سب سے بڑا ظلم اس لئے ہے کہ مشرک اللہ تعالیٰ کی پیدا کی گئی مخلوق کو اس باری تعالیٰ کے برابر تصور کرتا ہے اور مخلوق ناقص اور ہر اعتبار سے مقابح ہے۔ اسے اُس کامل رب کے برابر قرار دیتا ہے اور جو ایک رائی کے دانے کے برابر (کسی چھوٹی سی) نعمت کے حصول پر بھی قدرت نہیں رکھتا، وہ معبدوں کیوں نکر ہو سکتا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو ہر قسم کی نعمتیں عطا کرتا ہے، تمام خزانوں کی چاپیاں اسی کے پاس ہیں اور وہی ہر قسم کے شرک کو ان سے دور رکھتا ہے۔ اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا لیکن اس نے اپنے آپ کو اللہ بالکل المک کے سامنے جھکانے کی بجائے غیر اللہ کے سامنے جھکا دیا! اور اس نے اپنے آپ کو اس حد تک گرا دیا کہ بجائے اس کے کوہ اللہ کی بندگی کرتا، اس نے مخلوق کی بندگی شروع کر دی جسے کسی چیز کا اختیار نہیں ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلِسْسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ**

لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ (الأنعام: ٨٢)

”جو لوگ ایمان لائے، پھر اپنے ایمان کو ظلم (شک) سے آلوہ نہیں کیا انہی کے لئے اس و سلامتی ہے اور یہی لوگ را درست پر ہیں۔“

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم بہت پریشان ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ہم میں سے کون ہے جس نے ظلم نہیں کیا؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس سے مراد وہ نہیں جیسا کہ تم گمان کر رہے ہو، بلکہ اس سے مراد (شک ہے) جیسا کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا: میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“ (ابخاری: ٣٢، مسلم: ١٢٣)

☆ شرک سے اللہ نے منع کیا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے

اللہ تعالیٰ کافرمان ہے: وَ اغْبَدُوا اللَّهَ وَ لَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا (النساء: ٣٦) ”او صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کوشش کی کوشش کی نہ بناو۔“

اور فرمایا: قُلْ تَعَالَوْا أَتُلْ مَا حَرَمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمُ الْأَتْسُرُ كُوَا بِهِ شَيْئًا (الأنعام: ١٥) ”آپ کہہ دیجئے کہا تو میں پڑھ کر سناؤں وہ چیزیں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں، وہ یہ ہے کہ تم کسی جیز کو اللہ کا شریک نہ بناؤ۔“

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو شرک سے منع کیا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے۔ لہذا بندوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی جمیں نیا زصرف اللہ کے سامنے جھکائیں، اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں اور اسی سے مانگیں اور یوں اپنادامن شرک سے پاک رکھیں۔

☆ شرک سب سے بڑا گناہ ہے

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟“

ہم نے کہا: کیوں نہیں، اللہ کے رسول!

آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔“ (ابخاری: ٢٧٥، مسلم، الایمان: ٨٧)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:
”سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔“

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یعنی ”اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، اس جان کو قتل کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرمت والا قرار دیا ہے، سوائے یہ کہ حق کے ساتھ اسے قتل کیا جائے، تیقیم کا مال کھانا، سود کھانا، میدان جنگ سے پیشہ پھر کر جہاگ جانا اور پاک دامن، بے خبر اور ایمان والی عورتوں پر تہمت لگانا۔“ (ابخاری: ۲۸۵۷، مسلم، الایمان: ۸۹)

☆ شرک ناقابل معافی جرم

شرک اگر شرک سے توبہ نہ کرے اور اس کی موت آجائے تو اس کا یہ جرم ناقابل معافی ہے اور وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرِكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يُشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلْلًا بَعِيدًا (النساء: ۱۱۶)

”بے شک اللہ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو معاف نہیں کرتا اور اس کے علاوہ دیگر گناہوں کو جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ہوتا ہے وہ بہت دور کی گمراہی میں چلا جاتا ہے۔“

رسالت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَبِبُوا الطَّاغُوتَ (آلہ: ۳۶)۔

”اور یقیناً ہم نے ہر امت میں اپنا ایک رسول مبعوث کیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (شیطان) سے بچت رہو۔“

فرمایا: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف: ۱۵۸)

”کہہ دوا لوگو! یقیناً میں اللہ کا رسول ہوں تم شب کی طرف۔“

تاریکیوں میں بھکنے والی انسانیت کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے سب سے آخر میں اپنے ایک خاص برگزیدہ بندے کو منتخب فرمایا اور اسے پوری انسانیت کا امام مقرر کیا۔ یہ انتخاب خداوندی تھا کہ آپ ﷺ کو نبوت و رسالت سے سرفراز کیا اور آپ گوایک عالمگیر دعوت کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل مذہب کا عالمگیر تصور نہ تھا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات میں جو وسعت اور عالمگیریت ہے اس سے گزشتہ تمام مذاہب خالی ہیں۔ قرآن حکیم نے اسلام کو ”دینِ مکمل“ کیا ہے الیوم اکملت لَكُمْ دِینُكُمْ وَاتَّمَّتْ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِنِی (المائدہ: ۳) ”آج کے دن ہم نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے“ کے لفظ سے ملقب فرمایا ہے اور بتقااضائے ”ختم نبوت“ محمد رسول اللہ ﷺ اپنی ایک منفرد اور امتیازی شان رکھتے ہیں اور یوں اسلام کی یہ تحریک ابدیتک اپنی اصلی صورت میں برقرار رہے گی۔

آپ ﷺ نے جب اپنے مشن کا آغاز کیا تو آپ ﷺ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ عربوں کی جاہلی عصیت، قبائل، رنگ و نسل، زبان خاندان اور علاقوں کے امتیازات تھے اور انہی بیلادوں پر وہ ایک مستقل جنگ میں بنتا تھے اور تیزی سے ہلاکت اور تباہی کے غار کی طرف بڑھے جا رہے تھے۔ درحقیقت یا اپنے اندر سے کھو کھلے ہو چکے تھے۔ مسحکم و معقول اصولوں اور تصور انسانیت سے بے خبر تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی دعوت کے سب سے بڑے دشمن ان کے یہی تصورات و عقائد تھے۔ آپ ﷺ نے اسلام کی شمع روشن کی، انسانیت کو زندگی بخشی،

جانبی عصیت کی بیخ کنی کی اور احترام و آبرو، عزت و قارا اور خلوص و محبت کا وہ اعلیٰ منشور بخشا جو آج بھی اقوام عالم کی بہبود کا واحد جامع منشور ہے۔ اسلام نے جو جامع تصور انسانیت بخشا ہے اس میں رنگِ نسل، قوم و علاقہ اور زبان کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ بڑائی کی بنیاد پر تقویٰ ہے۔ سارے لوگ اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی ہیں اللہ نے ان سے جانلی غرور، نخوت اور آپا اجداد پر فخر کا خاتمہ کر دیا ہے اور یہ کہ جو لوگ اللہ کے احکام بجا لاتے ہیں۔ جس سے انہیں دینی مسائل اور اخروی معاملات میں سعادت کی راہ ملے گی۔

مختصر حالات: سید المرسلین خاتم النبیین احمد بن مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کا نام مبارک قرآن شریف میں پائیج جملہ آیا ہے۔ رفع عیسیٰ علیہ السلام کے پائیج سوپینٹالیس (545) سال بعد مکہ مظہرہ میں پیدا ہوئے۔ انجیل میں آپ کا نام فارقلیط ہے جس کا ترجمہ احمد ہے۔ آپ کے والد کا نام عبد اللہ، اور والدہ کا نام آمنہ تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جدِ اعلیٰ تھے۔ توریت اور انجیل میں آپ کی آمد کی خبر موجود تھی۔

بخاری و مسلم میں حدیث ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کو چالیس برس کی عمر میں پیغمبر بنایا گیا۔ اس کے بعد تیرہ برس تک میں رہے اور اس عرصہ میں وحی آتی رہی۔ پھر آپ کو بھرت کا حکم دیا گیا اور بھرت کے بعد آپ دس تک مدینہ میں رہے اور تیسہ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ سے قبل حصہ انبیاء و رسول دنیا میں مجموع ہوئے سب ہی اپنی قوم اور بستی والوں کے لئے اور کچھ مدت میں تک نبی بن کر آتے تھے۔ مگر ہمارے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کے لئے قیامت تک رحمۃ للعلمین بنا کر بھیجے گئے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ خاتم انبیاء ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ آپ کو جو شریعت دی گئی ہے وہ تمام جہاں والوں کے لئے قیامت تک مکمل قانون ہے، اکمل ضابطہ حیات ہے، وہ اوصاف حمیدہ جو ایک کامل انسان میں ہونے چاہئیں سب ہی آپ کے اندر موجود تھے۔ قرآن مجید میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کی صفات کا بیان مختلف موقع پر کمالِ شان کے ساتھ موجود ہے مثلاً انکَ لَعَلَیٰ خُلُقٌ عَظِيمٌ (القلم: ۳) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلنَّعْلَمِينَ (انبیاء: ۷۰) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًّا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (الأحزاب:

(۳۶-۳۵)

جامع ترمذی میں حدیث ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تو نخش گو تھے نہ برائی کا بدلہ برائی سے لیتے تھے بلکہ معاف اور در گذر فرمادیا کرتے تھے۔ دوسری حدیثوں میں ہے کہ حضور ﷺ زیادہ خاموش رہتے تھے۔ بیمار کی عیادت کرتے، جنازہ کے ساتھ جاتے، اپنے گھر کا کام کا جن خود کر لیا کرتے بلکہ محتاج اور حاجت مندوں کی خدمت کرتے۔ ان کے کام کا جن کر دیا کرتے تھے۔ واضح آپؐ کی عادت تھی۔ عبادت و ریاضت کا آپؐ مجسوس تھے۔ آپؐ کے اخلاق کریمانہ کا ہی اثر یہ تھا کہ سخت سے سخت دشمن اور بد خواہ بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو کر جاتا تھا۔ مکہ مکرمہ میں چالیس سال کے بعد جب آپؐ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو اہل کمکو دعوت تو حیدخت ناگوار گزری اور بہر صورت انہوں نے اس آواز کو بند کرنا چاہا۔ وہ آپؐ کو تکلیف اور صدے پہنچائے کہ بیان سے باہر ہیں مگر آپؐ نے نہایت صبر و استقلال سے ان تمام مصائب کو برداشت کیا تھی کہ جب مسلمانوں پر تکالیف و مصائب کی انتہا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر مدینہ طیبہ بھرت فرمائی۔ اس وقت آپؐ کی عمر تین برس کی تھی۔ تاریخ اسلام قمری حساب سے آپؐ ﷺ کی بھرت سے رکھی گئی ہے۔ بھرت کے بعد دس سال مدینہ میں ہی رہے۔ اعلانِ کلمۃ اللہ کی غرض سے متعدد غزوات میں شرکت فرمائی۔ مثلاً غزوہ بدربغز وہ واحد، غزوہ خیبر، غزوہ خندق اور فتح مکہ وغیرہ اکثر غزوات میں پھنس نہیں شریک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے مجرے آپؐ ﷺ کو عطا فرمائے۔ مجہہ شق صدر، مجہہ شق القفر، واقعہ معراج، الگیوں سے پانی کے چشمے جاری ہونے کا مجہہ، طعام میں برکت کثیر ہونے کا مجہہ، نیز غزوات کے دوران بے شمار مجہے مشہور و معروف ہیں اور سب مجہوں سے بڑا مجہہ قرآن پاک ہمارے درمیان موجود ہے۔ یہ حق اور باطل کے درمیان فرق ہے۔ حقائق فصاحت و بлагافت میں بے شل ہے۔ آنحضرت ﷺ کا لایا ہوا یہ مجہہ یعنی قرآن و حدیث تا قیام قیامت باقی رہے گا۔ عرب کے بڑے بڑے فصحاء اس کے مقابلہ میں عاجز رہے اور اب بھی کوئی جابر و مقابل قیامت تک اس کو نہیں مٹا سکتا۔ یہ نہیں برس میں حسب ضرورت مسائل و احوال پورا نازل ہوا۔ فتح مکہ کے بعد جیسا الوداع میں آیت الیوم اکملت لگعم دینَکُمْ وَ تَمَمَتْ غَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيَّتْ لَكُمُ الْإِسْلَامُ دِينًا (المائدۃ: ۵) نازل

ہوئی جس میں اس امر کی بشارت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھیج کر اور اپنی کتاب قرآن مجید فرقانِ حمید کو نازل فرمایا کہ اپنی نعمت وین حق کا اتمام کر دیا ہے۔ اس کے چند ہی روز بعد سورت نصر إذا جاءَ نَصْرُ اللَّهِ نَازِلٌ ہوئی۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو وفات کی خبر دے دی گئی سالہ ۱۴ ماہ صفر کے آخری دنوں میں آنحضرت ﷺ علیل ہو گئے۔ بخار نہایت شدت سے چڑھا۔ جسم مبارک میں ناتوانی اس قدر ہو گئی کہ گھر سے باہر نکلنے کی طاقت نہ رہی۔ بار بار بے خوشی طاری ہوتی، وفات سے پانچ روز قبل حالت اور زیادہ نازک ہو گئی۔ صحابہ کرام اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم الْحَمْدُ لِلّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سب ہی بے تاب و بے چین تھے۔ مگر الہی فیصلے اور قدر کے سامنے کس کو اُف کرنے کی مجال ہے۔ تقریباً چودہ روز بیمار رہ کر پیغمبر آخرا زمان محبت رب العالمین حضرت محمد ﷺ رُبِّ الْأَوَّلَيْنَ ﷺ ہر دو روز پیر بوقت چاشت وصال پا گئے۔ إِنَّ اللَّهَ وَإِنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ۔

اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک تریس سال اور پانچ دن کی تھی۔ مسجد نبوی کے متصل اپنے ہی مسکن میں تدفین ہوئی۔ اب اس روضہ مبارک میں (۱) آنحضرت ﷺ (۲) آپ کے یار غار خلیفہ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت فاروق اعظم خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم دون ہیں۔ ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت جب نازل ہوں گے اور مدینہ آ کر ان کا انتقال ہو گا تو اس جگہ ان کی تدفین ہو گی۔

قیامت کے روز سب سے پہلے آنحضرت محمد ﷺ کی قبر مبارک شق ہو گی۔ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کی تعریفوں کا جھنڈا آپ ہی کے ہاتھوں میں ہو گا۔ شفاعت کبریٰ اور مقام محمود آپ کا منصب ہو گا۔ حوض کوثر پر تشریف فرمائوں گے اور اپنی امت کو جام کوثر سے سیراب فرمادیں گے۔ جنت کا دروازہ سب سے پہلے آپ ہی کھلوائیں گے اور سب سے اول آپ ہی داخل ہوں گے پھر اپنی امت کو داخل کرائیں گے۔ گناہ گار امتيوں کی اللہ کی اجازت سے شفاعت کرائیں گے۔

اللہ اپنے تمام انبیاء خصوصاً ہماری نبی حضرت محمد ﷺ پر لاکھوں رحمتیں اور بے شمار سلام نازل فرمائے اور ہم کو ہر طرح کے شرک و بدعت سے محفوظ و مامون رکھئے کہ قیامت کے دن ہمیں آپ ہی شفاعت نصیب ہو اور ہم سب مسلمان سُتْحَنَ رحمت و جنت ہو جائیں۔ وَ صَلَّى اللَّهُ عَلَى

خَيْرُ خَلْقِهِ مُحَمَّدٌ وَآلُهُ وَاصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَذَرِيَّتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ
يَا رَحْمَةِ الرَّحْمَنِ - اِيمَنْ - يَا لَهُ الْعَلَمِينَ (ما خواز از حدیث القاضی، نواب صدیقی، حسن خان)

رسول اللہ ﷺ کا مقام اور آپ کے فضائل

سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے

ہیں۔ آپ ﷺ کے بندے اور اس کے آخری رسول ہیں۔

آپ میں اپنے نسب (خاندان) کے انتبار سے اعلیٰ وارفع مقام رکھتے ہیں۔ جیسا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“ حضرت امام اعیل (علیہ السلام) کی اولاد سے کنانہ کو چنا، پھر

کنانہ سے قریش کو چنا، پھر قریش سے بنو ہاشم کو چنا اور بنو ہاشم سے اس نے

مجھے منتخب فرمایا۔ (مسلم: ۲۲۷۶)

ای طرح جب بادشاہ روم (ہرقل) نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) نبی اکرم ﷺ کے حسب و نسب کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا: وہ ہم میں اعلیٰ حسب و نسب والے ہیں تو ہرقل نے کہا: کہا یے ہی پیغمبر ان عظام علیہم السلام اپنی قوموں میں عالیٰ نسب ہوتے ہیں۔ (ابخاری: ۱، مسلم: ۲۷۳)

احسان عظیم

یوں تو انسانیت پر اللہ تعالیٰ کے احسانات بے شمار ہیں لیکن ان میں سب سے بڑا احسان، جسے اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے وہ آپ ﷺ کی بعثت ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

”بے شک مونوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر نشاتا اور ان کا تذکیرہ کرتا ہے۔ نیز انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً رہ سب اس سے ملے کھلی گمراہی میں تھے“ (آل عمران: ۱۶۳)

آپ ﷺ کی بعثت کے وقت انسانیت گراہ تھی اور جہالت کی انتہائی تاریک گھائیوں میں بھکر رہی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو ان میں مبوع فرمایا تھا کہ تاریکی سے

نکالا اور آپ ﷺ کے ذریعے صراطِ مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی کی۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الأنبياء: ۷۰)

”اور ہم نے یقیناً آپ کو جہاں والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔“

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”لوگو! بے شک میں رحمت ہوں جسے لوگوں کو بطور بدیہی پیش کیا گیا،“ (الحاکم: ۹۱)

رسول اکرم ﷺ کو اللہ رب المعزز نے ”روشن چراغ“ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”اے نبی! ہم نے ہی آپ گواہی دینے والا، خوبخبریاں سنانے والا، آگاہ-

کرنے والا، اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا

ہے۔“ (الاحزاب: ۳۴-۳۵)

رسول اللہ ﷺ امت پرشیق اور مہربان ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”تمہارے پاس ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری ہی جنس سے ہیں، جن کو

تمہارے نقصان کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے

خواہشمند رہتے

ہیں، ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔“ (التوبہ: ۱۲۸)

آپ ﷺ اپنی امت کے لئے دعا مانگتے تھے:

”اے اللہ، میری امت، میری امت!“

رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مصداق ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”میں ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا ہوں اور سب سے آخر میں میری آمد کی بشارت عیسیٰ

بن مریم (علیہ السلام) نے دی،“ (صحیح الجامع للألبانی: ۱۳۶۳)

اللہ کے ذکر کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو مقام عظیم عطا کیا ہے۔ چنانچہ جہاں اللہ کا ذکر آتا ہے وہاں آپ ﷺ کا ذکر بھی آتا ہے، کلمہ، اذان، اقامۃ، خطبہ، تشهد اور دیگر کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام لیا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں میں بھی اللہ

تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام بلند کیا اور دنیا و آخرت میں بھی آپ ﷺ کے نام کا چرچا کیا۔۔۔۔۔ یہ سب آپ ﷺ کی عظمت اور شان کی دلیل ہے۔ فرمان الہی ہے:

”اَللّٰهُمَّ شُرِّخْ لَكَ صَدَرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وَزْرَكَ ۝ اَللّٰهُمَّ“

”اَنْقُضْ ظَهَرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذُجْرَكَ“ (الم نشرح: ۱-۲)

”اے پیغمبر! کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھولا؟ اور ہم نے آپ کا بوجہ آپ پر سے اتنا را جس نے آپ کی کمر کو جھکا رکھا تھا، اور ہم نے آپ کا نام بلند کیا۔۔۔۔۔“

انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کیں گے اور ان کی تائید و نصرت کریں گے۔ اس لئے اگر حضرت محمد ﷺ ان میں سے کسی ایک کے زمانے میں مسیح کو روایت کر دیجے جاتے تو ان کے لئے آپ ﷺ کی اتباع کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کافر میں ہے:

”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب اللہ نے انبیاء سے یہ عہد لیا کہ اگر میں تمہیں

کتاب و حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو اس کی تقدیمیں

کرے جو تمہارے پاس ہے تو تمہیں لازماً اس پر ایمان لانا ہو گا اور اس کی

نصرت کرنا ہو گی۔ اللہ نے پوچھا: کیا تم اقرار کرتے ہو اور میرے اس عہد کی

ذمہ داری قبول کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا: ہم اقرار کرتے ہیں۔ فرمایا: گواہ

رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ پھر اس کے بعد جو بھی اس عہد سے

پھر جائے تو ایسے لوگ نافرمان ہیں۔ (آل عمران: ۸۱-۸۲)

اس عہد کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام

پر برتری ثابت کر دی۔

محجزہ معراج

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اسراء و معراج کے مجرہ سے نوازا جو انہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی دیگر تمام انبیاء و رسول علیہم السلام

پر برتری ثابت کر دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مسجدِ قصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کرائی۔ پھر آپ ﷺ کو آسمانوں کے اوپر، جہاں تک اللہ نے چاہا، لے جایا گیا اور اس بابرکت سفر میں آپ ﷺ کی مجلہ انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرائی گئی۔ آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی اور پانچ نمازیں فرض کی گئیں.....

رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات

رسول اکرم ﷺ کو وہ خصوصیات حاصل ہیں جو اور کسی نبی اور رسول کو حاصل نہیں، ان میں سے بعض خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱) خاتم النبیین

حضرت محمد ﷺ قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لئے آخری نبی اور رسول ہیں اور آپ کے بعد کوئی اور نبی اور رسول آنے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نیفر مایا: مَا كَانَ مُحَمَّدًا أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَ
خاتم النبیین (الأحزاب: ۳۰)

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے آخری“۔

یعنی آپ پر نبوت و رسالت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے، اب آپ کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ تلقین طور پر کذاب اور دجال ہو گا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

”میری اور مجھ سے پہلے آنے والے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص مکان بنائے، اس کی تعمیر نہایت خوبصورتی سے کرے اور اسے خوب سجائے لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دے۔ پھر لوگ اس کا چکر لگائیں اور اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر حیران ہوں۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی کہیں کہ یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی! تو میں دراصل وہ آخری اینٹ ہوں، اور اسی لحاظ سے خاتم النبیین ہوں“
(المخارق۔ المناقب، باب خاتم النبیین: ۳۵۳۵، مسلم۔ باب ذکر

کونہ ﷺ خاتم النبیین: ۲۲۸۶)

چھ خصوصیات

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے چھ چیزوں کے ساتھ دوسرے تمام انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے:

- ۱) مجھے جامع کلمات دیے گئے ہیں۔
- ۲) رعب و بدبار کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔
- ۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے۔
- ۴) زمین کو میرے لئے پاکیزہ اور مسجد بنایا گیا ہے۔
- ۵) مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔
- ۶) میری بعثت پر سلسلہ نبوت ختم کیا گیا ہے۔" (مسلم، حدیث نمبر ۵۲۳)

شفاعت

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "میں جنت کے دروازے پر آ کر دروازہ ٹکٹکھاؤں گا، پوچھا جائے گا کون ہے؟ تو کہا جائے گا: محمد ہیں، لہذا وہ میرے لئے دروازہ کھویں گے اور مجھے خوش آمدید کہیں گے، پھر میں اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور اللہ مجھے حمد و شماء کے الفاظ الہام کرے گا، پھر کہا جائے گا: محمد! اپنا سارا تھا یہ اور سوال کیجئے! آپ ﷺ کا مطالبہ پورا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے! آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپ بات کیجئے آپ کی بات سنی جائے گی۔

اور یہی ہے وہ مقام مُحْمُودًا (بنی اسرائیل: ۹۷) (الترمذی: ۳۱۲۸) رَبِّكَ مَقَاماً مُحْمُودًا

حوض کوثر

رسول اکرم ﷺ کو قیامت کے روز حوض کوثر عطا کیا جائے گا جس سے آپ ﷺ اپنی امت کو پانی پلا میں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ سورت پڑھی اُنَا أَغْطِيْنَكَ الْكَوْثَرُ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْهِرُ ۝ إِنَّ شَانِكَ هُوَ الْأَيْتَرُ ۝ اس کے بعد آپ ﷺ

نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ الکوثر کیا ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک نہر ہے جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اس پر خیر کثیر موجود ہے اور وہ ایسا حوض ہے جس پر میری امت کے لوگ قیامت کے دن آئیں گے، اس کے برتوں کی تعداد ستاروں کے برابر ہے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”الکوثر جنت میں ایک نہر ہے جس کے کنارے سونے کے اور اس کے بنہنے کے راستے موتیوں اور یاقوت کے ہیں، اس کی مٹی کستوری سے زیادہ اچھی ہے اور اس کا پانی شہد سے زیادہ مشھا اور برف سے زیادہ سفید ہے۔“ (الترمذی: ۳۳۶۱)

یوم آخرت پر ایمان

”کافروں کا خیال یہ ہے کہ انہیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں اللہ کی قسم انہیں ضرور بالضرور اٹھایا جائے گا۔ پھر جو کچھ تم نے کیا ہے اس کی تھیں خبردی جائے گی اور یہ کام اللہ پر انہیانی آسان ہے۔“

قرب قیامت

ہمیں اس بات پر بھی پختہ یقین ہوتا چاہیے کہ جس دن ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوتا ہے وہ انہیانی قریب ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

”آپ ﷺ نے انکشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر فرمایا: میں اور قیامت اس طرح بھیج گئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں ہیں۔“

(اس حدیث سے آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہوتا ہے یعنی میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا بلکہ میرے بعد قیامت ہی آئے گی)۔

قیامت کا وقت صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں؟ آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب ہی کے پاس ہے۔ اسے وقت پر صرف وہی ظاہر کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری (حدادہ) ہو گا۔ وہ تم پر اچاک آپڑے گی۔ وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کرچے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

(الاعراف: ۱۸۷، نیز دیکھیے النازعات: ۳۲-۳۶)

اور حدیث جریل میں ہے کہ حضرت جریل (علیہ السلام) نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: مجھے قیامت کے متعلق بتائیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: مَا الْمَسْؤُلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائلِ (بخاری: ۵۰، مسلم: ۸) (مزید وضاحت کے لئے حدیث نمبر ۲ کی تشریح ملاحظہ کریں)

قیامت کی نشانیاں

علماء نے قیامت کی نشانیوں کو چھوٹی اور بڑی دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ مثلاً دجال کا آنا، امام مهدی کا ظہور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور ان کا دجال کو قتل کرنا، یا جوج ما جوج کا خروج، زمین کے جانور کا ظاہر ہونا اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ۔

اور چھوٹی نشانیوں سے مراد یہ نشانیاں ہیں: علم کا اٹھایا جانا، جاہلوں کا بڑے بڑے عہدوں تک پہنچنا، موسیقی کا بکثرت مروع ہونا، شراب نوشی کرنا، اس امت کے آخری لوگوں کا اس کے پہلے لوگوں پر لعنت بھیجننا اور قتل و غارت گری کا عام ہونا وغیرہ۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ:

(۱) دو بڑی جماعتیں باہم قتال کریں گی اور ان کے مابین بہت بڑی جنگ ہوگی جب کہ دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔

(۲) نئیں کے قریب دجال آئیں گے جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ ہو گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

(۳) علم اٹھالیا جائے گا (علم صرف نام کا رہ جائے گا اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا)

(۴) زلزلے زیادہ آئیں گے۔

(۵) لوگوں میں بگاڑ جلدی پھیلنے لگے گا۔ (اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وقت تنگ ہو جائے گا اور اس کی برکت ختم ہو جائے گی)

(۶) فتنوں کا ظہور ہو گا۔

(۷) قتل و غارت گری عام ہو جائے گی۔ چنانچہ بنی آدم اور خاص طور پر مسلمانوں کا خون ارزآل ہو جائے گا۔

(۸) لوگوں کے پاس مال بہت زیادہ ہو جائے گا حتیٰ کہ صاحب مال صدقہ دینے کی خاطر مستحق کی تلاش میں سرگردان ہو گا۔

(۹) لوگ عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

(۱۰) ایک آدمی دوسرے آدمی کی قبر کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا: کاش! میں اس کی جگہ پر ہوتا۔

(۱۱) سورج مغرب سے طلوع ہو گا اور جب ایسا ہو گا اور تمام لوگ اسے دیکھ لیں گے تو وہ سب ایمان لے آئیں گے لیکن یہ وہ وقت ہو گا جس کے باارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”اس وقت کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان

نہیں رکھتا تھا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا تھا۔
پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت ضرور بالضرور قائم ہوگی۔ اور ایک آدمی اپنا لقب
اپنے منہ کی طرف اٹھا چکا ہو گا لیکن وہ اسے کھانہیں سکے گا“ (ابخاری: الفتن: ۱۲۱)۔
روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کسی ایسے شخص پر قائم نہیں ہوگی جو
اللہ، اللہ کہتا ہو گا۔“

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب قیامت قائم کرے گا اس وقت سب لوگ
برے ہوں گے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:
”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے دین پر قتال کرتا رہے گا۔ وہ اپنے دشمنوں پر
 غالب رہے گا اور اس کا کوئی مخالف اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے کی اور
وہ بدستور اسی حالت پر قائم ہو گا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”صور کے پھونکے جاتے ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اپنے
پور دگار کی طرف (تیز تیز) چلے لگیں گے۔“ (یس: ۵۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے وہ ایک دم کھڑے ہو کر
دیکھنے لگ جائیں گے۔“

پھر کفار کہیں گے: ہائے ہائے! ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھا دیا۔ (یس: ۵۲)
ان آیات سے ثابت ہوا کہ صور میں دو مرتبہ پھونکا جائے گا: ایک مرتبہ پھونکے جانے
سے لوگ بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، یعنی ان پر موت آجائے گی۔ پھر دوسری مرتبہ پھونکے جانے
سے وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”جس دن اس زمین کے علاوہ کوئی اور زمین ہو گی اور آسمان بھی
بدل جائیں گے اور تمام لوگ اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے جو ایک ہے اور وہ سب پر غالب ہے
(ابراہیم: ۳۸)“

ہر ایک کو اپنی فکر دامن گیر ہو گی
”اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھئے گا (حالانکہ) وہ ایک دوسرے کو دھا دیجے جائیں
محکم دلائل و برائین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

گی۔ ایک مجرم چاہے گا کہ وہ اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی اور اپنے بھائی کو، اپنے کنے کو جوا سے پناہ دیتا تھا اور روزے زمین کے سب لوگوں کو اس دن کے عذاب کے بد لے میں دے دے، پھر وہ اسے نجات دلادیں۔ مگر ہرگز ایسا نہ ہو گا، یعنی وہ شعلہ والی آگ ہے جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے۔ وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو یہ پچھے ہٹا اور منہ موڑتا ہے اور جمع کر کے سنجال رکھتا ہے۔

(المعارج: ۱۰-۱۸)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”اور اس دن سے ڈر و جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ کسی کی سفارش مظہور کی جائے اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے اور نہ لوگ (کسی اور طرح) مدد حاصل کر سکیں۔“

سید مودودی لکھتے ہیں: ”بنی اسرائیل کے بکار کی ایک بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ آخرت کے متعلق ان کے عقیدے میں خرابی آگئی تھی۔ وہ اس قسم کے خیالات جام میں بتلا ہو گئے تھے کہ ہم جلیل القدر انہیاء کی اولاد ہیں، بڑے بڑے اولیاء صلحاء اور فہاد سے نسبت رکھتے ہیں، ہماری بخشش تو انہیں بزرگوں کے صدقے میں ہو جائے گی، ان کا دامن گرفتہ ہو کر بھلا کوئی سزا کیسے پاسکتا ہے، انہیں جھوٹے بھروسوں نے ان کو دین سے غافل اور گناہوں کے چکر میں بتلا کر دیا تھا۔ اس لیے نعمت یادداں کے ساتھ فوراً ہی ان کی ان غلط فہیموں کو دور کیا گیا ہے۔“ (تفہیم القرآن: بحاج اصل

(۸۴، ۸۵)

فرمایا: ”اس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے۔ اپنی بیوی اور بیٹے سے“ ہر شخص اس روز ایک فکر میں ہو گا کہ اسے اپنے سوکی کا ہوش نہ ہو گا۔ (عمس: ۳۲، ۳۱)

سورہ معارج کی آیات میں فرمایا: اور کوئی دوست کسی دوست کا پرسان حال نہ ہوگا (حالانکہ) ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے، اس روز انہیں خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بد لے میں (سب کچھ) دے دے (یعنی) اپنے بیٹے اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا اور جتنے آدمی زمین پر ہیں (غرض) سب کچھ دے دے اور اپنے آپ کو عذاب سے چھڑا لے، لیکن ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ (آیات: ۷۰-۱۵)

سید مودودی لکھتے ہیں: بھاگنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ان عزیزوں کو، جو

دنیا میں اسے سب سے زیادہ پیارے تھے، مصیبت میں بنتا دیکھ کر بجائے اس کے کہان کی مدد کو دوڑئے، الثان سے بھاگے گا کہ کہیں وہ اسے مدد کے لیے پکارنا نہیں۔ اور یہ مطلب ہی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں اللہ سے بے خوف اور آخرت سے غافل ہو کر جس طرح یہ سب ایک دوسرے کی خاطر گناہ اور ایک دوسرے کو گراہ کرتے رہے اس کے برے نتائج سامنے آتے دیکھ کر ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بھاگے گا کہ کہیں وہ اپنی گمراہیوں اور گناہ گاریوں کی ذمہ داری اس پر نہ ڈالنے لگے۔ بھائی کو بھائی سے، اولاد کو ماں باپ سے، شوہر کو بیوی سے، اور ماں باپ کو اولاد سے خطرہ ہو گا کہ یہ کم بحث اب ہمارے خلاف مقدمے کے گواہ بننے والے ہیں۔ (تفہیم القرآن: ج ۲۵۹، ۲۶۰ ص ۶)

تو ثابت ہو گیا کہ اس دن باپ اپنے بچے کو یا بچاپنے باپ کے کچھ کام نہ آئے گا۔ ایک دوسرے کافر یہ بھی نہ ہو سکے گا۔ تم دنیا پر اعتماد نہ کرو اور دار آخرت کو فراموش نہ کر جاؤ۔ شیطان کے فریب میں نہ آ جاؤ۔ قیامت کا دن جھگڑوں کے فیصلوں کا دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ خود سامنے ہو گا، کوئی بغیر اس کی اجازت کے لب نہ ہلا سکے گا، کسی کو دوسرے کے بارے میں نہ پکڑا جائے گا، نہ باپ بیٹے کے بد لئے نہ بیٹا باپ کے بد لئے نہ بھائی بھائی کے بد لئے نہ غلام آقا کے بد لئے نہ کوئی کسی کاغذ و رنج کرے گا نہ کسی کو کسی سے شفقت و محبت ہوگی۔ نہ ایک دونرے کی طرف سے پکڑا جائے گا، ہر شخص آپا دھامی میں ہو گا، ہر ایک اپنی فکر میں ہو گا، ہر ایک اپنابو جھاٹھائے ہوئے ہو گا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

”لَوْخُودَاٰپِيْ كَتَابَ آپَ هِيْ بِرَّهُوْ. آجَ تُؤْتُوْ آپَ هِيْ اپَنَاحَسَابَ لِينَهُ كَوْكَافِيْ هِيْ۔“

اور خود ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

”آجَ كَهْ دَنْ هَمْ اَنْ كَهْ مَنْهُ پَرْ مَهْرِسْ لَكَادِيْنِ گَهْ اَرَانَ كَهْ هَاتَهْ هَمْ سَهْ باَتِيْلَ كَرِيْسْ گَهْ۔ اَرَانَ كَهْ پَادِيْسَ اَنْ كَاهْ مَوْنَ كَيْ گَواَيْيَاشْ دَيْسَ گَهْ جَوَهْ كَرْتَنَ تَهْ تَهْ۔“ (یس: ۲۵، اس کے علاوہ دیکھیے حم السجدۃ: ۱۹-۲۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”خبردار! تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ پس جس شخص کو لوگوں کا امیر (حکمران) بنایا گیا اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے

گا۔ اور مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہوتا ہے تو اس سے بھی ان کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی ذمہ دار ہوتی ہے، سواں سے بھی اس کے بارے میں پوچھ گئے کی جائے گی۔ اور غلام اپنے آتا کے مال کا ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے اس سے بھی اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ خبردار! تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور اس کی ذمہ داری کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا۔” (بخاری: ۲۵۵۳، ۵۱۸۸، ۵۴۰، ۸۹۳، مسلم: ۱۸۲۹)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ۶۷ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (العاشر: ۸)

پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کے متعلق سوال ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”بے شک بندے سے قیامت کے دن نعمتوں میں سے سب سے پہلے اس نعمت کا سوال کیا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہیں تدرستی نہیں دی تھے؟ اور کیا ہم نے تمہیں ٹھنڈے پانی سے سیر نہیں کیا تھا؟“ (الترمذی: ۳۳۵۸)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کے پاس سونا چاندی ہو اور وہ اس کا حق (زکاۃ) ادا نہ کرتا ہو، قیامت کے دن اس کے لئے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی جنہیں جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر ان کے ساتھ اس کے پہلو، اس کی پیشانی اور پیشہ کو داغا جائے گا۔ جب وہ تختیاں ٹھنڈی ہو جائیں گی تو انہیں دوبارہ گرم کیا جائے گا اور پھر اسے داغا جائے گا اور جب تک بندوں کے درمیان فیصلہ نہیں کر دیا جائے گا اس کے ساتھ یہ سلوک بدستور جاری رہے گا جب کہ وہ دن پچھا سا ہزار سال کے برابر ہو گا۔“ (مسلم، الزکاۃ، رقم مائی الزکاۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ تو صحابہؓ نے جواب دیا: ”ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کوئی اور ساز و سامان۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے اور زکاۃ لے کر آئے گا اور اس نے کسی کو گالی دی ہو گی، کسی پر بہتان باندھا ہو گا، کسی کا مال کھالیا ہو گا، کسی کا خون بھایا ہو گا اور کسی کو مارا ہو گا۔ لہذا ان میں سے ہر ایک کو اس کے حق کے بقدر اس کی نیکیاں دی جائیں گی اور اگر ان کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان کے گناہ لے کر اس کی گردن میں ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اسے جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اس حالت میں مر گیا کہ اس پر کسی کے دینار

اور درہم تھے تو اس کی نیکیوں سے اس کا حق ادا کیا جائے گا کیونکہ وہاں دینا را اور درہم نہیں ہوں گے۔“
زمین کی گواہی

روز قیامت زمین بھی گواہی دے گی اور اپنی خبریں بیان کرے گی کہ کس نے کہاں پر کیا
عمل کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ بَأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى لَهَا
(الزلزال: ۵-۶)

”اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی، کیونکہ آپ کے رب نے اسے حکم دیا ہوگا۔“

نبی کریم ﷺ کا حوض

ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو قیامت کے دن حوض کوڑ عطا کیا جائے گا جس کے
اوصاف آپ ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ میں بیان فرمائے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے
ساتھ میٹھے ہوئے تھے، اچاکہ آپ پر اونگہ طاری ہو گئی۔ پھر آپ نے مسکراتے ہوئے اپنا سر
اٹھایا۔ ہم نے پوچھا: آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ابھی ابھی مجھ پر ایک سورت
نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پڑھا: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ إِنَّ أَغْنِيَنَا
الْكَوْثَرُ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْهُرُ ۝ إِنَّ شَانِكَ هُوَ الْأَبْتَرُ پھر آپ نے فرمایا: کیا تمہیں
معلوم ہے کہ الکوثر کیا ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے
فرمایا: وہ ایک نہر ہے جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اس پر خیر کثیر موجود ہے اور وہ ایسا حوض
ہے جس پر میری امت کے لوگ قیامت کے دن آئیں گے۔ اس کے برتوں کی تعداد ستاروں
کے برابر ہے۔ پھر کچھ لوگوں کو پیچھے دھکیلا جائے گا۔ تو میں کہوں گا: میرے رب! یہ تو میرے امتنی
ہیں۔ تو کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئے کام ایجاد
کئے تھے۔ (مسلم، الصلاة، حجۃ من قال البسملة ایہ من اول کل سورة: ۳۰۰)

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! حوض
کے برتن کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان
ہے! اس کے برتن ان ستاروں سے زیادہ ہیں جو تاریک اور بنے ابر (صف) رات میں ہوتے
ہیں، وہ جنت کے برتن ہیں۔ جو شخص ان سے پے گا اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ اس میں

جنت کے دو میزاب بہرہ رہے ہوں گے۔ جو شخص ایک بار اس پانی کو لے گا اسے کبھی پیاس نہیں گلے گی۔ اس کی چوڑائی اس کی لمبائی کے برابر ہے جو اتنی ہے جتنی عمان اور ایمہ کے درمیان ہے۔ اس کا پانی برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہو گا۔“

میزان

روز قیامت وزن برحق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”اور اس روز وزن بھی برحق ہے، پھر جس شخص کا پلا بھاری ہو گا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا پلا بھکا ہو گا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا بسب اس کے کہ بھاری آئیوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے“ (الاعراف)

”قیامت کے دن ہم ٹھیک ٹھیک تو لئے والے ترازوں کھیں گے، پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل ہو گا تو اسے ہم سامنے لائیں گے اور ہم حساب لینے کے لئے کافی ہیں۔“ (الأنبیاء: ۲۷)

یاد رہے کہ کافر کے انہال کا بھی وزن کیا جائے گا چنانچہ اس کے کفر اور اس کی برائیوں کو ایک پڑے میں اور اس کی نیکیوں (مثلاً صدقہ، حجی، لوگوں سے ہمدردی اور غلاموں کو آزاد کرنا وغیرہ) کو دوسرے پڑے میں رکھا جائے گا۔ پھر کفر اور برائیوں والا پڑا بھاری ہو جائے گا جس کی بنا پر وہ جہنم کے عذاب کا مستحق قرار پائے گا۔ البتہ اس کی بعض نیکیوں کی بنا پر اس کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی۔

پل صراط

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”..... چنانچہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئیں گے اور آپ کو (شفاعت کی) اجازت دی جائے گی۔ پھر امانت اور حرم کو بھیجا جائے گا جو صراط کے دائیں باائیں کھڑے ہو جائیں گے۔ پھر گزرنا شروع کریں گے) چنانچہ سب سے پہلا شخص بجلی کی تیزی کے ساتھ گزر جائے گا۔“

میں (ابو ہریرہ) نے پوچھا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کوئی چیز بجلی کی تیزی کے ساتھ بھی گزر سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ”کیا تم نے (آسمان پر) بجلی کو نہیں دیکھا، کیسے وہ تیزی کے ساتھ جاتی ہے اور پلک جھکتے ہی واپس آتی ہے!“

پھر دوسرا آدمی ہوا کی طرح تیزی کے ساتھ گزر جائے گا۔
 پھر تیسرا آدمی پر بندے کی اذان اور (طاقت و ر) مردوں کے دوڑنے کی طرح گزر جائے گا۔
 یہ سب اپنے اپنے اعمال کے مطابق وہاں سے گذریں گے اور تمہارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پل صراط پر کھڑا کہہ رہا ہوگا: (بِاَنَّ رَبَّكَ سَلَّمَ) اے میرے رب! تو ہی سلامتی دے اور تو ہی محفوظ فرم۔۔۔ یہاں تک کہ بندوں کے اعمال عاجز آ جائیں گے اور یہاں تک کہ ایک آدمی ایسا آئے گا جو گھست گھست کرہی چلنے کے قابل ہوگا۔ پل صراط کے کناروں پر مڑے ہوئی سرے والی لوہے کی سلانخیں لٹکی ہوئی ہوں گی جنہیں بعض لوگوں کو پکڑنے اور اچک لینے کا حکم دیا گیا ہوگا۔ لہذا وہاں سے گزرنے والوں میں سے کچھ تو خدا شیں وغیرہ لگنے کے بعد نجات پا کر اسے عبور کر جائیں گے اور کئی لوگوں کا جسم لکڑے لکڑے جو جائے گا اور وہ جہنم میں گرجائیں گے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: اللہ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے: وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا (مریم: ۱۷) ”تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے؟“

تو آپ نے فرمایا: تم نے اس سے اگلی آیت نہیں پڑھی: ثُمَّ تُنْجِي الَّذِينَ آتَقْنَا (مریم: ۲۷)

”پھر ہم پر ہیز گاروں کو بچالیں گے“ (مسلم: ۲۳۹۶)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”کسی مسلمان کے تین بچے فوت ہو جائیں (اور وہ صبر کرے) تو اسے دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی، وہاں صرف قسم کو پورا کرنے کے لئے“ (بخاری: ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، مسلم: ۲۶۳۲)
نبی کریم ﷺ کی شفاعت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا:
 قیامت کے دن لوگوں میں سے سب سے بڑا خوش نصیب کون ہوگا جس کے حق میں آپ شفاعت کریں گے؟

”ابو ہریرہؓ مجھے یقین تھا کہ اس بارے میں تم ہی سوال کرو گے کیونکہ تمہیں احادیث سننے کا زیادہ شوق رہتا ہے۔ (تو سنو) قیامت کے دن میری شفاعت کا سب سے زیادہ حقدار وہ ہوگا جس نے اپنے دل کی گہرائیوں سے اور اخلاص کے ساتھ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا۔“ (بخاری)

اور حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میرے پاس میرے رب تعالیٰ کی طرف ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے اختیار دیا کہ میں یا تو اپنی آدمی امت کے جنت میں جانے پر راضی ہو جاؤں یا روز قیامت شفاعت کروں۔ تو میں نے شفاعت کو چون لیا ہے اور میری شفاعت ہر ایسے شخص کے لئے ہو گی جس کی موت اس حالت میں آئے گی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں تھا“۔ (ترمذی وابن ماجہ و صحیح الابنی فی تحریح المشکلة: ۵۶۰۰)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (البقرة: ۲۵۵)

کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے؟“

اسی طرح فرمایا: وَكُمْ مِنْ مَلِكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تَعْلَمُونَ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا

من يَعْدُ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضِي (آل عمران: ۲۶)

”اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ایسے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر

یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور چاہت سے جس کے لئے چاہے اجازت دے دے۔“

کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا اسی کے بارے میں ہی شفاعت کرنے والے

شفاعت کر سکیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَا يَشْفَعُونَ إِلَّا مَنِ ارْتَضَى

(الأنبياء: ۲۸)

”اور وہ صرف اسی کے لئے شفاعت کریں گے جس سے وہ راضی ہو گا۔“

حصہ چہارم

سیرۃ النبی ﷺ

سیرت محمد یہ

ہمارے نبی محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن بن ہاشم بن عبد مناف (علیہ السلام) ہیں۔ عدنان سے اکیسویں پشت میں ہوئے۔ عدنان چالیسویں پشت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے۔ آنحضرت علیہ السلام کہہ میں دو شنبہ کے دن نو رجیع الاول کو پیدا ہوئے۔ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے کہ باپ کا انتقال ہوا۔ جب چھ سال کی عمر ہوئی تب ماں نے انتقال کیا۔ آنحضرت علیہ السلام کی والدہ کرمہ کا نام آمنہ ہے۔ ان کا نسب تین پشت اور جا کر حضور علیہ السلام کے دودھیاں سے جاتا ہے۔ جب آنحضرت علیہ السلام آٹھ سال دو مہینے دس دن کے ہوئے تو وادا فوت ہوئے۔ ابو طالب جو آنحضرت علیہ السلام کے والد عبد اللہ کا حقیقی بھائی ایک ماں سے تھا، سرپرست متین ہوا، تیرھویں سال میں شام کے سفر کو چچا کے ساتھ گئے تھے مگر راہ میں سے واپس آگئے، جوان ہو کر کچھ دنوں تجارت کرتے رہے۔ پہیس سال کی عمر پوری ہونے پر خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کی۔ پھر حضور اپنے اوقات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت یا لوگوں کی بھلائی میں پورا کرتے رہے۔ پہنچیس سال کی عمر میں جب قریش میں کعبہ کی عمارت میں حجر اسود کی تنصیب پر بھگڑا ہوا۔ سب نے آنحضرت علیہ السلام کو صادر اور امانت والا جان کر منصف بنا�ا۔

نبوت

چالیس سال ایک دن کی عمر ہوئی تو اللہ کی دوی ہوئی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا (بیوی) علی مرتضی رضی اللہ عنہ (بھائی عمر دس سال) ابو بکر صدیق (دوسٹ) زید بن حارث (مولیٰ آنحضرت) فوراً مسلمان ہوئے۔ پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ہدایت سے عثمان غنی، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم مسلمان ہوئے۔ ابو عبیدہ، ابو سلمہ، ارقم، عثمان بن مظعون اور عبد اللہ بن مسعود، عبیدہ بنخارث، سعید بن زید، یاسر، عمار، بلاں رضی اللہ عنہم ان کے بعد مسلمان ہوئے۔ عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور نبی کریم علیہ السلام کی بیٹیوں کے بعد افضل افضل رضی اللہ عنہا (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی) مسلمان ہوئیں۔ پھر اسماء رضی اللہ عنہا (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی) پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا (عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیوی)۔

تمن برس تک آنحضرت علیہ السلام چکے چکے لوگوں کو اسلام سکھلاتے رہے۔ پھر کھلا

سکھلانے لگے جہاں کوئی کھڑا بیٹھا مل جاتا یا جمع نظر آتا وہیں جا کر ہدایت فرماتے تھے۔ کہ دالے اب مسلمانوں کوستا نے لگے۔ ان کو رنج یہ تھا کہ جو کوئی مسلمان ہو جاتا ہے، وہ بت پوچنا چھوڑ دیتا ہے۔ مسلمان دو برس تک بڑی بڑی تکلیفیں سہتے رہے پھر انہوں نے ننگ آ کر کہ سے چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔

مسلمانوں کا وطن چھوڑنا

سنہ ۵ نبوت: رب میں سب سے پہلے عثمان غفاری گھر یار چھوڑ کا اپنی زوجہ رقیہ کو (جو نبی ﷺ کی دوسری بیٹی ہیں) ساتھ لے کر جشن کوروانہ ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”حضرت لوط علی السلام پیغمبر کے بعد عثمان پہلا شخص ہے جس نے اللہ کی راہ میں گھر یار چھوڑا ہے۔“ ان کو سمندر تک پانچ عورتیں اور بارہ مرد مزید جا ملے ان کے پیچھے بہت سے مسلمان جوش گئے۔ ان میں حضرت جعفر طیار بھی تھے جو حضرت علی مرضیٰ کے سے بھائی ہیں۔

سنہ ۶ نبوت: حمزہ (آنحضرت ﷺ کے چچا) اور ان سے تین دن پیچھے حضرت عمر فاروق مسلمان ہوئے۔ مسلمان اس وقت تک چھپ چھپ کر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ اب کعبہ میں جا کر پڑھنے لگے۔

سنہ ۷ نبوت: قریش نے آپس میں ایک عہد نامہ لکھا کہ ”کوئی شخص مسلمانوں کے ساتھ لیں دین اور رشتہ ناطنه کرے۔ ہاشمی قبیلہ کے ساتھ بھی لین دین، رشتہ ناطہ بند کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔“

اس ظلم کی وجہ سے آنحضرت ﷺ اور ہاشمی قبیلے کے سب لوگ ایک پہاڑی کی کھوہ میں (شعب الی طالب) میں بندر ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں بھی دشمن اندر نہ جانے دیتے۔ گز جسی کے اندر بچے جب بھوک کے مارے رہتے تو ان کے رونے کی آواز شہر تک سنائی دیتی۔ کوئی شخص ترس کھاتا تو تھوڑا بہت اناج چھپ چھا کر زرات کو پہنچا دیتا تھا۔ ان سب سختیوں پر بھی آنحضرت ﷺ کے پاک نام اور سچے دین کو برابر پھیلاتے رہے۔

سنہ ۸ نبوت: آنحضرت ﷺ طائف پہاڑ پر اسلام کا وعظ فرمائے گے۔ جب آنحضرت ﷺ وعظ کے لئے کھڑے ہوتے تو لوگ پتھر مار کرتے، حضور ﷺ لہو میں تربہ ترہ جاتے، لہو بہہ کر جو تے میں جم جاتا، پاؤں سے جوتا اتارنا مشکل ہو جاتا۔ ایک دن آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنی چوٹیں لگیں کہ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ زید بن حارث رضی اللہ عنہ جو ساتھ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا کر ربتی سے باہر لے گئے۔ منہ پر پانی چھڑ کنے سے ہوش پایا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے آئے اور یہ فرمایا کہ ”اگر یہ لوگ مسلمان نہیں ہوتے تو ان کی اولاد تو ضرور اللہ پاک کو ایک مانتنے والی ہو جائے گی۔ (آنٹھ برس کے بعد سارا طائف مسلمان ہو گیا تھا)۔

سنة انبوت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راستوں اور گزر گاہوں پر جایا کرتے۔ آتے جاتے کو د عظ ساتے۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف سے کچھ آدمیوں کی بات چیت کی آواز سنائی دی۔ اُدھر ہی گئے۔ وہاں مدینہ کے چھ آدمی اترے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا۔ اسلام سمجھایا تو وہ مسلمان ہو گئے۔

سنہ ۱۲ انبوت

- (۱) ۷/ رب جب کو ۵/ سال ۵ مہینہ کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مراجح ہوئی۔ مسلمانوں پر پانچ نمازیں فرض ہو کیں۔ اس سے پہلے دونمازیں فخر اور عصر کی پڑھی جاتی تھیں۔
- (۲) موسم حج میں اٹھاڑہ شخص مدینہ سے مکہ آئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمير رضی اللہ عنہ کو مدینہ بھیج دیا کہ لوگوں کو اسلام سکھائیں۔ اس پاک زمین میں اسلام کو خوب ترقی ہوئی۔ حضرت مصعبؓ کے وعظ سے بنو نجار اور بنو ہشیل کے قبلیہ اور دوسرے قبلیوں کے بہت سارے لوگ ایک ہی سال کے اندر مسلمان ہو گئے۔

سنہ ۱۳ انبوت

- (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مدینہ چلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا کہ مدینہ رہا کریں گے۔ انہوں نے اقرار کیا کہ ہم اسلام پر پکے رہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور نصرت کیا کریں گے۔
 - (۲) جب مکہ کے دشمنوں نے سنا کہ اسلام مکہ سے باہر چیل رہا ہے تو انہوں نے ارادہ کر لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں۔ ایک رات انہوں نے آنحضرتؐ کے گھر کو گھیر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھرے میں سے صاف نکل گئے۔
- (مہربوت از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ)

حصہ پنجم

اسلام اور جدید سائنس

قرآن حکیم اور سائنس

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْخِلَافِ الْأَيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الْأَنْبَىٰ
تَحْرِىٰ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْسَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ
الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ ذَآبَةٍ وَتَصْرِيفَ الرِّيحِ وَالشَّاحِبِ الْمُسْخَرِ
بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (٢/١٤٣) (آل بقرۃ: ۱۴۳)

ترجمہ: پیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے
کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں (اور جہازوں) میں جو دنیا میں لوگوں کے فائدے کے لئے
رواؤ ہیں اور مینہ میں جس کو اللہ آسمان سے بر ساتا اور اُس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی
خشک ہوئے پیچھے سر بزیر) کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواویں کے
چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھر رہتے ہیں عقلمندوں کے لئے
اللذکی (قدرت کی) نشانیاں ہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْخِلَافِ الْأَيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولَى
الْأَلْيَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيمًا وَقُوَّةً وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَنْقُذُونَ فِي خَلْقِ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بِاطِّلَاءٍ سُبْحَنَكَ فَقَنَاعَ عَذَابَ النَّارِ ۝
(٣/١٩٠-١٩١) (آل عمران: ۱۹۰-۱۹۱)

ترجمہ: پیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے
جانے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹھے (ہر حال میں) اللہ کو یاد
کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے پروردگار تو نے اس
(ملوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔ تو پاک ہے۔ تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب
سے بچائیو۔

وَمَا أُوتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلٌ (بُنی اسرائیل: 17:85)
”او تم کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔“

رب کائنات نے قرآن حکیم کو نور ہدایت سرچشمہ علوم، لاریب و محفوظ اور جامع و اکمل

کلام کا مرتبہ عطا کر کے روحانی ضروریات کا ضابطہ قرار دیا ہے۔ کائنات کا سب سے بڑا ہمدرد و شفیق انسان محمد ﷺ جب غار حرا کی خلوتوں میں انسانیت کے اصل مقام و مرتبہ کی آشنائی کے لئے غور و فکر کی بلند یوں پر تھا کہ ایک دن یہاں کیک خالق کائنات کی طرف سے یہ آواز گوئی.....

إِفْرَاٰ يَاسِمُ زِيْكَ الْدِّيْنِ خَلَقَ (٦٩/العلق: ١)

”اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا“

قرآن کا یہ پیغام کفر و جہالت کے اندھروں میں ڈوب ہوئی بدحال انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ایک نئے حیات بخش نظام کے نزول کا آغاز تھا۔ ہزاروں سالوں پر محيط انسانیت کی تاریخ پر نظر گزرا دیں تو قبل از اسلام کا ماضی تاریکیوں سے پردھانی دیتا ہے۔ علم و حکمت کی ترقیوں کے نمونے نہ ملنے کے برابر ہیں۔ گویا شریعت اسلامی کی علمی ترقی سابقہ ہزاروں سالوں پر صحیط ہے کیونکہ اسلام دور جدید کی ہر گمراہی کو دور کرتا ہے۔ اسلام زندگی کے ہر شعبہ اور عمل کے ہر گوشے کے لئے اصلاحی تدابیر رکھتا ہے۔

قرآن حکیم میں ایمان والوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ تم آسمانوں اور زمین کی تخلیق، کو اکب اور اجرام علویہ کے نظام، ہواوں کے چلنے، دن اور رات کے اختلاف، سمندر کے عجائب، جہادات و بنیات و حیوانات کی تخلیق، شمس و قمر کا مسخر ہونا، انسان کی تخلیق، علم و عقل اور اوراک کے اعتبار سے ان کے امتیازات اور دوسری مخلوقات پر انسان کے تفریق پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

سائنس لاطینی زبان کے لفظ "scientia" سے ماخوذ ہے جس کے معنی "علم" ہیں۔ غور و فکر اور تحقیقی و مطالعہ سے حقیقت کا منکشف ہو جانا "سائنس" ہے اس لئے اس "علم" کا حاصل کرنا، پڑھنا، سمجھنا اور اس کے لئے جستجو کرنا مسلمان کی فطری ضرورت ہے۔

غور و فکر کے حوالے سے قرآن حکیم میں متعدد بار اس قسم کی ترغیبات استعمال ہوئی ہیں۔ غور و فکر کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے لیکن محض غور و فکر میں نہیں ہے۔ خدا کی قانون جدوجہد کا قانون ہے صرف مثالیوں کا قانون نہیں ہے۔ یہ انسانوں کے لیے دائیٰ ترقی کا راستہ واضح کرتا ہے، علم سے عمل اور عمل سے اطمینان قلب تک۔

إِنْ فِي ذَلِكَ لَا يَهْدِي لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (٣٩/المر: ٣٢) أَفَلَا يَتَذَبَّرُونَ الْقُرْآنَ

(۲/النساء: ۸۲) إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (۲/البقرة: ۱۶۳)

قرآنی الفاظ اس بات کا اشارہ دیتے ہیں کہ ”علم“ اور ”سائنس“ معنوی لحاظ سے ایک ہی شے ہیں مگر دور جدید میں ”سائنس“ مظاہر فطرت، قدرتی واقعات کے مطالعہ و مشاہدہ کے لئے مخصوص ہو گیا ہے۔ چنانچہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان ایسے علم کو چھوڑ دیں جس سے زندگی کے شعبے وابستہ ہیں کیونکہ اس علم کی بنیاد عیقین مطالعہ اور تجربہ و مشاہدہ کائنات ہے۔ اس لئے ایسے علم سے صرفت الہیہ کافیضان حاصل ہوتا ہے۔

عقل سلیم کا مالک انسان ضرور اس حقیقت کا اعتراف کرے گا کہ کائنات میں علوم کا پھیلاوا اسلام ہی کا مرہون منت ہے۔ لفظ research یعنی ”تحقیق“ ایک ایسا علم ہے جو مخفی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے انبیاء و رسول ”وی“ کے ذریعہ حقیقت مکشف فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل کو محدود و محتاج بنا کر اسے وحی الہی کے تابع کر دیا تاکہ رسول کی تعلیم و تربیت کے تحت تحقیقات کی جائیں۔

”انسان اصل میں بالکل بے علم تھا۔ اسے جو کچھ بھی علم حاصل ہوا اللہ کے دینے سے حاصل ہوا، اللہ ہی نے جس مرحلہ پر انسان کے لئے علم کے جود و ازے کھولنے چاہے وہ اس پر کھلتے چلے گئے۔ یہی بات ”آیہ الکرسی“ میں اس طرح فرمائی گئی ہے:

وَ لَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمٍ إِلَّا بِمَا شَاءَ (البقرہ: ۲۵۵)

”اور لوگ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ سو اے اس کے جو خود چاہے۔“

”حکمت“ بعض اوقات مصب نہوت سے علیحدہ بھی عطا کی گئی۔ مثلاً فرمایا: وَ لَقَدْ

اتَّيْنَا لِقْمَنَ الْحِكْمَةَ (۳۱/لقمن: ۱۲) ”اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی۔“

اس سے مراد اعلیٰ بصیرت ”درست قوت فیصلہ“ بھی ہے۔ کیونکہ یہ زندگی کو خوش کام و نیک انعام دیتی ہے۔ يُؤْتَى الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتَى خَيْرًا كَثِيرًا (۲/البقرہ: ۲۴۹) ”وہ جس کو چاہتا ہے وہ اپنائی بخشتا ہے اور جس کو وہ اپنائی ملی بے شک اسے بڑی نعمت ملی۔“

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

کلمة الحكمة ضالة المؤمن اذا وجدتها اخذها (ترمذی ابواب العلم)

”حکمت کی بات مون کا گشیدہ مال ہے جہاں اسے پائے اپنا مال سمجھ کر لے۔“

امام غزالی ”الحکمة فی مخلوقات اللہ“ کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

”اللہ تجھے حق شناسی کی توفیق عطا کرے اور دین و دنیا کی فلاح و کامرانی نصیب فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے عجائب و مصنوعات میں تدبر و تفکر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ

نے انسان کو عقل سلیم عطا کی ہے۔ وہی کے ذریعے اس کی رہنمائی فرمائی اور اصحاب نظر اور ارباب عقول

کو اپنی مصنوعات میں غور و فکر کی اپنی اپنی تعداد کے مطابق دعوت دی“ (قرآن نمبر جلد: ۲، ص: ۱۳۳)۔

قرآن مجید میں بہت ساری ایسی آیات موجود ہیں جن میں کائنات اور اس کے مظاہر کو

اللہ تعالیٰ کی نشانیاں قرار دے کر ان میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے فرمایا:

أَوْلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلْكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ

شَيْءٍ وَإِنَّ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَدِ افْتَرَبَ أَجَلُهُمْ فِيَ حَدِيثٍ بَعْدَهُ

يُؤْمِنُونَ (۷/الاعراف: ۱۸۵)

”کیا یہ لوگ آسمانوں اور زمین کے انتظام میں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس میں غور و فکر نہیں کرتے اور یہ کہ شاید ان کی اجل قریب ہی آگئی ہو؟ پھر اس تعلیم کو چھوڑ کر کس بات کو باور کریں گے۔“

ایک اور آیت میں فرمایا:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِيقَ إِنْ فِي ذَلِكَ لَا يَةٌ

لِلْمُؤْمِنِينَ (۲۹/العنکبوت: ۲۲)

”اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے کچھ مشک نہیں کہ ایمان والوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔“

علاوه ازیں سورۃ الرعد: ۳۲-۳۳، سورۃ الحمد: ۳، آلم: ۳۲-۳۳، آل عمران: ۱۹۰-۱۹۱، الباشیہ: ۳ اور القصص سے روشنی ملتی ہے کہ کائنات کی تنظیم کا فرمانہ میں غور و فکر کے لئے ”ایمان و علم“ سے ہی مدد حاصل کی جائے، قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

سَنُرِيهِمْ أَيَّشَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ (حُمَّ السَّجْدَة - ۵۲: ۵۲)

”ہم عنقریب ان کو آفاق و انفس میں نشانیاں دکھلائیں گے۔“

درج بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حجاتی کی تک حجتی کا راز تحقیق ہے اور علم، ایمان اور عقل کی حجاج ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے تو گویا قرآن مجید ”بصائر“ کا ایسا سرچشمہ ہے جس سے مومن ذہنی ارتقاء حاصل کرتا ہے اور یہی اسلام اور مسلمان کی عظمت کا یہیں ثبوت ہے۔

مَاتَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفْوِيتٍ (۲۷/الملک: ۲)

”کیا تو رحمٰن کی آفرینش میں کہیں بھی کوئی نقص دیکھتا ہے۔“

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى تَفْسِيهِ بَصِيرَةٍ ۝ وَلَوْ أَلْقَى مَعَاذِيرَةً (۱۵-۱۷/القيمة: ۱۵)

”انسان خواہ ہزار بھانے بناتا پھرے گردہ اپنے لئے خود دلیل ہے۔“

اور فرمایا:

وَالْأَقْرَى فِي الْأَرْضِ دَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ (۳۱/لقمان: ۱۰)

”اور زمین میں پہاڑ رکھ دیئے مبادا تمہیں ایک طرف کو جھکا دے۔“

قرآن کی یہ دعوت فکر و نظر ابدی نوعیت کی حامل ہے۔ خواہ کتنے ہی اسرار و رموز مکشف ہوتے جائیں۔ مگر تمہیں ان پر بار بار توجہ دینا پڑے گی۔ جس سے مومن سائنسدان کے قلب میں معرفت الہی موجز ہو گی اور اس طرح یہ علم اخلاقی و روحانی قدروں سے منور ہوتا چلا جائے گا۔

توجه طلب پہلو

موجودہ دور میں سائنس اور میکنالوجی نے محیر العقول ترقی کی ہے مگر مسلم ممالک کی حالت اس میدان میں کمزور ہے اور یہ ترقی یافتہ اقوام کے دست نگر ہیں۔ دنیا کے اہم اور حساس مقامات پر واقع ہونے کے باوجود بھی دوسروں کے زیر اثر زندگی گذار رہے ہیں۔ اس لئے مسلم ز علماء اس سوچ میں ہیں کہ امت مسلم کے اندر اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کی جائے تاکہ وہ عالم انسانیت کی قیادت و سیادت اپنے ہاتھ میں لے کر ”خیر امت“ ہونے کا فرضیہ ادا کر سکیں۔ تحریک کائنات کے نظریات تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ اسی لئے علمائے متقدیں میں کے درمیان قرآن و سنت کی نصوص سے کائنات کے علوم کی کھوچ لگانا اختلافی مسئلہ رہا ہے۔ مثلاً امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) قرآن و سنت سے کائنات کے علوم سمجھنے کے قائل تھے۔

قرآن اپنی صداقت کے اثبات کے لئے سائنس کاحتاج نہیں کیونکہ سائنسی نظریات تغیر

پذیر ہوتے رہتے ہیں جب کہ قرآنی حقائق اٹل اور مستقل ہیں۔ درحقیقت قرآنی علوم..... انسانی ذہن کے خود ساخت نظریات سے مادراہ ہیں۔ اس لئے تفسیر کے معین اصول و ضوابط کے بغیر قرآن کے سائنسی اعجاز پر کلام کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ قرآن نے کائنات کی تسمیہ کا جو فرمان جاری کیا ہے اس کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ انسان اپنی اردوگرد پھیلی ہوئی کائنات سے مکدا جائے۔ کتاب الہی کا منشاء یہ ہے کہ وہ اس کے اسرار سے واقفیت حاصل کر کے نوائیں فطرات سے استفادہ کرے۔

موجودہ دور کے بھلکست خورده ذہن قرآن کریم کو یا تو سائنس کا تابع بتاتے ہیں یا اس کی حقانیت سائنس سے ثابت کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔ اسی ملکہ فکر کے لوگ قرآنی آیات کو سائنس کی ہر قسم کی ایجاد پر ”فت“ کر دیتے ہیں۔ مظاہر فطرت اور سماوی حقائق کا نزد کرہ اس حیثیت و انداز سے کرتے ہیں کہ قرآن سائنسی موضوع کی کتاب بھی ثابت ہو جائے۔ اس طرح کی تاویلات و تشریحات سے ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دینا چاہتے ہیں اگر ہم عصری تقاضوں کے مطابق قرآنی آیات کی تلقین کرتے رہے تو پھر خدا ہے کہ اللہ کی کتاب بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گی۔ اسی طرح دشمنان اسلام کو استہزا کایا موقعد مل جائے گا۔

قرآن مجید ایک اور حافی کتاب ہے جسے سائنس سے بالواسطہ کوئی تعلق نہیں۔ لیکن چونکہ یہ پاک کتاب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کائنات اس کا غفل ہے اس لئے اس کتاب کے پڑھنے سے ہمیں قادر تی مظاہر میں ایک باقاعدگی نظر آتی ہے اور بعض کو سائنسدانوں نے ہر دوں کاوش کے بعد اب دریافت کیا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ قرآن کریم بنیادی طور پر پیغام ہدایت ہے۔ تمام سائنسی اشارے جو قرآنی آیات میں ملتے ہیں، اسی بنیادی مقصد کے تابع ہیں اور ان کی حیثیت ثانوی ہے۔ اس لئے مسخر شدہ اشیاء میں تمہارے لئے فوائد مہیا کئے گئے ہیں۔ مگر ”جدید مفسرین“ کو جو ”حسناتفاق“ میسر ہوا ہے اس سے اتنا متاثر ہوئے کہ سائنس کی ہر قسم کی ترقی پر قرآنی آیات کو پیش کرتے ہیں۔ قرآن سے ہر مسلمان کو پھی عقیدت ہے کیونکہ یہ ایمان کا جزو لا ینفک ہے مگر ”عقیدت“ کو بنیاد بنا کر اور جدید مفسر بنے کی تڑپ یہاں تک تونہ پہنچائے کہ قرآن کے اجمانی اشارات کو اس طرح واضح کیا جائے ”قرآن نے سائنس کے ابواب مدقن کر دیئے ہیں“ اور پھر ان ”مدفن

ابواب" کے ختن میں آیات سے خاص خاص الفاظ نکالے جاتے ہیں۔ یعنی وہ "طرز فکر" ہے کہ جس کے تحت چاند تک انسان کی رسائی کا واقعہ ہو جانے کے بعد مضمون خیز طریقے سے نکتے نکالے گئے کہ "چاند پر انسان پہنچے گا"۔ "وہ تین انسان ہونگے" تینوں ہی کافر ہوں گے، وغیرہ اس طرح لفظ "حطمہ" کا ایتم بم، بنادیا اور لفظ "سلطان" کو راکٹ، ثابت کر دیا۔ ایسی تفسیری تک ودو احساس مکتری کے سوا کچھ نہیں۔ فی الحقيقة مسلمان کا عقیدہ یہ ہونا چاہے کہ رشتہ اسباب اللہ تعالیٰ کی بالاتر قوت کے ہاتھ میں ہے۔ اس عقیدے پر عمل کے بعد ہم افراد و تفریط کا شکار ہوں گے۔

قرآن کریم میں نہ توریاضی کا کوئی کلیہ درج ہے اور نہ ہی سائنس کا اصطلاحی فارمولہ اس نقطہ نظر سے قرآن نہ ریاضی کی کتاب ہے اور نہ سائنس کی بایس ہمہ قرآن علم و حکمت کا سرچشمہ ہے کیونکہ اسی بزرگ و برتر کتاب میں قوانین فطرت کو سمجھنے اور ان پر غور و تدبر کرنے کی ہدایت بار ہا فرمائی گئی ہے۔ اس لئے قرآن بجا طور پر قرآن حکیم کہلاتا ہے۔ (قرآن نمبر ص: ۵۱)

مسلمان ایک عظیم قوم ہیں کہ ان کی اساس عظیم ہے۔ علم و حکمت کی عالی شان عمارت "قرآن و سنت" ان کے پاس ہے مضبوط قوت بننے کے لئے انہیں بُنیادوں پر اپنی قیادت و سیادت کو استوار کر کے ہی کامیابی حاصل کرنا ہوگی۔ قرآن نے کائنات کے علوم کے بارے میں جد و جہد کو مفید قرار دیا ہے کہ اس کی ترغیب بھی دی ہے۔ امت مسلمہ تحریر کائنات کے مادی و روحی فوائد سے اسباب و سائل کا ذخیرہ جمع کرے تاکہ اپنی فتوحات و مہماں کا دائرہ بھی برابر و سبق ہوتا رہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان کو جو صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ وہ ان کا بھرپور استعمال کر کے اپنے گرد و پیش پھیلی ہوئی حیات و کائنات کے متعلق علم حاصل کرے۔ آیات قرآنی پر غور و فکر کرے تاکہ اسلام کے بارے میں اہل مغرب نے (اس خاص سائنسی میدان میں) تشكیک پیدا کرنے کی جو روشن اختیار کر رکھی ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔ اسلام عقل انسانی سائنس اور مذہب کے مابین مخاصمت کا قائل نہیں۔ مگر اللہ کے لئے قرآنی آیات کی بے جاتا دیلات کر کے جدید سائنسی نظریات سے مطابقت پیدا کرنے کی پر تکلف روشن ترک کر دینا ضروری ہے۔ اب حالات کا شدید تقاضہ ہے کہ ہم مسلم نوجوانوں کو دینی جنبہ کے ساتھ ان علوم کے لئے تیار کریں تاکہ یہ مسلم نوجوان اپنے علم سے اہل ایمان کے وقار کو بلند کریں اور اقوام غیر کے دست نگر ہونے سے محفوظ ہو سکیں۔ انہیں کی شان ہے۔

مسلمانوں کی سائنسی تاریخ کا مختصر تعارف

ساتویں صدی کے اوآخر اور آٹھویں صدی کی ابتداء میں یورپ میں چہالت کا دور دوڑھا۔ یورپیین مورخین اس دور کو درود مظلہ (The dark ages) سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اس کے بعد مسلم قوم میں علمی "تہذیبی اور شفاقتی بیدازی کا دور تھا۔ موجودہ دور میں علمی فضیلت یا برتری کی بات کرنا تحصیل حاصل ہے۔ مگر جس زمانے میں اسلام کا آغاز حجاز مقدس کی وادیوں سے ہوا۔ پوری دنیا علم و عرفان کی فضیلت سے بالکل چالیں غافل تھی۔ قرآن اس دور کا نقشہ یوں بیان فرماتا ہے:

وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفْنِي ضَلَالٌ مُّبِينٌ (الجمعه : ۲۲: ۲)
”اور اس سے قبل تو لوگ صریح گمراہی میں بتلاتے ہیں۔“

موجودہ سائنسی تحقیق کی ابتداء خاندان بن نوامیہ سے ہوئی۔ خالد بن یزید بن معاویہ نے کیمیا اور طب کی یونانی کتب کے تراجم کرائے اور اس طرح مسلمانوں میں طبیعاتی علوم کے مطالعے کا ذوق پیدا ہوا۔ عباسی دور خلافت میں مامون الرشید اور ہارون الرشید کے کارنا مے سر فہرست ہیں۔ ”بیت الحکمة“ اس دور کی جدید ترین سائنسی یونیورسٹی تھی۔ جس میں سائنس کے میدان میں ”بیت الحکمة“ نے انقلاب عظیم برپا کیا۔ جب یورپ کی گلیوں میں پچھر بھری رہتی تھی اور انہیں پانی کے استعمال یعنی نہانے کا ذہنگ نہیں آتا تھا تو یہی مسلمان تھے جنہوں نے انہیں دنیا میں رہنا سکھایا۔ اخبار و رہنمائی پر ایک وہ دور بھی آیا جب ”کیسا“ کے حکم سے ہر ابھرنے والے سائنسدان کو قید یا قتل یا زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ یوں ان نہ ہی تھیکیداروں نے تقریباً ساڑھے تیس لاکھ انسانوں کو صفحہ ہستی سے منادیا جو علم و عقل کی بات کرتے تھے۔ اس ظلم کے نتیجے میں ایک ایسا انقلاب برپا ہوا کہ ان کے نوجوان یہودیت و عیسائیت کی نہ ہی گرفت سے نکل بھاگے اور آج ”نہہب کا نام“ ان کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔

مقابلہ اسلامی حکومتوں نے علم و حکمت کی سر پرستی کی اور سائنس کے موجود پیدا کئے، جابر بن حیان کیمیا کا موجد ”ابن الہیشم“ طبیعت کا موجود، ابو یکر زکریا رازی طب کا موجود، بوعلی سینا طب کا عالم، موسیٰ الخوارزمی حساب کا موجود، میکانیات میں ابو الفیض اسماعیل الرزاق الرازی بدیع

الزمان مؤلف، "الكتاب ميزان الحكمة"۔ بصریات میں اہم ایشیم ۱۰۳۸ء اور عمر الخیام الجبراء کا موجود، یہ وہ سائنسدان ہیں جن کا اعتراض مغرب کے محققین کو آج بھی ہے۔ یہ اسلام کی عقائد کا ایک مختصر نمونہ ہے کہ مسلمانوں نے سائنسی علوم کو اہمیت دی۔ اس لئے مسلمان اس دور میں ان علوم میں یونان سے بڑھ گئے۔ طب کے شعبہ میں بھی جراحی کے ایسے ایسے اہم کارناٹے اس وقت انجام دیئے جب کلیسا کے فتوؤں کے مطابق پیاری کے لئے دوائی کا استعمال تک منوع تھا۔

قرآن کا ارشاد ہے:

"اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان موجود چیزوں کو محض نکھل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ ہم نے ان سب چیزوں کو (تدبر) حق کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن بہت سے لوگ اسے جانتے نہیں ہیں" (الدخان: ۲۸-۳۹)۔

دنیا کی زندگی دھوکہ نہیں ہے نہ ہی اسے بے مقصد پیدا کیا گیا ہے بلکہ اسے حق کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ قرآن کی وہ آیات جن میں فطرت کے بغور مشاہدے کی دعوت دی گئی ہے 'فُنَّمَا زَ' روزہ، حج وغیرہ سے متعلق جمیع آیات سے گئی گناہ اند ہیں۔ اس کی روشنی میں مسلمانوں نے فطرت کا قریبی مشاہدہ شروع کیا اور اس سے مشاہدے اور تجربے کی بدولت سائنسی طرز فکر پیدا ہوا جس سے یونانی ناؤقت تھے۔ مسلم ماہر بیات ابن بیطار نے دنیا بھر سے پودے اکٹھے کر کے اس موضوع پر لکھا۔ میر (Mayer) نے اپنی کتاب Gesch der Botanika میں اسے اس موضوع پر تاریخ ساز کتاب قرار دیا ہے۔ الیبرونی چالیس سال تک معدنیات کے نئے اکٹھے کرنے کے لیے سفر کرتا رہا۔ مسلم ماہرین فلکیات کے بعض مشاہدے بارہ بارہ سال بعد تک کے لیے تھے۔ ارسطو نے طبیعت پر کوئی تجربہ کیے بغیر نہت لکھا اور بے اختیاطی سے ایسے بیانات بھی درج کر دیے جو عمومی مشاہدے سے درست کیے جاسکتے تھے مثلاً اس کا یہ بیان کہ انسانوں کے دانت جانوروں سے زیادہ ہوتے ہیں، وغیرہ۔

گلین (Galen) نے، جسے قدیم علم تشريح الاعضا (anatomy) کی سب سے بری سند مانا جاتا ہے، تایا کہ نچلا جڑ اور ہڈیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا بیان تھا جسے صد یوں تک کسی شبکے بغیر تسلیم کیا گیا، یہاں تک کہ عبد اللطیف نے انسانی ڈھانچے کا بذات خود مطالعہ کیا۔ اس قسم کی کئی مثالیں بیان کرنے کے بعد رابرٹ بریفالت (Robert Briffault)

اپنی کتاب The Making of Humanity میں تحریر کرتا ہے: هماری سائنس پر عربوں کا صرف یہ قرض نہیں ہے کہ عربوں نے جراثین کو دریافت کیں یا انقلابی نظریات پیش کیے۔ سائنس پر عرب تمدن کا اس سے زیادہ احسان ہے: یہ ہے کہ وہ اپنے وجود کے لیے اس کی مرہون منفث ہے۔

وہ مزید لکھتا ہے:

اہل یونان نے مغلک شکل دی، عموم پیدا کیا، نظریے بنائے، لیکن تحقیق کے صبر آزماء اصول، ثابت حقائق کو جمع کرنا، سائنس کے جزس طریقے، تفصیلی اور طویل مشاہدے، تجربے کے ذریعے تحقیق، یہ تمام کے تمام اہل یونان کے مزاج کے لیے بالکل اچھی تھے۔ جسے ہم آج سائنس قرار دیتے ہیں اور اس کا ارتقا یورپ میں تحقیق کے نئے طریقوں..... تجربہ، مشاہدہ اور پیالش کا اور ریاضی کے ایسے ارتقا کا نتیجہ تھا جو یونان کے لیے غیر معروف تھا۔ یہ جذبہ اور یہ طریقے یورپ کی دنیا میں عربوں نے متعارف کرائے تھے۔ (rama کرشنا راؤ۔ محمد انصاری ص 22-23)۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

” غالباً یہ بیان نا مکمل رہ جائے گا اگر میں اس مقام پر مختصر ذکر نہ کروں کہ علوم جدیدہ کی ترویج و اشاعت میں مسیحیوں نے نگل دلی اور اسلامیوں نے فرا خدی کے کیسے کیے گئے تو دھکھائے۔“
 ۱۔ ذی رومنس نے ظاہر کیا کہ ”توس قزوی“ بارش میں شعاع آفتاب کے انعکاس کا نام ہے، اسے خدا کی کمان جنگ بتانا انتقام الہی کی علات سمجھنا غلط ہے، صرف اتنی بات پر وہ قید کر کے ”روما“ سمجھا گیا۔ وہ جیل ہی میں مر اس کی لاش اور اس کی کتابوں کو جلا دیا گیا۔
 ۲۔ ”برونو“ کو ۱۶۰۰ء میں لمبی قید کے بعد اس لئے زندہ آگ میں جلا دیا گیا کہ اس نے دنیا کو ”علم اسباب“ کہہ دیا تھا۔

۳۔ زمین کے گول ہونے کا مسئلہ خلافت عبایہ میں معلوم ہوا اور اس اکٹھاف سے مسلمانوں میں ایک درخت کا پتہ بھی نہ ہلا۔ مگر یہی مسئلہ جب یورپ میں پہنچا تو قیامت برپا ہو گئی اور بیسویں قلاس فرنجز میں گوگول کہنے لگے تھے قتل کر دیئے گئے۔
 ۴۔ چیپک کا میکہ قطبیہ میں کافی دیر سے رائج تھا۔ ۱۷۲۱ء میں ایک عورت ”مسماۃ میری موننا“ اسے یورپ لے گئی تو پاوریوں نے اس طریقہ علاج کی بے حد مخالفت کی۔ حتیٰ کہ

بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ شاہی اختیارات سے اس کا نفاذ روک دیا جائے۔

۵۔ ”امریکہ میں جب یہ طریقہ لٹا کہ عورت کو ولادت کے وقت مhydr کر دیا جائے تو تمام پادری مخالف ہو گئے کہ عورت کو ولادت کے وقت آرام پہنچانا خدا کی لعنت کا مقابلہ ہے، جو کتاب پیدائش باب سوم میں عورت ذات کے لئے موجود ہے“ (رحمۃ للعالمین جلد: ۳ ص: ۲۲-۲۳)

سرجان ولیم ڈرپر لکھتا ہے:

”مسلمانوں نے صرف مدارس قائم کرنے یا علمی کتابوں کی نقول و تراجم کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی تصحیح، تریم اور ترقی بھی کی اور بہت سے نئے علوم پیدا کئے۔ چنانچہ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کا ان علوم کی طرف زیادہ رجحان رہا۔ جن کا تعلق عمل، مشاہدہ سے تھا۔“

چنانچہ دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم میں مسلمان عالموں کے مشاہدات عاقلانہ اور تجربات ماہر ان تھے وہاں طب طبعیات اور کیمیا میں بھی نام پیدا کیا۔ اور ان مدارس کی نگرانی فراغ خوصلگی سے نظریوں اور یہودیوں کی سپرد بھی کی جاتی تھی کسی شخص کو کسی بڑی خدمت پر مأمور کرتے وقت حکومت (اسلامیہ) کو یہ خیال نہ آتا تھا کہ وہ کس قوم سے تعلق رکھتا ہے اس کے عقائد کیا ہیں بلکہ محض علمی قابلیت کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ سائنس میں عربوں کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ انہوں نے اس کی تحریک میں یورپ کے یونانیوں کا طریقہ اختیار کیا۔ یعنی ان کے علم کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر تھی۔ فن کیمیا میں ترازوں کا استعمال کیا جس کے اصولوں سے وہ پوری طرح واقف تھے۔

”ایک مدت تک یورپ میں فلکی ریاضی اور طبعی فنون عربوں کی تصانیف سے حاصل کئے جاتے تھے ساتویں صدی کے بعد تک بھر متوسط کی سیادت عربوں کو حاصل تھی۔ اس لئے انہوں نے اطاalloیوں اور فرانسیسیوں کو بہت سے عربی الفاظ دیئے۔ اہل فرانس کی طب کی بنیاد ہی ”عربی طب“ پر تھی۔ اس کے ذریعے انہوں نے بہت سے عربی الفاظ اختیار کئے۔ عرب سات صدیوں تک فراش والی میں انگلیس سے مختلف علوم پہنچاتے رہے اور اہل یورپ نے علوم طبعی ریاضی فلکیات، کیمیا اور بہت سے علوم علماء اور ان عربی کتابوں سے سکھے جن کی اصل ضائع ہو چکی تھی۔ طبعی علوم تمام تر عربوں ہی سے سیکھے سڑھویں صدی تک ان کا تمام تر وار و مار انہیں پر تھا۔“

(دین رحمت ص: ۱۶۳)

ڈاکٹر لوسین لیک لکھتا ہے:

”دنیا پھر وہ اعجاز آفرین منظر نہ دیکھ سکے گی جو نویں صدی (عیسوی) میں عربوں نے پیش کیا۔ یونان کے تمام علوم عربوں کی گرفت میں تھے۔ انہوں نے اپنی صفت میں اذل درجے کے طلباء پیدا کئے جنہوں نے اسی وقت علمی حقیقت کے صحیح مذاق کا اظہار کیا۔“ (دی ہسٹری آف عرب میڈی یس: ۹۲-۹۱)

جان ڈبلیو یکیمبل جو نیز لکھتا ہے:

”اسلام نے وہ کچھ حاصل کیا کہ دوسری کسی قوم نے اس کے حصول کی کوشش تک نہ کی۔ اسلام نے سائنس ایجاد کی۔ یہ کام روما اور یونان نہ کر سکا۔ روما میں صفائی کا انتظام نہ تھا۔ ایکھنر کے فلسفہ کا اہتمام نہ تھا۔ ہم نے سائنسی میراث روما اور یونان سے نہیں لی بلکہ صرف اور صرف اسلام سے لی ہے۔ (اسلام ریویو مارچ ۱۹۵۵ء)

عطش ڈڑائی لکھتے ہیں: ”اسلامی اندرس میں سائنس کے ہر شعبہ میں تحقیقات کی تمام تر سہوتوں میسر تھیں۔ طب کو بطور خاص فروع حاصل ہوا۔ جامعہ قرطیبہ میں علم بیت، کیمیا، جغرافیہ اور تاریخ کے شعبے قابل ذکر ہیں۔ (سیارہ ڈائجسٹ جودہ صدیاں نمبر ص: ۳۲۵)

یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان عربی بولنے والے تہذیب و ثقافت کے عظیم مشعل بردار ثابت ہوئے۔ قرون وسطی میں بغداد اور اندرس کے مسلمان مفکرین ہی کو یہ لازوال عظمت حاصل تھی کہ انہوں نے خیال کی دولہروں میں تالیل قائم کیا مسلمانوں کو تجویزاتی علم کی اشاعت و تعلیم کا ذوق ابتدائی اسلام ہی سے ودیعت کیا گیا تھا۔ اس لئے بنو امیہ نے ۶۶۱ء میں دمشق میں سائنس کے علماء کو جمع کرنا شروع کر دیا پھر ۸۶۸ء میں عباسیوں کے خلفاء خصوصاً متصور، ہارون اور مامون نے سائنسدانوں کی بے حد حساب حوصلہ افزائی کی تو یہاں یہ کہنا زیادہ ضروری ہے کہ سائنسی فکر نے آنے والے عہد کی ”حکمت“ پر جواہر ڈالا۔ اس کے پیش نظر مسلمان مفکرین کا یہ کارنامہ اولین عظمت کا مستحق ہے سب سے زیادہ پرمغزا اور گرانقدر کتابیں سائنسی موضوعات پر عربی میں تھیں۔ عربی نے آٹھویں صدی کے نصف سے گیارہویں صدی کے اختتام تک تک بی نی نوع انسان کی ترقی پرمندانہ زبان کا کردار ادا کیا۔ اس دور میں جو خوب باخبر ہونا چاہتا تھا (یعنی سائنس کا علم حاصل

کرنا چاہتا تھا) اور تازہ ترین معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا تو اسے عربی زبان سیکھنا اور پڑھنا پڑتی تھی۔ اس لئے ”علمائے اسلام“ کو سائنس کاموں سے قرار دیا گیا ہے علم و حکمت کے اس دور میں مسلمان حکمرانوں نے مشرق و سطی انگل اور پرتگال میں شاندار دروس گاہیں قائم کیں۔

الغرض مسلمانوں نے علم کی ہر شاخ اور ہر فن میں نیا پن اور نئی تحقیقات کا آغاز کیا۔

سائنسی علوم میں مسلمانوں نے جو کارنا سے سرانجام دیئے وہ رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔

آخر میں یہ عرض کروں گا کہ مسلمانوں نے طبیعی علوم میں جو ترقی کی منازل طے کیں، آج ہمارے عربی مدارس کے طلباء کو مذکوری علوم کے ساتھ ساتھ ان علوم کی تعلیم بھی دی جانی چاہیے۔ اور اسی طرح سکولوں اور کالجوں میں سائنس کے ساتھ مذکوری علوم کی تعلیم ضروری قرار دینی چاہیے تاکہ مغرب کے سائنسدانوں نے اپنے متعصب پر اگنڈہ، الحادی اور بے دین نظریات و عقائد کو ان علوم میں داخل کر کے انسانیت کو جس مادہ پرستی کی راہ پر ڈال دیا ہے اور انسانیت الہ کلیسا، احبار اور ملحدین کی تحقیقات کے سہارے جی رہی ہے۔ ان سے چھکارہ ملے۔ اگرچہ آج ان کے ضمیر بوجمل ہیں اور وہ مادہ پرستی سے بچکے ہیں۔ مگر جدید یت کے ظاہری پرستار ضرور نظر آتے ہیں اس وجہ سے ہمارا معاشرہ افراط تفریط کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔ جس قوم کا ماضی نہ ہواں کا حال و مستقبل تاریک ہوتا ہے۔ ہمارا ماضی روشن ہے اسی ناطے سے حال و مستقبل کوتایاں کہ بناضروری ہے یہ مخفی خزانے ظاہر کئے جاسکتے ہیں۔ فنی علوم کے تحریکی پہلوؤں سے دنیا کا دامن حفاظار رکھنے کے لئے ہمیں مضبوط قوت بنانا ہوگا۔ آخر ”ہم کب تک“ دست سوال دراز کرتے رہیں گے۔ ہمیں ان مادی علوم میں بھی خود کفیل ہونا چاہیے جو ہماری اپنی نیراث ہے اور جن کی طرف علامہ اقبال یوں اشارہ فرمائے ہیں۔

مگر وہ علم کے موئی کتابیں اپنے آباء کی
انہیں دیکھیں جو یورپ میں تودل ہوتا ہے سیپارہ

حصہ ششم

اخلاقیات

اخلاقیات

الف) قرآنی آیات

۱) وَإِذَا أَخْذُنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهُ وَبِالْوَالِدِينَ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنَا وَإِيمَوْا الصَّلَاةَ وَأَتُوا الرِّزْكَوْهَ ثُمَّ تَوَلَّتُمُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْكُمْ وَإِنَّمَا مُغَرِّضُونَ (٨٣: ٢/ البقرة)

ترجمہ: اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور قیمتوں اور محتاجوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا۔ اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا اور نماز پڑھتے اور رزکوہ دیتے رہنا تو چند شخصوں کے ساتھ سب (اس عہد سے) منہ پھیر کر پھر بیٹھے۔

۲) قُلْ تَعَالَوْا أَتُلْ مَا حَرَمَ رَبُّكُمْ إِلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدِينَ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أُولَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ تَحْنُنْ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفَسَ الَّتِي حَرَمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذِلِّكُمْ وَصِنْكُمْ بِهِ لَعْنَكُمْ تَتَقْلُونَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتَيمِ إِلَّا بِالْيُقْرَبِ هُوَ أَخْسَنُ حَتَّى يَئْلُغَ أَشْدَهُ وَأُوفُوا الْكِبِيلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا تُكْلِفَ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاغْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذِلِّكُمْ وَصِنْكُمْ بِهِ لَعْنَكُمْ تَدْكُرُونَ ۝ وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَبَعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقُ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذِلِّكُمْ وَصِنْكُمْ بِهِ لَعْنَكُمْ تَتَقْلُونَ ۝ (٦/ الانعام: ١٥١-١٥٣)

ترجمہ: کہو کہ (لوگو) آدمیں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کر دی ہیں (آن کی نسبت اُس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا۔ اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) اچھا سلوک کرتے رہنا اور ناداری (کے اندریشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ اُس کے پاس نہ پھکلنا۔ اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا۔ مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کی وہ تمہیں تاکید کرتا ہے تا

کتم سمجھو۔ اور تیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے اور ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب (کسی کی نسبت) کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گووہ (تمہارا) رشتہ دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم نصیحت قبول کرو۔ یہ کہ میرا سید ہمارستہ یہی ہے تو تم اُسی پر چلنا اور اورستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم پر ہیز گار ہو۔

(۳) **كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الظَّالِمُونَ**
عَهْدُكُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْمُتَّقِينَ (۹/التوبۃ: ۷)

ترجمہ: بھلامشروعوں کے لئے (جنہوں نے عہد توڑا) اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عہد کیوں نکر (قام) رہ سکتا ہے۔ ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد محترم (یعنی خانہ کعبہ) کے نزدیک عہد کیا ہے اگر وہ (اپنے عہد پر) قائم رہیں تو تم بھی (اپنے قول و قرار پر) قائم رہو بے شک اللہ پر ہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔

(۴) **وَمَا يَبْيَغُ أَكْفَارُهُمْ إِلَّا ظُلْمًا إِنَّ الظُّلْمَ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ**
عَلَيْهِمْ بِمَا يَفْعَلُونَ (۱۰/یونس: ۳۶)

ترجمہ: اور آن میں کے اکثر صرف خن کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ ان حق کے مقابلے میں کچھ بھی کار آمد نہیں ہو سکتا۔ بے شک اللہ تمہارے (سب) اعمال نے واقف ہے۔

(۵) **وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَئِكَ يَعْرُضُونَ عَلَى رَبِّهِمْ وَيَقُولُونَ**
الْأَشْهَادُ هُنَّا لِلَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى رَبِّهِمْ إِلَّا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ (۱۱/ہود: ۱۸)

ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ افتر اکرے؟ ایسے لوگ اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا تھا۔ من رکھو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

(۶) **وَصَرَبَ اللَّهُ مِثْلًا قَرْيَةً كَانَتْ أَمْنَةً مُطْمَئِنَةً يَاتِيهَا رِزْقُهَا رَغْدًا مِنْ كُلِّ**

مَكَانٌ فَكَفَرَتْ بِأَنَّهُمُ اللَّهُ فَإِذَا قَهَّا اللَّهُ لِيَسَ الْجُوعُ وَالْخُوفُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ
(۱۲۲/الخل)

ترجمہ: اور اللہ ایک بھتی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن جیسے بھتی تھی۔ ہر طرف سے رزق با فراگت چلا آتا تھا۔ مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا الیاس پہننا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔

۷) وَيَلِلَّهُمَّ إِذَا احْكَمْتُمُ الْأَيْمَنَ إِذَا احْكَمْتُمُ الْأَيْمَنَ عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا
كَالُوْهُمْ أَوْ وَزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ (۸۳/المطففين: ۱-۳)

ترجمہ: ماپ اور قول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے جو لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو یہ را لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کریا تو اول کردیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

ب) احادیث مبارکہ

۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الْأَطْهَمُ
ظُلْمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (تفقیع علیہ)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ظلم قیامت کے روز تاریکیوں کا باعث ہوگا۔“

۲) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الْأَطْهَمُ
فِيَانُ الظُّلْمِ ظُلْمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَتَقْوَا الشَّرْ، فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ
فِيْكُمْ (آخر جملہ مسلم)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن ان دھیروں کا باعث ہوگا اور جن سے بچو کیونکہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔

۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ سَبَابُ
الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقَتَالَهُ كُفُرٌ (تفقیع علیہ)

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا، نافرمانی اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔

۳) عن أبي ذئر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم فيما يرويه عن ربِّه قال: يا عبادِي إني حرمتُ الظلمَ على نفسي، وجعلتُ بينكم محرماً فلَا تظالموا (آخرَة مسلم)

”حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے اپنے رب سے روایت کی، اس نے فرمایا: میرے بندوں میں نے ظلم کو اپنے لئے حرام ٹھہرا یا ہے اور تمہارے درمیان بھی اس کو حرام قرار دیا ہے پس تم باہم ظلم نہ کرو۔

۵) عن قطعة بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اللهم جنبي منكرات الأخلاق والأعمال والأهواء والأذواء (آخرَة الترمذى وصححة الحاکم، واللطف له)

”حضرت قطعہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے برے اخلاق، برے اعمال، بری خواہشات نفس اور بری بیماریوں سے محفوظ رکھ۔



علوم اسلامیہ

برائے طلبہ و طالبات

بی ایکس ٹریننگ ایڈیشنز لائی، بی ایکس پارک

